بسم الله الرحمن الرحیم

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵،۱۲۶)

راہِ اسلام

اسلامی علوم و معارف اور علمی و ثقافتی افکار و عقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۳۰-۲۳۱/جنوری تا اگست ۲۰۱۵ء

خصوصی شمارہ

فلسفۂ مہدویت

ایران کلچر ہاؤس، ۱۸۔ تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون: ۲۳۳۸۳۲۳۲،۳۳،۳۴ ، فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷
ichdelhi@gmail.com
http://newdelhi.icro.ir

راہِ اسلام

شمارہ: ۲۳۰-۲۳۱/جنوری تا اگست ۲۰۱۵ء

چیف ایڈیٹر	:	ڈاکٹر علی دہگاہی
ایڈیٹر	:	سید غلام حسین رضوی و خان محمد صادق جونپوری
مدیر اجرائی	:	خان محمد صادق جونپوری
کمپوزنگ	:	قاری محمد یاسین
صفحہ آرائی	:	ڈاکٹر علی رضا خان
تزئین جلد	:	عائشہ فوزیہ
ناظر چاپ	:	حارث منصور
پریس	:	الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی۔

ISSN: 2349 – 0950

ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو ٹائپ شدہ فائل ارسال فرمائیں۔
صرف غیر مطبوعہ مقالہ ہی ارسال فرمائیں۔
اگر ممکن ہو تو مقالہ، بذریعہ ای میل ichdelhi@gmail.com پر ارسال فرمائیں۔
مقالہ ایران کلچر ہاؤس کے پتہ پر پوسٹ بھی کر سکتے ہیں۔
مقالہ کے متن میں جن مآخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو ان کا ذکر ضرور فرمائیں۔
مقالے کی اشاعت کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ حتمی ہوگا۔
آپ کے ارسال کردہ مقالہ کی اشاعت یا عدم اشاعت کے لئے ادارہ کو اختیار ہوگا۔
نوٹ: آپ اپنا مقالہ ۲ مہینہ کے اندر ادارہ کو ارسال کر دیں۔ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں مقالہ، شامل اشاعت نہیں ہوگا۔

فہرست

اداریہ ۱

فلسفۂ تاریخ اور نظریہ ظہور، شہید صدرؒ کی نگاہ میں
عرلی رضا نودہی
مترجم: منہال حسین خیرآبادی ۳

احادیث مہدویت پر ایک کلی نظر
ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد
مترجم: خان محمد صادق جونپوری ۲۸

مہدویت شیعہ سنی مشترکہ روایات میں
ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد
مترجم: خان محمد صادق جونپوری ۶۱

شخصیت امام مہدی (عج) کی تطبیقی شناخت، فریقین کی نظر میں
ڈاکٹر فتح اللہ نجار زادگان
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی ۸۸

تعلیم و تربیت اور تعلیمات مہدویت کا ربط
مجتبیٰ گودرزی
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی ۱۱۱

افکار اہل سنت میں مہدی موعود
مہدی فرمانیان
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی ۱۳۴

منجی عالم، تعلیمات عیسائیت میں
مہراب صادق نیا
مترجم: سید محمد جعفر زیدی ۱۶۲

دنیا کے سیاسی نظام کا انجام
مرتضیٰ شیرودی
مترجم: منہال حسین خیرآبادی ۱۷۷

اداریہ

دنیا بھر کے مختلف سماجوں اور ثقافتوں میں منجی بشریت کا تصور الگ الگ شکل میں ہی صحیح مگر پایا جاتا ہے۔ تقریباً سارے ہی ادیان و مسالک نے اپنے پیروکاروں کو ایک نجات دلانے والے کے ظہور کی بشارت دی ہے کہ وہ آئے گا اور انہیں ظالموں کے سفاک ہاتھوں سے آزاد کرادے گا اور ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرے گا جس کی ابھی محض آرزو ہی کی جاسکتی ہے۔ وہ معاشرہ جہاں خوش بختی وسعادت مندی اور عدالت و راست بازی کا بول بالا ہوگا اور اس سے متعلق سارے افراد وہاں موجود تمام مادی اور روحانی وسائل سے برابری کے ساتھ مستفید ہوں گے، البتہ آسمانی ادیان کی تعلیمات میں منجی بشریت اور مصلح عالم کا تصور نہایت واضح اور روشن انداز میں موجود ہے یہ وہ حقیقت ہے جو حضرت ولی عصر(ع) کے ظہور کے اسباب کے تئیں دنیا والوں کو مزید پر امید کرتی ہے۔ جملہ ادیان الٰہی میں باطل پر حق کی بالادستی، مستقبل میں نیک اور صالح افراد کی حاکمیت، خدائی پیشواؤں کی مرکزیت تاہم دینی نظام کے تسلط سے متعلق تاکید ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

امام عصر(ع) کا ظہور پورے طور پر طبع انسانی کی نیک سرشت سے ہماہنگ ہے۔ چنانچہ وحدت پرست ادیان کی تعلیمات سے امام عصر(ع) کی حمایت اور ان کے عدل پرور اغراض ومقاصد پر عمل درآمد نیز مہدوی معاشرہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے جملہ انسانی شعور کو بالیدگی عطا کرتے ہوئے مدد لی جاسکتی ہے۔

اسلامی مکاتب فکری میں بھی مصلح عالم سے متعلق عقیدہ، اہل تشیع اور اہل تسنن کے درمیان ایک مشترک موضوع ہے تاہم اس سلسلے میں متعدد احادیث بھی نقل کی گئی ہیں اور دونوں ہی مسلک اس بات پر متفق ہیں کہ آخری زمانہ میں کوئی آئے گا جو کشتی انسانیت کو ساحل نجات سے ہمکنار کرے گا اور ظلم وستم سے لبریز دنیا کو سامراجی عفریت سے چھٹکارا دلائے گا۔

آج انسانی معاشرہ کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ تعلیمات مہدویت کی ترویج وتبلیغ کی ضرورت ہے۔ جتنا زیادہ اسلامی معاشرہ کو اس کی شناخت ہوگی اتنے ہی مشکلات ومسائل حل ہو سکیں گے، چنانچہ ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی نے مہدوی تہذیب کو مزید رواج دینے اور اس موضوع میں دلچسپی رکھنے والوں کے

لئے مختلف نقطہ ہائے نظر پر مشتمل ایک خصوصی شمارہ "فلسفۂ مہدویت" کو زیور طبع سے آراستہ کر کے نشر کرنے کا عزم کیا ہے۔ امید ہے یہ اس راہ میں ایک تعمیری قدم ثابت ہو گا۔

ادارہ

فلسفۂ تاریخ اور نظریہ ظہور، شہید صدرؒ کی نگاہ میں

مولف: عرلی رضانودہی
مترجم: منہال حسین خیرآبادی

فلسفۂ تاریخ کی بحث کو شروع کرنے سے پہلے ہم ظہور کی ماہیت اور اس سے متعلق نظریات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

الف) ظہور کا دفعی (ناگہانی) ہونا[۱]

اس نظریہ کے مطابق ظہور کی ماہیت دفعی و ناگہانی ہے یعنی جب ظلم و ستم آخری حد پر پہنچ جائے گا تو بشریت کو نجات دینے اور سعادت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے دست غیب آگے بڑھے گا اور ظہور ہو جائے گا۔

اس نظریہ کے مطابق ظہور سے پہلے ہر قسم کا اصلاحی کام بے سود ہوگا اور ہر قسم کا گناہ، فساد و ظلم و ستم، ظہور کو نزدیک کرے گا، یعنی ظہور کی تعجیل کے لئے ظلم و ستم کو رواج دینا ہوگا۔ یعنی اس نظریہ کے ماننے والے معتقد ہیں کہ ظہور کے اسباب غیبی ہیں اور اس کی بنیاد اسی پر استوار ہے۔

ب) ظہور کا تدریجی ہونا

اس نظریہ کے مطابق طبیعی اسباب و علل اور تاریخ کے جبری عوامل ظہور کے تحقق کا باعث ہیں، یعنی اسی وقت ظہور ہوگا جب انسانوں کی عقلیں کامل اور ان میں عدالت پر مبنی حکومت الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے لہٰذا ایسے مقدمات کے فراہم ہونے میں طبیعی اسباب و علل اور تاریخ کے جبری عوامل کے مقابلے میں انسانوں کا ارادہ اور اختیار بہت کارساز نہیں ہو سکتا۔

ج) ظہور کا اختیاری ہونا[۲]

اس نظریہ کے مطابق انسان کا ارادہ اور اس کا اختیار ظہور کے زمانے کو مقدم و موخر کرنے کا اصلی سبب اور

---

۱. مرتضی مطہری، قیام وانقلاب امام مہدی از دیدگاہ فلسفہ تاریخ، ص۵۴۔
۲. علی رضانودہی، اختیاری بودن ظہور، مجلّہ موعود، شمارہ ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲۔

عامل ہے اس نظریہ کے مطابق موعود کی حکومت کے نظریہ کو بہترین انداز میں پیش کرنا ہوگا اور نہایت دقت نظر اور غور و خوض کے ذریعہ ایک جامع منصوبہ بنانا ہوگا۔ ظہور ایک عظیم ہدف کا نام ہے جسے محقق کرنے کے لئے طویل منصوبہ بندی اور جانفشانیوں کی ضرورت ہے۔ اہداف اور اس کے حصول کی راہوں کا تعین اور پھر انہیں مرحلہ اجرا سے گذارنا ظہور کے بنیادی شرائط میں سے ہے، یعنی انسان کا ارادہ اور اختیار، طبیعت اور اس کے قوانین میں دخیل ہوتا ہے اور خود انسان تاریخ ساز ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ظہور کے مقدمات انسانوں کے ارادہ کے ساتھ زندگی کے ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، حفاظتی اور سلامتی میدانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جب ظہور کے مقدمات فراہم ہو جائیں گے تو خداوند عالم کا لطف بھی شامل ہوگا اور اس طرح انسان ایک عظیم انقلاب کی دنیا میں قدم رکھے گا۔

اس آخری نظریہ کو بہت سے لوگوں نے قبول کیا ہے لیکن شہید صدرؒ نے اس پر جامع و کامل بحث کی ہے، ان کے نظریہ کے مطابق یہ انقلاب دنیا کے دیگر انقلابات کی طرح طبیعی عوامل سے وابستہ ہے۔ اس نکتہ کو شہیدؒ نے بہت اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس بحث میں وارد ہونے کے لئے سب سے پہلے دو اہم موضوعات کی طرف اشارہ کرنا لازم و ضروری ہے:

شہر مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد مسلمان منظّم ہوئے اور وہاں ایک چھوٹی مگر جامع وکامل اور قدرتمند حکومت قائم کر کے گویا انہوں نے ایک عالمی حکومت کی بنیاد رکھی، سقیفہ کے واقعہ نے اسلامی حکومت کے رخ کو موڑ دیا، عاشور کے روز امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب نے یزید کی بیعت سے صاف انکار کر دیا اور جام شہادت کو نوش کر لیا، امام خمینیؒ نے جلاوطنی کو قبول کیا اور اپنے پیغامات کے ذریعہ ایران کے عوام کو بیدار کرتے رہے اور اس طرح تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

یہ تاریخ کے وہ وقائع ہیں جو برحق مانے جاتے ہیں لیکن اسی وقت زندگی میں اثر گذار ثابت ہو سکتے ہیں جب ان کے تمام زاویوں پر گفتگو ہو اور اس کے متعلق خوب تحقیق کی جائے؛ کہ آخر کیا وجہ تھی کہ مدینہ کی جانب پیغمبر اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد مسلمان کامیاب ہوئے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مذکورہ وقائع اور حوادث کو فلسفہ تاریخ کے روشندان سے پرکھا جائے تو ان سے کچھ ثابت و اٹل قوانین نکالے جاسکتے ہیں؛ جیسے کہ یکجہتی کامیابی کا راز ہے، چھوٹی چھوٹی حکومتیں، عالمی حکومتوں کی بنیاد ہیں۔ اسلامی حکومت کی تباہی کی وجہ قدرت طلب اور کینہ توز لوگ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فلسفہ تاریخ میں تاریخ کی قانونمندی کی جانچ کے ساتھ اس کی افادیت پر بھی تحقیق ہوتی ہے؛ مثال کے طور پر کیا گذشتہ حوادث دوبارہ قابل تکرار ہیں؟ کیا انسانی حیات ایک خاص ہدف کی جانب رواں دواں ہے؟ انسانی زندگی کی گاڑی تباہی کے راستے پر دوڑ رہی ہے یا کامیابی کی جانب گامزن ہے؟ کیا اس گاڑی کو

دوڑانے والے طبیعت کے جبری قوانین ہیں یا خود خدا ہے یا اس میں انسان بھی موثر واقع ہو سکتا ہے؟ ایسے سوالوں کے جواب فلسفہ تاریخ میں دیئے جاتے ہیں۔

تاریخ میں مستقبل کی تلاش

جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ تاریخ قانونمندی اور افادیت پر مشتمل ہوتی ہے تو پھر اس میں مستقبل کی تلاش کی بحث شروع ہوتی ہے۔ اگر ہم تاریخ کے قوانین کو جبری اور لازمی قرار دیں اور یہ قوانین صفحہ تاریخ کے مطلق العنان حکمران ہوں تو پھر بہت آسانی سے مستقبل کی تلاش کی جاسکتی ہے۔ اگر جبری اور لازمی قوانین کے علاوہ دیگر اسباب و علل جیسے انسانوں کے ارادے اور اختیار کو بھی دخیل مان لیا جائے تو پھر تاریخ کی دنیا میں آئندہ کی تلاش بہت دشوار ہو جائے گی۔ تاریخ میں انسانوں کی دخالت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر مستقبل کی پیشین گوئی کرنا مشکل ہوگا۔

حضرت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

> "اگر دنیا کی عمر سے صرف ایک دن بھی بچا ہوگا تو خداوند عالم میرے اہل بیتؑ کی ایک فرد کو حکم دے گا کہ وہ اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے بالکل اسی طرح کہ جیسے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوگی"[۱]۔

یہ روایت حقیقت میں تاریخ کی پیشین گوئی اور مستقبل کی تلاش ہے، اگر ہم تاریخ پر مسلط قوانین اور اس کی حرکت کو جبری اور لازمی مان لیں تو پھر ایسی پیشین گوئی علمی ترقی کی وجہ سے ہوگی لیکن اگر تاریخ کے قوانین کو مشروط گردانیں تو پھر اس خبر کو ہر حال میں غیبی ماننا پڑے اس لئے کہ اس منزل تک علم بشری کی پرواز ناممکن ہے۔

تاریخ میں جبر و اختیار

تاریخ میں جبر کا ہونا ایک ایسا عقیدہ ہے جسے ہر دور میں قدرت کے شیدائی اور ظالم و جابر حکمرانوں نے ہوا دینے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بھی قسم کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دے بطور مثال اگر کوئی سامراج ملک کسی تہذیب کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی تباہی کا میں کسی بھی حال میں ذمہ دار نہیں ہوں اس لئے کہ یہ سارے حوادث تاریخ میں جبر کی وجہ سے انجام پائے ہیں۔ پس جبر اور ذمہ داری قبول کرنے کے درمیان

۱۔ ابو داؤد، سلیمان ابن الاشعث، صحیح سنن المصطفیٰ، ج ۲، ص ۲۰۷۔

رابطہ عکس اور تضاد کا ہے، اس لئے کہ ہم جس قدر تاریخ میں جبر کے قائل ہوں گے اسی حد تک تاریخی واقعات میں انسانوں کی ذمہ داری اور ان کی دخالت کو معمولی دکھائیں گے اور جس قدر تاریخ کے اختیار کے معتقد ہوں گے اسی حد تک انسانوں کی ذمہ داری کو زیادہ دکھائیں گے، اگر ہم تاریخ میں جبر مطلق کے قائل ہو جائیں تو انسان نہ تنہا امام زمانہ عج کے ظہور کے لئے کچھ نہیں کر سکتا بلکہ ایسی صورت میں ظہور کی دعا کرنا بھی مہمل ہو جائے گا اس لئے کہ اس عقیدہ کی تسلیم کرنے کے بعد ظہور کا زمانہ اور اس کا وقت معین شدہ ہے اور وہ اپنے معینہ زمانہ اور وقت میں جبری قانون کی بنا پر واقع ہو گا۔

جبر تاریخ کے طرفداروں کے مقابلے میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اختیار تاریخ کے قائل ہیں جیسے پوپر اور آیزا برلین۔ ان کا کہنا ہے کہ تاریخ انسانوں کے لئے میدان عمل ہے اور انسان مختار اور آزاد پیدا ہوا ہے جو اپنی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی بھی قسم کی تبدیلی کو روک سکتا ہے پس جب یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ انسان صاحب اختیار ہے نہ کہ تاریخ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ تاریخ میں کوئی جبر نہیں ہے[1]۔

فلسفہ تاریخ شہید صدرؒ کی نظر میں

تاریخ کا جائزہ لینا اقوام و ملل کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور واقعات کے سلسلہ میں غور و فکر کرنا ہے۔ یہ اصطلاح اٹھارویں صدی کے خاتمہ پر جرمن دانشوروں کی جانب سے استعمال ہوئی۔ اس سے پہلے یورپ میں تاریخ کا کوئی مفہوم نہیں تھا اور اگر تاریخ کے نام پر کچھ پایا جاتا تھا تو وہ داستانیں اور سرداروں کے کارنامے تھے اور بس، اسی طرح ابن خلدون کے زمانے یعنی چودھویں صدی تک مسلمانوں کے درمیان تاریخ کا یہی مطلب تھا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تاریخی واقعات منظّم اور مشیت الٰہی کے تابع ہوتے ہیں لیکن یہ مطلب یورپی دانشوروں کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس لئے کہ عیسائی علما اور ان سے پہلے یہودی علما اپنے چاہنے والوں کو اسی عقیدہ کی تلقین کیا کرتے تھے[2]۔

شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

> "اس قرآنی مفہوم (تاریخ کی سنت) کا انکشاف ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ ہم اپنی معلومات کی حد تک قرآن کو سب سے پہلی کتاب سمجھتے ہیں جس نے اس مفہوم سے پردہ اٹھایا ہے اور اس کی بڑی تاکید بھی کی ہے اور اپنے تمام ذرائع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاریخی سنتوں کو بیان کیا ہے

---

۱. مرتضی مطہری، فلسفہ تاریخ، ص۲۲۱۔

۲. ہگل، عقل در تاریخ، مترجم حمید عنایت، ص۱۰۔

اور اس کی حمایت میں ان لوگوں کا شدت سے مقابلہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ تاریخی واقعات خود بخود رونما ہوتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں کا بھی منھ توڑ جواب دیا ہے جو قائل ہیں کہ تاریخی واقعات غیبی مقدرات ہیں اور ہمارے پاس ان کے سامنے تسلیم ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے"[۱]۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اس مفہوم کے انکشاف کا عظیم کارنامہ باعث ہوا کہ انسانی زندگی میں تاریخ کی علمی تاثیر کے درک وفہم کے ذریعہ بشری افکار واندیشہ کو ہوشیاری کا موقع فراہم ہو جائے، اسی بناپر قرآن کریم کے نازل ہونے کے آٹھ سو سال بعد خود مسلمانوں نے اس مہم کا آغاز کیا، ابن خلدون نے تاریخ کے سلسلہ میں تحقیق، سنتوں کی تلاش اور اس کے قوانین کو کشف کرنے کا کام شروع کیا، ان کے بعد کم از کم چار سو سال گذرنے کے بعد یورپ کے دانشوروں نے دورہ رنسانس کے اوائل میں اسی نہج پر تاریخ کی جانچ پڑتال شروع کی جسے مسلمانوں نے شروع کرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا اور اس طرح جس مہم کو مسلمانوں نے کمال تک پہنچانے سے صرف نظر کر لیا تھا مغربی دانشوروں نے دورہ رنسانس میں اسے لے کر تاریخ اور اس کی سنتوں کو سمجھنے کا سلسلہ شروع کیا"[۲]۔

شہید صدرؒ کا عقیدہ تھا:

"قرآن کریم نے مختلف زبانوں اور لہجوں میں تاریخ کے فلسفہ کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے؛ کبھی اس نے تاریخی سنتوں کو بیان کیا ہے اور کبھی انہیں کشف کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور کہیں اپنا نظریہ بھی بیان کیا ہے"[۳]۔

آپؒ ایک دوسرے مقام پر تاریخی سنتوں کو کشف کرنے کی ضرورت اور فلسفہ تاریخ کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عام لوگ تاریخی وقائع کو غیر مربوط واقعات کا نام دیتے ہیں جو قضاو قدر، خدا کی مشیت یا اس کی بارگاہ میں تسلیم ہونے کی وجہ سے پیش آتے ہیں لیکن قرآن کریم نے اس فکر کا مقابلہ بہت

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، ص۷۸۔

۲. ایضاً۔

۳. ایضاً، ص۷۵۔

شدت سے کیا ہے اور ہرگز کسی بھی واقعہ کو قدرت نمائی یا تسلیم ہونے کا نتیجہ نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ انسانوں کو تعلیم دیتا ہے کہ ایسے واقعات میں سنن اور قوانین حکم فرما ہیں اور انسان کو اپنی قسمت پر قبضہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی سنتوں اور قوانین کو سمجھے اور ان میں نفوذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اچھی طرح ان کی معرفت حاصل کرے لیکن اگر آپ نے اپنی آنکھیں بند کرلیں تو یہ سنتیں اور قوانین آپ پر حاوی ہو جائیں گی لہٰذا اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور تاریخ کی سنتوں اور قوانین سے واقفیت حاصل کریں تاکہ آپ ان پر حکومت کر سکیں، ایسا نہ ہو کہ وہ آپ پر حکومت کرنے لگیں"[1]۔

تکامل تاریخ

کیا تاریخ تکامل، ارتقا اور عدالت کے راستے پر گامزن ہے یا پھر وہ تباہی، تاریکی اور ظلمات کی طرف بڑھ رہی ہے؟

علامہ جعفری تاریخ کے سفر کے بارے میں فرماتے ہیں:

"انسانوں کا تاریخ کے تکامل کی راہ میں سفر کرنا ایک بہت ہی مبہم اور غیر قابل توضیح و اثبات مسئلہ ہے، اس لئے کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ طبیعت میں انسانوں کی من مانی اور نابجا تصرفات و تفکرات اور بعض شعبہ جات میں انسانوں کے بڑھتے ہوئے نفوذ سے دو آخری صدیوں میں اگر علمی آئینہ سے دیکھا جائے تو انسانوں کی ترقی بڑی توجہ طلب رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ترقی جس نے تمام انسانی اقدار اور عظمتوں کو پامال کر دیا ہے اسے ہم ترقی اور تکامل کا نام دے سکتے ہیں؟"[2]

شہید صدرؒ کی نگاہ میں تاریخ کا سفر ترقی کی راہ پر گامزن تھا اور آج کی مغربی تہذیب تاریخ کی اسی ترقی کا واضح ثبوت ہے، آپؒ نے مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ موجودہ مغربی تمدن کا مطالعہ کریں اور اس کی جانچ پڑتال کریں اس لئے کہ یہ تاریخ بشر کی تکامل یافتہ تصویر ہے....۔

آپؒ نے مغربی تہذیب اور اس کے ثمرات کو دو حصوں مادی اور اجتماعی و سیاسی میں تقسیم کیا ہے، جس میں پہلی قسم کا استعمال آسان اور اس کے خطرات ناچیز ہیں لیکن دوسری قسم کے سلسلہ میں آپ کا عقیدہ ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے سے پہلے اسلامی مفاہیم اور تہذیب کو ماخذ کے طور پر اختیار کیا جانا چاہئے

۱۔ سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، ص ۷۹۔

۲۔ ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج۱۶، ص ۱۳۲۔

اور پوری احتیاط کے ساتھ ہر اس چیز کو اپنا لینا چاہئے جو ہمارے دین اسلام کے ساتھ سازگار ہو اور اس راہ میں تحریف اور دین کی غلط تفسیر سے پرہیز کرنا چاہئے[۱]۔

آخری دو سو سالوں میں بے شمار اسلامی دانشور مغربی اجتماعی اور سیاسی نظام سے بدبینی اور نادرست تفسیر کی بناپر ناخواستہ تحریف اور بدعت کے دلدل میں گرفتار ہوگئے ہیں اور ان کے درمیان کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور اپنے آپ کو نئی دنیا اور اس کی ترقیات سے بہت دور رکھا[۲]۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مغربی تہذیب میں خوبیاں بھی ہیں لیکن اس کی جانچ پڑتال اور تحقیق و تفحص کرنے میں حد سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اس لئے کہ مغربی دانشوروں کے زیادہ تر نظریات نادرست اہداف و مقاصد پر استوار ہیں، مثال کے طور پر فوکویاما جیسے دانشوروں کا پایان تاریخ کے سلسلہ میں نظریہ جو مغربی تہذیب کے دنیا کی تمام تہذیبوں پر غالب ہونے اور پوری دنیا میں پھیل جانے پر مبنی ہے اور تہذیبوں کے ٹکراؤ پر مبنی، ہنٹنگٹن کے نظریہ میں بھی تہذیبوں کی جنگ اور اس کے ٹکراؤ کو بیان کیا گیا ہے اور مغربی تہذیب کو فاتح کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے، ایسے تمام نظریات سے سامراجیت کی بو آتی ہے اور ان میں استعماری پہلو پوشیدہ ہیں[۳]۔

تکامل تاریخ کا نظریہ ظہور کے اختیاری ہونے کے نظریہ سے بہت قریب ہے۔ اس نظریہ کے مطابق عقل اور علم کا کمال تک پہنچنا ظہور کے مترادف ہے۔

آج کا انسان جابر حکومتوں کے بڑے بڑے دعوے اور تہذیب کے نام پر نئے نئے نعروں سے خستہ ہو چکا ہے اور اب اس فکر میں ہے کہ وہ بڑی بڑی حکومتوں کو چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تبدیل کردے، اس لئے کہ بشری کاوشیں اسی نتیجہ پر پہنچی ہیں اور یہی وہ عنصر ہے جو مہدی موعود(عج) کے ظہور کے مقدمات کو فراہم کرسکتا ہے۔

آج دنیا میں اسلام کے تئیں لوگوں کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، قومیں ایک دوسرے سے نزدیک اور متحد ہوتی جارہی ہیں اور عالمی ظلم و ستم اور حق تلفی کا ڈٹ کر مقابلہ کررہی ہیں۔

تاریخ کی حرکت اور اس کا مقصد

---

۱. علی معموری، نظریہ ہای سیاسی شہید صدرؒ، ص۱۸۶۔

۲. علی معموری، نظریہ ہای سیاسی شہید صدرؒ، ص۱۸۶۔

۳. ایضاً، ص۱۹۳۔

طبیعت میں دو قسم کی حرکتیں پائی جاتی ہیں، جبری حرکتیں جو سابقہ علل واسباب کی وجہ سے ہیں جن میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے اور دوسری وہ حرکت ہے جو انسان کے ارادہ سے وابستہ اور ہدفمند ہے، انسان اپنے اہداف کے پیش نظر اس طبیعت میں کچھ اقدامات انجام دیتا ہے تاکہ اپنے اہداف کو جامہ عمل پہنا سکے۔

اس موضوع کو شہید صدرؒ مفصل اور دقیق الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''انسان اپنی ذاتی استعداد کے ذریعہ تاریخ کی حرکت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ تاریخ کی حرکت دیگر حرکتوں سے اس لئے ممتاز سمجھی جاتی ہے کہ اس میں ہدف اور مقصد ہوتا ہے یعنی تاریخ کی حرکت ہمیشہ بامقصد ہوتی ہے، اس کی علت غائی معین ہے، اس میں آئندہ نگری ہوتی ہے اور یہ آئندہ نگری تاریخ کی حرکت میں روح پھونکتی ہے، ایسا مستقبل جو اس وقت موجود نہیں ہے اور صرف ذہنی وجود کے زاویہ سے اسے دیکھا جارہا ہے، پس اس کا ذہنی وجود جہاں اس کے فکری ہونے کو ثابت کرتا ہے وہیں ایک طاقت اور ارادہ کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو انسان کو ہدف کی جانب گامزن رہنے کی تشویق کرتا ہے اور اس طرح فکر یعنی ہدف اور ارادہ قدرت کے باہمی ارتباط سے مستقبل کی تعمیر اور سماج میں نقل وحرکت کے حوالہ سے جان پڑ جاتی ہے''[۱]۔

ہر تاریخی حرکت کا آئیڈیل بڑا ہوتا ہے اور یہ بڑا آئیڈیل اس کے لئے ہدف اور مقصد کو معین کرتا ہے، یہ ہدف اور مقصد جانفشانیوں اور حرکتوں کو عظیم مقصد کی راہ میں لگا دیتے ہیں[۲]۔

پس انسان کا یہ مقصد اور ہدف جس حد تک دقیق، نامحدود اور واقعی ہوگا اس کو حاصل کرنے کا جذبہ بھی اتنا ہی زیادہ اور شدید ہوگا اور یہ جذبہ جتنا شدید اور قوی ہوگا اتنا ہی اثرانداز ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کوئی بھی نقل وحرکت اسی وقت ثمر بخش ہوتی ہے جب اس کے اہداف و مقاصد واقعی ہوں، پس تاریخ کی راہ میں سب سے پہلا قدم آئیڈیل اور نمونہ کی پہچان اور حقیقی اہداف و مقاصد کی شناخت ہے۔

شہید صدرؒ تاریخ کے نمونہ اور مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں[۳]:

الف: پست نمونہ (مادی زندگی)

یہ ایک ایسا نمونہ ہے جسے موجودہ سماج کے حالات و شرائط نے جنم دیا ہے، اس قسم کے نمونے بار بار وجود میں آتے ہیں اور ذلت بار ہوتے ہیں، جب تاریخ ایسے نمونوں کے زیر سایہ حرکت کرتی ہے تو اس کی

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص۱۴۶۔
۲. ایضاً، ص ۱۱۵۔
۳. ایضاً، ص ۱۵۲۔

حرکت تکراری ہوتی ہے یعنی وہ موجودہ حالت میں بغیر کسی تبدیلی کے اسے مستقبل میں بدلتی ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں ایسے نمونے ہمیشہ ان دو علل و اسباب میں سے کسی ایک کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں:

پہلا سبب نفسیاتی ہے جیسے، عادت، بے ہودگی اور حماقت:

"قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ"[۱]۔

ترجمہ: وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں جو کچھ ہمارے آباء و اجداد سے ہمیں ملا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے اگرچہ ان کے آباء و اجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ ہوں۔

دوسرا سبب خارجی ہے جیسے تاریخ میں وقت کے فرعونوں اور ظالموں کا انسانوں پر مسلط رہنا:

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرِي"[۲]۔

ترجمہ: اور فرعون نے کہا: اے قوم کے بزرگو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کسی اور کو خدا نہیں سمجھتا۔

وہ سماج اور قوم جو پست اور مادی نمونوں کی حامی ہے وہ ایک تکراری حالت میں اپنی زندگی گذارتی ہے یعنی ان کے لئے تاریخ کی حرکت تکراری اور یکساں ہو جاتی ہے جس کی بناپر وہ سماج اور اس میں جینے والے لوگ ان نمونوں کو بھلا دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں تاریخ ان قوموں سے تین طرح کا سلوک کرتی ہے:

۱. دشمن کے حملہ کے ذریعہ تباہ و برباد ہو جانا
۲. بیگانہ نمونوں میں رچ بس جانا اور اپنے نمونوں کو بھلا دینا
۳. اصلی نمونوں کی طرف لوٹ جانا

ب: محدود اور مقید نمونے

وہ سماج جس کی نظر ایک روشن مستقبل اور خوشحال زندگی پر ہوتی ہے، لیکن وہ مستقبل کو پوری طرح ترسیم نہیں کر پاتے؛ اس لئے کہ ان کی تمنائیں اور آرزوئیں محدود ہیں، ایسے عاقبت اندیش لوگ مستقبل میں خطرات سے روبرو ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ وہ ایک محدود مقام میں رہ کر ہدف کا تعیین کرتے ہیں اور مطلق سازی کا ارادہ رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ہدف ذہنی ہے اور ذہن مستقبل کی سجاوٹ میں بخوبی ان کی مدد کر سکتا ہے اور ان میں نشاط ایجاد کر دیتا ہے لیکن بہت جلد اس کی محدودیت کا اندازہ ہو جاتا

---

۱. سورہ مائدہ، آیت ۱۰۴۔
۲. سورہ قصص، آیت ۳۸۔

ہے اور ان کے لئے مشکل ساز ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان کے لئے محدود اہداف کمال مطلوب کا حصہ بن جاتے ہیں اور ٹھیک مشکل وہیں سے جنم لیتی ہے جہاں سے انہوں نے محدود کے ذریعہ مطلق سازی کی تھی۔

بطور مثال یوروپین سماج میں جینے والے انسانوں نے موجودہ دور کے آغاز میں آزادی کاایک خوبصورت مفہوم تیار کیااس لئے کہ اس وقت وہ مختلف قید وبند اور مصائب وآلام کا شکار تھے،اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افکار سے قید وبند کی زنجیروں کو توڑ دینا چاہئے لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ آزادی ایک ڈھانچے کا نام ہے جسے ایک محتویٰ اور مضمون کی ضرورت ہے، آزادی ہمیشہ اقدار کے لئے ڈھانچہ بنتی ہے لیکن اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کرسکے اسی وجہ سے آج کا یوروپین انسان راستہ بھٹک چکا ہے اور اپنی آزادی کو کمال مطلق کا نام دے چکا ہے جب کہ آزادی صرف اور صرف ایک ظرف کا نام ہے اور اسے مظروف کی ضرورت ہے، وہ محتوا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے، اسی وجہ سے اس آزادی کے نام پر موجودہ فساد وفحشاء مغربی تہذیب کی بدنامی کا باعث ہوچکی ہے[۱]۔

ج: الٰہی نمونے اور الٰہی اہداف

یہ کمال مطلوب انسانی ذہن کا ثمرہ اور نتیجہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا کمال یافتہ ہدف ہے جو خارج میں بذات خود موجود ہے[۲]۔ خداوند عالم ایک موجود مطلق اور عالم خارج میں موجود ہے اس کی قدرت مطلق، اس کا علم بے انتہا اور عدل بھی مطلق ہے[۳]۔

"یَا أَیُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَی رَبِّكَ كَدْحاً فَمُلَاقِیهِ"[۴]۔

ترجمہ: اے انسان! یقیناً تو اپنے پرورد گار کی جانب پہنچنے کے لئے سخت کوشش میں مشغول ہے اور ایک دن ضرور اس سے ملاقات کرے گا۔

خدا پر ایمان اور وحی الٰہی سے ماخوذ عدالت پر مبنی عالمی حکومت ایک متوسط مقصد اور لقاء اللہ کے لئے ایک زینہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ہدف تاریخ کی حرکت کے لئے ایک بہترین محرک بن سکتا ہے، ظہور کے

---

۱. مصطفیٰ ملکوتیان، سیری در نظریہ ہای انقلاب، ص ۱۵۲۔
۲. ایضاً۔
۳. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۸۳۔
۴. سورہ انشقاق، آیت ۶۔

مقدمات فراہم کرنے کے لئے اس مقصد کو اور زیادہ پروان چڑھانا ہوگا تاکہ اس طرح شیعوں کے دلوں میں زبردست امید کا چراغ روشن ہو اور وہ آخر الامر عدالت پر مبنی عالمی حکومت کی سمت جا سکیں۔

ارادہ اور تاریخ کی حرکت

الف: ارادہ اور انسان

ہر انسان اس دنیا میں اپنی روحی طاقت کے مطابق اثر گذار ہو سکتا ہے، انسان جس قدر کمال کی منزلوں کو طے کرتا جائے گا اسی حد تک اس کائنات پر اپنا اثر چھوڑتا جائے گا۔ شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

> ''اسلام اور قرآن کا عقیدہ ہے کہ ظاہر و باطن میں تبدیلی ایک ساتھ ہونی چاہئے تاکہ انسان اپنے باطن پر یعنی اپنی روح، فکر، ارادہ اور خواہشوں پر قابو پا سکے، اس بنیادی چیز کو خارجی چیز یعنی بدن سے ہم آہنگ ہونا چاہئے، چونکہ کسی بھی ظاہری بنیاد کو باطنی بنیاد سے خالی تصور نہیں کیا جاسکتا لہٰذا اسلام نے باطنی بنیاد کو جب وہ اپنے صحیح راستہ پر گامزن ہو تو اسے جہاد اکبر کا نام دیا ہے اور جب ظاہری بنیاد اپنی واقعی اور صحیح مسیر پر لگ جائے تو اسے جہاد اصغر کا نام دیا ہے اور کہا جاتا ہے جب بھی جہاد اکبر، جہاد اصغر سے جدا ہو جائے گا وہ اپنی اصالت اور محتویٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہوگی کہ وہ تاریخ اور سماج میں کوئی حقیقی اور موثر اقدام کر سکے پس ضروری ہے کہ یہ دونوں عمل ایک ساتھ انجام پائیں، جب بھی ان میں سے ایک دوسرے سے جدا ہوگا وہ اپنی حقیقت سے دور اور محتویٰ سے خالی ہو جائے گا... پس اگر جہاد اکبر جہاد اصغر سے الگ ہو جائے تو کوئی بھی مفید باطنی تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔''[۱]۔

ب: ارادہ اور اسلامی حکومت

امام کاظم علیہ السلام ہارون سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انا امام القلوب وانت امام الجسد''[۲]۔
>
> ترجمہ: میں دلوں کا امام ہوں اور تو جسموں کا امام ہے۔

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۷۔

۲. ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ص ۲۰۴۔

اسلامی حکومت کی بنیاد مومنوں کی دلوں میں رکھی جاتی ہے، وہ دل جو رحمان کا عرش ہے اور اس پر خدا کی حکومت ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کی بنیاد انسانوں کے ارادے اور ہمت پر قائم ہے نہ کہ رعب و وحشت پر۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب بھی وہ توصیف شدہ لوگوں کی تعداد ۳۱۳ تک پہنچ جائے گی تو تمہاری مراد یعنی حکومت عدل الٰہی قائم ہو جائے گی"[1]۔

اسی وجہ سے اسلامی حکومت کا سارا دار و مدار ارادہ اور ہمت پر ہے۔ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی روایتیں ظہور کے مقدمات فراہم کرنے والے اور حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے اصحاب کی اس طرح تعریف و توصیف کرتی ہیں:

"انہوں نے کوشش تاکہ پاک و ثابت اور مہذب بن جائیں بالکل اس شمشیر کی طرح جسے لوہار نے خوب صیقل دیا ہو"[2]۔

ج: ارادہ اور تاریخ

انسان اپنی فکر کے علاوہ اپنے ارادہ سے بھی تاریخ کی سیر و حرکت میں موثر واقع ہوتا ہے؛ یہاں تک کہ ایک الٰہی انسان اپنے ارادہ کے ذریعہ پوری انسانیت کی تقدیر کو بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔وہ لوگ جو تاریخ کی حرکت میں انسانوں کی تاثیر کو بعید یا بہت ناچیز گردانتے ہیں، شہید صدرؒ ان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"اس سوال (تاریخ میں انسان کی عدم تاثیر گذاری) کا سرچشمہ حقیقت میں ایک خاص فکر ہے جس کی بناپر وہ تاریخ کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ انسان تاریخ کی حرکت میں ایک ثانوی اور فرعی حیثیت رکھتا ہے اور اصلی سبب مادی اور خارجی عوامل ہیں جنہوں نے پوری طرح انسانوں کو اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی بہترین حالت میں بھی اسی خارجی عامل کی تفسیر اور آئینہ ہے اور اس کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں ہے جب کہ تاریخ کی بنیاد دو چیزوں پر قائم ہے؛ایک انسان اور دوسرے وہ مادی عوامل و اسباب جنہوں نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ جس طرح مادی عوامل انسان پر اپنا اثر چھوڑتے ہیں اسی طرح انسان

---

۱. نعمانی، الغیبۃ، ص ۲۰۳۔

۲. بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۱۱۶۔

بھی اپنے اطراف اور دیگر خارجی عوامل و اسباب کو اپنی ذات سے متاثر کرتا ہے۔
... پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی آسمانی رسالت کے محقق ہونے کے بعد تاریخ کی حرکت کو اپنے اختیار میں لیا اور تہذیب و تربیت کی ایک طویل داستان رقم کی جب کہ خارجی اور مادی عوامل اسے خلق کرنے سے عاجز اور ناتواں تھے... اور جو کچھ بھی پیغمبر اکرم ﷺ کے ہاتھوں قابل تحقق تھا وہ آئندہ امام منتظرعج کے ہاتھوں محقق ہوگا"[۱]۔

شہید صدرؒ نہ صرف تاریخ کی حرکت کو انسان کی حرکت سے وابستہ سمجھتے ہیں بلکہ انسان کی حرکت کو تاریخ کی حرکت کی بنیاد قرار دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"انسان کا باطنی محتویٰ یعنی اس کی فکر اور ارادہ تاریخ کی حرکت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اس حرکت کی بنیاد اور اس کا سارا دار و مدار بلکہ اس کی ہر خصوصیت سب کی سب انسان کی باطنی طاقتوں پر منحصر ہے اور اس کی ہر قسم کی ترقی اور تبدیلی انسان کی انہیں بنیادی طاقتوں کی تبدیلی و ترقی پر منحصر ہے اور اس طرح ایک سماج میں تبدیلی اور ترقی شروع ہوتی ہے، پس یہ بات روشن ہے کہ جب تک یہ بنیاد قائم رہے گی اس وقت تک سماج کی بنیادیں قائم اور مستحکم رہیں گی، مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ انسان کے باطنی محتویٰ اور ایک سماج کے تاریخی اور اجتماعی بنیادوں کے آپسی روابط، حقیقت میں تابع و متبوع یا علت و معلول کا حکم رکھتے ہیں"[۲]۔

"اِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِاَنْفُسِهِمْ"[۳]۔

ترجمہ: بے شک خداوند عالم کسی بھی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنے آپ میں تبدیلی ایجاد نہ کریں۔

اس آیت کا بیان ہے کہ کسی بھی قوم کی سماجی اور ثقافتی تبدیلی و ترقی خود اسی قوم کے حالات و شرائط پر موقوف ہے۔ بنیادی تبدیلی ایک ایسی تبدیلی کو کہا جاتا ہے جو خود اسی قوم کے بطن سے جنم لیتی ہے اور اس کے بعد دیگر تبدیلیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں جیسے کہ اجتماعی تبدیلی یا تاریخی تبدیلی یا نوعی تبدیلی سب کی سب اسی بنیادی تبدیلی کے بعد وجود میں آتی ہیں[۴]۔

---

۱. رہبری بر فراز قرون، ص ۱۱۱۔
۲. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۶۔
۳. سورہ رعد، آیت ۱۱۔
۴. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۴۶۔

قوانین و سنن تاریخ

اگر تاریخ کی حرکت کو اختیاری تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حرکت کے ابزار اور وسائل کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب میں فلسفہ کے ماہرین نے مختلف راہیں پیش کی ہیں شہید صدرؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

”کائنات کے جملہ امور میں خدا کی سنتیں اور اس کے قوانین حکم فرما ہیں اور ان سب میں تین خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱. وہ سب کے سب الٰہی ہیں اور خدا کی حاکمیت کو محقق کرتی ہیں۔
۲. ان سب کے درمیان عمومیت پائی جاتی ہے اور انہیں اتفاق کا نام نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ ”ہماری سنتیں ہر گز تبدیل نہیں ہوتیں“[۱]۔
۳. خدا کی سنت میں انسان کے ارادہ کی گنجائش پائی جاتی ہے اور وہ آزاد ہوتا ہے یعنی انسانوں کو خدا نے صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنی قسمت کو خود سنواریں اور وہ سنتیں جو ان کے حق میں مسلم ہوچکی ہیں انہیں خود اپنے ہاتھوں سے انتخاب کریں[۲]۔

ایسے قوانین اور تاریخ کی سنتوں کی تین قسمیں ہیں[۳]:

الف: شرطیہ قوانین: یعنی دو واقعات کے درمیان تاریخی اعتبار سے رابطہ قائم ہوتا ہے۔ جب بھی شرط محقق ہوگی تو اس کی جزا کا محقق ہونا اور وجود میں آنا لازمی امر ہے، ہم نے اس مسئلہ کو مختلف شعبہ جات میں طبیعی سنتوں اور قوانین کے درمیان ملاحظہ کیا ہے، بطور مثال؛ اگر پانی حرارت کی وجہ سے سو ڈگری تک پہنچ جائے تو وہ کھولنے لگتا ہے۔ یہ طبیعی قانون شرط و جزا کے درمیان رابطہ کی خبر دے رہا ہے کہ جیسے ہی پانی کو حرارت اور آگ کی مجاورت حاصل ہوتی ہے اس میں ابال کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

ایسے قوانین انسان کی روز مرہ کی زندگی میں اسے بڑا فائدہ پہنچاتے ہیں اور اس کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار نبھاتے ہیں، اس لئے کہ انسان ایسے قوانین سے واقفیت کی صورت میں اپنے وجود میں شرط کی جزا کی تلاش میں سر گرم ہوجائے گا پس جب وہ اپنے وجود کو ایک شرط کے مقابلے میں ایک جزا کا محتاج دیکھتا ہے

---

۱. سورہ اسرا، آیت ۷۷۔
۲. سیری در نظریہ ہای انقلاب، ص ۱۵۳۔
۳. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۱۱۰۔

تو شرط کو فعال کرنے کے ذریعہ قانون کو جامہ عمل پہناتا ہے اور جب بھی شرط اس کی مصالح و منافع سے ناسازگار ہو یا اسے ناپسند ہو تو وہ شرط کے تحقق کو روک کر جزا کے تحقق پر پابندی عائد کر دیتا ہے۔

خداوند عالم کا ارادہ ہے کہ وہ انسانوں کو ایک منظّم و مسلّم نظام سے آشنائی دلا کر اسے اس نظام میں اس کے کردار کو دکھائے اور ان تمام چیزوں سے واقف کرائے جو اس کی عام زندگی میں مفید واقع ہو سکتے ہیں تا کہ اس آشنائی کے ذریعہ وہ اپنی ضرورتوں کو خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر سکے۔

ایسی قدرت اور ایسا اختیار انسانوں کو اس لئے دیا گیا ہے تا کہ وہ کائنات کے مسلم اور منظّم قانون کو اچھی طرح پہچان سکے اور اس حقیقت سے بھی واقف ہو جائے کہ طبیعت کے قوانین اس کے لئے بصورت قضیہ شرطیہ قرار دیئے گئے ہیں۔

انہیں خصوصیات کو ہم تاریخ کی سنتوں کے سب سے پہلے مرحلہ میں مشاہدہ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ تاریخ کی بیشتر سنتیں قضیہ شرطیہ کی شکل میں لباس وجود سے آراستہ ہوئی ہیں، ایسے قضیہ میں دو اجتماعی یا تاریخی واقعے ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں بطور مثال:

"اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ"

یہ ایک تاریخی قانون شمار کیا جاتا ہے جسے یہاں پر قضیہ شرطیہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اس میں دو تبدیلیوں کے درمیان ایک گہرے رابطہ کو بیان کیا گیا ہے، یعنی انسان کی باطنی تبدیلی اس کے ظاہری تبدیلی کا پیش خیمہ ہے، جب بھی لوگوں کے باطن میں تبدیلی واقع ہوگی ان کی ظاہری بنیادوں میں تبدیلی نمایاں ہوگی اور اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

ب: قطعی قوانین: ایسے تاریخی قوانین اٹل ہوتے ہیں یعنی ان کا واقع ہونا کسی دوسری چیز پر منحصر اور موقوف نہیں ہوتا، اس قانون کے لئے کائنات سے کچھ مثالیں اور شاہد پیش کئے جا سکتے ہیں، علم ہیئت میں جب بھی سیاروں کی گردش کے مطابق کوئی علمی حکم نافذ کیا جاتا ہے تو اس میں کسی قسم کی کوئی غیر منتظرہ حالت کی گنجائش باقی نہیں رہتی بطور مثال؛ سورج کو فلاں دن گہن لگے گا یا فلاں رات میں خسوف واقع ہوگا، انسانوں میں اتنی توانائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اختیار سے اس حادثہ کے حالات و شرائط میں کوئی تبدیلی ایجاد کر سکیں، ایسے قضیے آئندہ حوادث کی خبر دیتے ہیں اور ان کی خبر قطعی اور انکار ناپذیر ہوتی ہے۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ تاریخی قوانین کی دوسری صورت نے یورپ کو توہم کا شکار بنا دیا ہے اس لئے کہ ان کی نظر میں یہ قوانین انسان کی آزادی اور اس کے اختیار کے خلاف ہیں، اس غلط تصور کا ماننا ہے کہ تاریخی سنتیں انسان کی آزادی اور اس کے اختیار سے میل نہیں کھاتی ہیں اس لئے کہ اگر تاریخ کی سنتیں

انسان کی زندگی میں اس کے راستہ کا تعین کرتی ہیں تو پھر انسان کے لئے آزادی کا مفہوم باقی نہیں رہ پائے گا لہٰذا انسان کے اختیار اور ارادہ کو تاریخ کی سنتوں پر قربان کردیا ہے اور اسی طرح بعض نے تاریخ کی سنتوں کو انسان کی آزادی اور اختیار پر قربان کردیا ہے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ تاریخ کی سنتوں کا تعلق صرف اور صرف اسی دوسری قسم (قطعی قوانین) سے ہے، جب کہ صفحہ تاریخ پر اگر اس کی سنتیں صرف اور صرف اسی شکل وصورت میں ظاہر ہوتیں تو پھر انسانوں کو جانفشانی کرنے اور رنج والم اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اس توہم کے بطلان کے لئے سنت کی پہلی قسم پر توجہ کو مبذول کرنا چاہئے جس کا تعلق قضیہ شرطیہ سے ہے، اس لئے کہ اس قضیہ میں موجود شرط انسان کے ارادہ اور اختیار کو بیان کرتی ہے اور انسان کا ارادہ اس قضیہ کی جان اور اصلی شرط کے عنوان سے اس میں موجود ہے۔

پس "اِنَّ اللّٰہَ لا یُغَیِّرُ مَا بِقَومٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِاَنفُسِهِم" کے پیش نظر خداوند عالم کسی بھی قوم کی حالت اسی وقت بدلتا ہے جب وہ پہلے اپنے آپ کو بدل ڈالے۔ یعنی ان پر واجب ہے کہ پہلے وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ لہٰذا جب تاریخ کی سنتوں کو قضیہ شرطیہ کے آئینہ میں ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز نہ تنہا انسان کے ارادہ اور اختیار سے متضاد نہیں ہے بلکہ اس کے ارادے اور آزادی پر زور بھی دیتی ہے اور اس کی جملہ کاوشوں کا ثمرہ بھی دکھاتی ہے تاکہ اس کے سامنے تکامل کی راہیں کھولی جاسکیں اور اس نتیجہ کی روشنی میں انسان مقصد کے حصول تک بڑھتا ہے۔

ج: رجحانی قوانین: ایسی سنتیں انسانی تاریخ میں طبیعی رجحانات کی شکل میں پائی جاتی ہیں اور ان کا تعلق ہرگز قطعی قوانین سے نہیں ہے، یہ قوانین تاریخ کی حرکت اور انسان کے فطری رشد میں مؤثر ہیں۔ ایسی سنتی انعطاف پذیر ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے لیکن ان سے مقابلے کی مدت بہت قلیل ہوا کرتی ہے جیسے مرد و عورت کی ایک دوسرے سے متعلق طبیعی خواہشیں۔ قرآن کریم نے ایسی سنتوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

"قَاتِلُواْ الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُواْ الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ"[۱]۔

ترجمہ: ان لوگوں سے جہاد کرو جو خدا اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس چیز کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں سمجھتے اور اہل کتاب ہوتے ہوئے بھی دین حق کا التزام نہیں کرتے

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۲۹۔

یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے ذلت کے ساتھ تمہارے سامنے جزیہ پیش کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

"وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُواْ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأَكَلُواْ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاء مَا يَعْمَلُونَ"[۱]۔

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ توریت وانجیل اور جو کچھ ان کی طرف پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے سب کو قائم کرتے تو اپنے اوپر اور قدموں کے نیچے سے رزق خدا حاصل کرتے ,ان میں سے ایک قوم میانہ رو ہے اور زیادہ تر لوگ بدترین اعمال انجام دے رہے ہیں۔

"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَواْ لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَـكِن كَذَّبُواْ فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُواْ يَكْسِبُونَ"[۲]۔

ترجمہ: اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا۔

"وَأَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقاً"[۳]۔

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ سب ہدایت کے راستے پر ہوتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے۔

"لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللّهِ إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللّهُ بِقَوْمٍ سُوءاً فَلاَ مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ"[۴]۔

ترجمہ: اس کے لئے سامنے اور پیچھے سے محافظ طاقتیں ہیں جو حکم خدا سے اس کی حفاظت کرتی ہیں اور خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی ٹال نہیں سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی کسی کا والی وسرپرست ہے۔

اسی طرح تاریخ کی انکار ناپذیر سنت کمزور وضعیف لوگوں کی فتحیابی ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ"[۱]۔

---

۱. سورہ مائدہ، آیت ۶۶۔

۲. سورہ اعراف، آیت ۹۶۔

۳. سورہ جن، آیت ۱۶۔

۴. سورہ رعد، آیت ۱۱۔

ترجمہ: اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا پیشوا بنائیں اور زمین کا وارث قرار دے دیں۔

البتہ یہ بات یاد رہے کہ وعدہ الٰہی کا تعلق علم غیب سے ہے اور تاریخ بھی اسی کا ایک حصہ ہے لیکن اس کی تعجیل، تاخیر اور تحقق، تاریخ وظہور کے اختیاری ہونے کی بناپر انسانوں کے کاندھوں پر ہے۔

عقلانیت افعال الٰہی کا سرچشمہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خداوند عالم اپنے افعال اور ارادے کو مسلّم قوانین اور ظاہری اسباب کو ختم کرکے معجزہ کے ذریعہ انجام دینے کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے، اس کے باوجود حکمت کے تقاضے کے پیش نظر اس نے ایسے قوانین وضع کئے ہیں جنہیں انسان حاصل کرسکتا ہے جو ہر حال میں ثابت اور اٹل ہیں خداوند عالم بہت کم مقامات اور حکمت کے پیش نظر ان قوانین سے چشم پوشی کرتے ہوئے معجزہ کا استعمال کرتا ہے اسی وجہ سے پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عقلانیت، افعال الٰہی کا سرچشمہ ہے۔

شہید صدرؒ کا تعلق ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے افعال الٰہی میں بہت غور وخوض کیا ہے اور ان میں پوشیدہ عقلانی حکمتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، گویا ان کے نزدیک افعال الٰہی کا مجریٰ اور سرچشمہ حقیقت میں عقلانیت اور طبیعی اسباب وعلل ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر فترت کی حکمت یعنی وہ دور جو کسی بھی نبی اور رسول کے وجود سے خالی تھا اور دین اسلام کے ظہور میں تاخیر کے اسباب وعلل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اجتماعی تبدیلیاں الٰہی سرچشمہ سے وابستہ ہیں لیکن مرحلہ نفاذ میں وارد ہونے کے لئے خارجی شرائط وحالات سے وابستہ ہیں، اسی وجہ سے آسمان کو انتظار کرنا پڑا تاکہ دور جاہلیت کی پانچ صدیاں گزرجائیں اس کے بعد اس نے اپنا آخری پیغام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ بھیجا جب کہ فترت کے زمانے میں دنیا کو ایک رسول کی اشد ضرورت تھی لیکن خارج میں شرائط کے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تحقق تک یہ رسالت بھی متحقق نہ ہوسکی اور تاخیر ہوتی

ایک دوسرے مقام پر امام زمانہؑ کی غیبت کے طویل ہونے کے اسباب وعلل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

۱۔ سورہ قصص، آیت ۵۔

۲۔ رہبری بر فراز قرون، ص۱۰۶۔

"رہبر منتظر (امام زمانہؑ) کی کامیابی کا ایک راز آپ کی طویل عمر ہے، ایک بنیادی اور حقیقی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ رہبری اور قیادت ایسے بے نظیر انسان کے ہاتھوں میں ہو جو روحی اعتبار سے مافوق تصور بشر ہو تاکہ وہ اپنے مذہب کی جامع معلومات اور اس کی صلاحیتوں اور بلند معیارات کی شناخت رکھتا ہو اور موجودہ نظام جسے ختم کرنا ہے، اس کی کمزوریوں سے باخبر ہو تاکہ ایک نئی تہذیب اور تمدن کی بنیاد اس کے ویرانوں پر قائم کر سکے"[۱]۔

حضرت مہدیؑ کو ایک طویل عمر ملنا چاہئے تاکہ مختلف نسلوں کے ساتھ ہمراہ ہوں، تاریخ کے مختلف ادوار میں، انسانیت کی بلندیوں سے تاریخ کے اتار چڑھاؤ اور کمال کی جانب انسانیت کی ترقی کو اچھی طرح نظارہ کریں اور آخرکار اجتماعی تجربوں کے ایک عظیم ذخیرے اور سنت الٰہی کے قانون کے مطابق انسانی معاشرہ تاریخ کی رہنمائی اور باگ ڈور اس کے حوالے کر دے اور اس طرح خلافت الٰہیہ کا سب سے عظیم اور آخری مرحلہ تحقق پذیر ہو سکے[۲]۔

علامہ شہید صدرؒ رہبران الٰہی کی جان کی حفاظت کے لئے معجزہ کو استعمال کرنے کے اسباب و علل کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"شاید ابھی تک جو واقعات مشاہدہ ہوئے ہیں ان سے ایک کلی نتیجہ برآمد کیا جا سکے اور وہ یہ کہ جب بھی زمین پر حجت خدا کی سلامتی اور جان کی حفاظت کسی اہم مقصد کے لئے ضروری ہو تو اس وقت لطف الٰہی باعث ہوتی ہے کہ طبیعی قوانین وقتی طور پر تعطیل کر دئے جائیں لیکن اپنی مہم کو انجام تک پہنچانے کے بعد وہ طبیعی قوانین کے پیش نظر وفات پاتا ہے یا اسے شہادت نصیب ہوتی ہے"[۳]۔

آیت اللہ صدر غیبت کبری سے قبل غیبت صغری کے وقوع پذیر ہونے کو عین عقلانیت قلمداد کرتے ہیں اور اس منطقی مہم کی اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

"یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر غیبت کبری اچانک اور بغیر کسی تمہید کے رونما ہو جاتی تو امامت کے حامیوں اور عوام کو زبردست دھچکا لگتا کیونکہ اس سے قبل وہ اپنے امام (ع) سے ملاقات کرتے تھے اور مشکلات میں ان سے رجوع کرتے تھے اور اب اگر اچانک امام (ع) غائب ہو جاتے اور لوگوں کو

---

۱. رہبری بر فراز قرون، ص ۱۰۶۔
۲. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص ۱۸۰۔
۳. رہبری بر فراز قرون، ص ۷۵۔

یہ احساس ہوتا کہ اب اپنے معنوی اور دینی قائد سے ان کا ناطہ ٹوٹ چکا ہے تو بہت ممکن تھا کہ سب کچھ ختم ہو جائے اور وہ لوگ بکھر جائیں۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اس غیبت کہ لئے تمہید تیار کی جائے تاکہ لوگوں کو اس کی عادت سی پڑ جائے اور خود کو اس کے مطابق ڈھال سکیں"[۱]۔

ایک عظیم انقلاب کا ظہور

ظہور کی ماہیت انقلابی ہے لیکن دنیا کے دیگر انقلابات سے کہیں برتر ہے، انقلاب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے:

"انقلاب کسی بھی ملک کے اجتماعی نظام اور سیاسی شعبہ جات میں ایک ناگہانی تبدیلی کا نام ہے جس کی وجہ سے حکومت کے تختہ الٹ جاتے ہیں اور دوسری حکومت قائم ہوتی ہے"[۲]۔

لیکن شہید صدرؒ کی نظر میں انقلاب نظریاتی ہوتا ہے۔ انقلاب یعنی موجودہ ذلت بھری زندگی سے چھٹکارا اور ایک ایسی زندگی کی طرف گامزن ہونا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود دعوت دی ہے:

"اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی خبر دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا سکے؟ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرو، اگر اس کو سمجھ لو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے"[۳]۔

شہید صدرؒ کی نظر میں کسی بھی انقلاب میں تین چیزوں کا اہم کردار ہوتا ہے: عقل، جذبات اور عمل، جس کی وجہ سے ہر انقلاب میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں؛

۱. انقلابی تحریک آگاہی پر مبنی ہوتی ہے۔
۲. انقلاب میں استقامت پائی جاتی ہے ۔
۳. موجودہ حالت سے مقابلہ۔
۴. ایک بہتر زندگی بنانے کے لئے متعلقہ مکتب فکری کی روشنی میں سابقہ اصول و قوانین کو ختم کر کے بنیادی تبدیلیاں لانا۔

کسی بھی عظیم انقلاب کی کامیابی کے لئے ان چار رکن کا ہونا بہت ضروری ہے:

---

۱. ایضاً۔
۲. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص ۱۷۳۔
۳. سورہ صف، آیت ۱۰، ۱۱۔

۱. ایک ایسے مکتب فکر اور آئیڈیالوجی کا ہونا جو انسانوں کی فطری خواہشات کا جواب دے سکے اور عقل و منطق کی بنیادوں پر استوار ہو۔
۲. مناسب امکانات اور سہولیات کا ہونا۔
۳. انسانوں کے ارادے اور اختیار کی بنیاد پر ہونا تاکہ وہ اپنے فیصلے اور ارادے سے اس تحریک کو جاری رکھ سکیں۔
۴. تحریک اور انسانی سیلاب کا تغیر و تبدیلی کی جانب گامزن ہونا[1]۔

مذکورہ بیان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا کے سابقہ تمام عظیم انقلابات جیسے انگلینڈ، امریکہ، فرانس، روس اور چین کے انقلاب، ماہرین کی نظر میں اگرچہ اہمیت کے حامل ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی حقیقی انقلاب نہیں ہے بلکہ دینی بنیادوں پر استوار ایک آسمانی انقلاب ہی سماج میں بنیادی تبدیلی کے ذریعہ ایک عظیم اور اصلی انقلاب کی بنیادوں کو استوار کر سکتا ہے[2]۔

شہید صدرؒ کا عقیدہ ہے کہ دینی رہنماؤں کی اصلاح و تربیت بھی دیگر اجتماعی اصلاحات کی مانند طبیعی اسباب و ذرائع کے ذریعہ سے امکان پذیر ہے اور یہ بھی ایک مسلم تاریخی سنت ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''اجتماعی تبدیلیاں جن کا سرچشمہ ذات اقدس الٰہی ہے، اجرائی اعتبار سے خارجی شرائط پر منحصر ہیں، اس کی کامیابی اور اس کی انجام دہی بھی اسی سے وابستہ ہے، خدا کی اٹل سنت کا فیصلہ ہے کہ اصلاحی تبدیلیاں، خارجی عوامل کے مہیا ہونے اور عمومی فضا بنانے کے بعد ہی میسر ہے''[3]۔

ایک مقام پر جنگ بدر جس میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی تھی اور جنگ احد جس میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، ان کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''مسلمان جنگ بدر میں کامیاب ہوگئے تھے اس لئے کہ خود انہوں نے فتحیابی کے شرائط مہیا کر لئے تھے جس کی بنیاد پر مسلمانوں کا کامیاب ہونا ضروری تھا اور وہ کامیاب بھی ہوئے اور اسی طرح جنگ احد میں مسلمانوں نے شکست کے شرائط مہیا کئے جس کی وجہ سے انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا''[4]۔

---

۱. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص۱۷۸۔
۲. ایضاً، ص۱۷۹۔
۳. رہبری برفراز قرون، ص۱۰۷۔
۴. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۵۴۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ گمان پیدا نہ ہو کہ کامیابی اور فتحیابی مسلّم اور قطعی حق ہے جسے اس نے تمہاری ذات سے مخصوص کر دیا ہے؛ اس لئے کہ کامیابی ایک طبیعی حق ہے جسے محقق کرنے کے لئے اس کے شرائط اور حالات کو محقق کرنا ضروری ہے اور خداوند عالم نے اس کائنات میں کامیابی کے لئے کچھ شرائط رکھے ہیں جس کی بناپر کامیابی کے شرائط کا انہیں قوانین اور سنتوں کے مطابق ہونا بہت ضروری ہے"[۱]۔

اسی وجہ سے ظہور میں انقلاب کی ماہیت کا ہونا بہت ضروری ہے جس کی طرف تاکید کرتے ہوئے شہید صدرؒ فرماتے ہیں:

"حضرت مہدی(ع) کا انقلاب تمام انقلابات کی مانند عینی اور خارجی شرائط کا محتاج ہے لہٰذا اس کے لئے مناسب فضا بنانے کی اشد ضرورت ہے"[۲]۔

کتابوں میں ایسی بہت سی روایتیں ملتی ہیں ہیں جو ظہور کو معجزہ ہونے کے بجائے اسے ایک جہاد اور انقلاب سے تشبیہ کرتی ہیں، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"صاحب الامر(ع) کی تحریک ختم نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ میدان جنگ میں پسینہ بہائیں اور خون بہے"[۳]۔

وہ تمام روایتیں جو صاحب الامر(ع) کے اصحاب کی شجاعت اور پائمردی کی گواہی دیتی ہیں اور وہ روایتیں جو انتظار کو افضل اعمال گردانتی ہیں وہ سب کی سب ظہور کے انقلابی ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام اسم اعظم اور ایسی طاقت و قدرت کے مالک ہیں کہ صرف چشم زدن میں پوری کائنات کو بدل سکتے ہیں:

"بِكُمْ يُمْسِكُ السَّمَاءَ وأَن تَقَعَ عَلَي الأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ"[۴]۔

لیکن ایسی طاقت کو عالمی انقلاب لانے کے لئے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ انقلاب شیعوں کی ہمت اور ارادے سے شروع ہوگا اور کامیابی کی منزلوں کو طے کرے گا۔

---

۱. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص ۵۴۔

۲. رہبری بر فراز قرون، ص ۱۰۸۔

۳. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۵۸۔

۴. مفاتیح الجنان، زیارت جامعہ کبیرہ۔

بہر حال حضرت مہدی (عج) کی عالمی حکومت کی چار خصوصیتیں ہیں:

۱. پوری دنیامیں سیاسی اثر و رسوخ کا قائم ہونا۔

۲. پوری دنیامیں اسلامی تفکرات کا عام ہو جانا اور زمین کو شرک و کفر اور گمراہی و نفاق کی آلودگیوں سے پاک کرنا۔

۳. عدالت، امن و امان اور آسائش کا عام ہونا۔

۴. تمام انسانوں کے دلوں میں علم و تہذیب کا عام ہونا[۱]۔

اس انقلاب کے لئے شرائط فراہم کرنے کی توفیق انہیں قوموں اور تہذیبوں کو نصیب ہو گی جو کوشش کرتے ہیں اور یہ تصور کتنا ہی احمقانہ ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ایک خاص قوم خدا کی دوستدار ہے اور یہ گمان کرے کہ خدا نے ظہور کے لئے صرف ان کا انتخاب کیا ہے اور انہیں ایسی عظیم توفیق سے نوازا ہے۔ تاریخی سنتیں اور قوانین ایسے خیالات کو باطل قرار دیتے ہیں، اگر ہم ظہور کے مقدمات کو فراہم نہیں کرتے تو نابود ہو جائیں گے اور ظہور کسی دوسری قوم کے ہاتھوں محقق ہو گا۔ جناب شہید صدرؒ اسی خطرے کی یاد دہانی کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"جب بھی کوئی انسان اپنا تاریخی فرض پورا نہیں کرتا اور اپنی آسمانی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے (یہاں ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ آسمانی رسالت تعطیلی کا شکار ہو جائے اور یہ بھی مراد نہیں ہے کہ ان کے حق میں تاریخی قواعد جاری نہ ہوں بلکہ جو لوگ بھی اپنا فرض پورا نہیں کرتے) ان کی حالت بدل جائے گی، تاریخی سنتیں اور قوانین ان سے ایسے مواقع کو چھین لیں گی اور ان امتوں کے حوالے کر دیں گی جن میں اس کے شرائط مہیا ہوں گے اور انہیں وہ مقام و مرتبہ عطا کر دیں گے جو ظہور کی راہ میں بہترین کردار پیش کر سکیں"[۲]۔

اسی طرح ایک مقام پر قرآن کریم بھی ارشاد فرماتا ہے:

"اگر تم عزم بالجزم نہیں کرتے تو خدا تمہیں ایک دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور ہرگز تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور خدا ہر چیز پر قادر و توانا ہے"[۳]۔

---

۱. نظریہ ہای سیاسی شہید صدر، ص۱۸۱۔

۲. سنت ہای تاریخ در قرآن، ص۵۵۔

۳. سورہ توبہ، آیت ۳۹۔

نظریہ ظہور کو سلامتی، فوجی، تہذیبی، اقتصادی اور سیاسی پہلووں سے پیش کرنا چاہئے اور ان میں سے ہر ایک پہلو کا ٹکنالوجی، حکمت عملی، آپریشن، اسٹریٹجک اور انتہائی اسٹریٹجک سطح پر مطالعہ ہونا چاہئے۔ اگر پانچ پہلوؤں کو پانچ سطوح سے ضرب کیا جاتاہے تو پچیس مرحلہ وجود میں آتے ہیں، اور ہر مرحلہ کی مختلف علوم جیسے جغرافیہ، جامعہ شناسی، نفسیات اور صنعت کے ذریعہ تحقیق کی جانی چاہئے۔

بطور مثال؛ اگر ظہور کو اختیاری مان لیا جائے تو شیعوں کی طاقت وسلامتی اور تعجیل ظہور کے درمیان رابطہ پایا جاتا ہے، اس لئے کہ شیعوں کو جتنی طاقت اور سلامتی نصیب ہوگی ظہور کا زمانہ اتنا ہی نزدیک ہوتا جائے گا۔ یعنی خطرات اور مشکلات کی پہچان کے ذریعہ اس کے مدمقابل امن وسلامتی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ نظریہ ظہور کو قائم ودائم رکھنے کے لئے عالم تشیع کے جغرافیہ کو پوری طرح سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ زمینی اعتبار سے شیعوں کو جو خطرات اور مشکلات لاحق ہیں وہ معلوم ہو جائیں، ان تمام مشکلات کے سلسلہ میں تحقیق ضروری ہے۔ شیعوں کے فنون اور صنائع بلکہ ان کے تغذیہ کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اس میں موجود مشکلات بھی حل ہو سکیں، جب ساری مشکلات اور خطرات کے سلسلہ میں معلومات جمع ہو جائیں تو ان کا اضداد سے موازنہ کیا جائے تاکہ اس طرح نظریہ ظہور کی حفاظت ہو سکے۔ اسی طرح ٹکنالوجی، حکمت عملی، آپریشن، اسٹریٹجک اور انتہائی اسٹریٹجک اعتبار سے بھی تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ نظریہ ظہور کی حفاظت ممکن ہو سکے۔ جب یہ تمام مراحل طے ہو جائیں تب ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر ثقافتی اعتبار سے نظریہ ظہور کی حمایت کا مطلب یہ ہے کہ اس نظریہ کو کانفرنس، مقالات، اخبارات اور علمی محافل و مجالس کے ذریعہ زندہ کیا جائے اور فروغ دیا جائے، اور انٹرنیٹ، سائٹ اور ٹیلی ویژن وغیرہ پر اس سے متعلق پروگرام پیش کیا جائے۔

مذکورہ تمام منصوبے عالم تشیع کے متحد ہونے پر موقوف ہیں، ظہور کے اختیاری تسلیم کرلینے کے بعد اس کی وادیوں میں قدم رکھنے کے لئے عالمی پیمانہ پر ظہور کے مقدمات فراہم کرنے والے لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور یہ کمیٹی پوری دنیا سے شیعہ علما کو دعوت دے اور اس فکر کو ان کے درمیان عام کرے۔ صرف نظریہ کے عنوان سے اسے قبول کرلینا کافی نہیں ہے، بلکہ نظم وضبط کے ساتھ اسے عملی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔ لہٰذا اس مقصد کو جامہ عمل پہنانے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اور ہر اعتبار سے غور و فکر اور مشورہ کریں تاکہ خطا کا امکان کم سے کم ہو جائے اور اس طرح اگر ہم چاہیں تو زمان ظہور کو نزدیک سے نزدیک تر کر سکتے ہیں۔

ظہور کے اختیاری ہونے کا نظریہ حقیقت میں بہت پرانا ہے لیکن اسے نئی زندگی دینے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ راستہ بہت دشوار اور سخت ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ سخت اعمال ہی بہترین اعمال ہیں[1]، اسی وجہ سے انتظار فرج کو بہترین اعمال قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد ایک ایسی قوم آئے کہ جس کے ایک فرد کا اجر تمہارے پچاس افراد کے اجر کی برابری کرے گا، اصحاب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ: یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہم لوگ جنگ بدر و احد اور حنین میں آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور قرآن ہمارے درمیان نازل ہوا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ایسا اس لئے ہے کہ وہ لوگ جو مصیبتیں اور بلائیں برداشت کریں گے تم انہیں برداشت نہیں کر سکتے اور ان پر صبر نہیں کر سکتے[2]۔ س ظہور چلا جانے والا ہے نہ کہ آنے والا لہٰذا ہمیں تاریخ کو ظہور سے ملحق کرنا ہوگا۔

منابع و مآخذ

۱. مرتضی مطہری، قیام وانقلاب امام مہدی از دیدگاہ فلسفہ تاریخ، انتشارات صدرا۔
۲. علی رضا نودہی، اختیاری بودن ظہور، مجلّہ موعود، شمارہ ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲۔
۳. ابوداود، سلیمان ابن الاشعث، صحیح سنن المصطفیٰ، ج ۲۔
۴. مرتضی مطہری، فلسفہ تاریخ، چاپ ہشتم، انتشارات صدرا۔
۵. ہگل، عقل در تاریخ، مترجم حمید عنایت، سخنی از مترجم۔
۶. سنت ہای تاریخ در قرآن، مترجم ڈاکٹر سید جلال الدین موسوی، چاپ سوم، انتشارات تفاہم۔
۷. ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۶، چاپ پنجم، انتشارات دفتر نشر و فرہنگ اسلامی۔
۸. علی معموری، نظریہ سیاسی شہید صدرؒ، چاپ اول، انتشارات اشراق۔
۹. مصطفیٰ ملکوتیان، سیری در نظریہ ہای انقلاب، چاپ سوم، نشر قومس۔
۱۰. ابن حجر ہیتمی، الصواعق المحرقہ، انتشارات مکتبۃ القاہرۃ۔
۱۱. رہبری برفراز قرون، (ترجمہ بحث حول المہدی) ترجمہ مصطفیٰ شفیعی، نشر موعود۔

---

۱. ان افضل الاعمال احمزھا، بحار الانوار، ج ۷۹، ص ۹۲۸۔

۲. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۳۰۔

احادیث مہدویت پر ایک کلی نظر

مولف: ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد
مترجم: خان محمد صادق جونپوری

رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کی سنت احادیث و روایتوں کی شکل میں بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہے، یہ ایک عظیم سرمایہ ہے جس پر اعتماد نہ کرنے کی صورت میں ہم اسلامی احکام و معارف کے ایک اہم حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ بات واضح ہے کہ بہت سے اسلامی احکام و معارف کی شرح و تفسیر سنت کے حوالے کر دی گئی ہے۔ خود قرآن اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہوا نظر آتا ہے:

وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (سورہ نحل: ۴۴)

اس آیت سے صریحی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معارف کے ایک اہم حصہ کی تشریح، سنت نبوی کے ذریعہ ہوتی ہے، اگرچہ قرآن میں اس مسئلہ کا کلی و اجمالی طور پر بیان موجود ہے لیکن ہر مسئلہ کو سمجھنے کے لئے قرآن کے علاوہ سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

مہدویت کا موضوع بھی ایسا ہی موضوع ہے جس کے بارے میں کلی طور پر قرآن میں بیان موجود ہے۔ اگرچہ ایسی آیتوں کی تعداد اور ان کی دلالت کی مقدار کے بارے میں محققین میں اختلاف نظر ہے اور مختلف کتابوں میں مختلف اعداد و ارقام بیان کئے گئے ہیں[۱]۔ روایتوں اور مفسرین کے اقوال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیتیں مکمل طور پر امام مہدیؑ کے موضوع سے قابل تطبیق ہیں البتہ ظاہر ہے کہ ان آیتوں میں خصوصیات اور جزئیات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں پر احادیث کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مہدویت کے سلسلے میں یہ احادیث نہ ہوتیں تو ہمیں اس بارے میں مکمل معلومات حاصل نہ ہو پاتی۔

جب سے حدیث کی کتابوں کی تحریر کا دور شروع ہوا تب سے شیعہ اور سنی محدثوں نے اپنی کتابوں میں

---

۱. مثال کے طور پر مرحوم بحرانی نے ۱۲۰ آیتوں کا ذکر کیا ہے (المحجة فيما نزل في القائم الحجة)، ہاشمی نے ۱۴ آیتوں کا ذکر کیا ہے (ظہور مہدی از دیدگاہ اسلام و مذاہب) اور مولوی نیا نے ۷۵ آیتوں کا تذکرہ کیا ہے (سیمای مہدویت در قرآن)۔

مہدویت کے موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کے لئے الگ سے ایک باب قائم کیا ہے یا مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ اہل سنت کے مشہور محققین اور محدثین جیسے صنعانی (م:۲۱۱)، ابن ابی شیبہ (م:۲۳۵)، احمد بن حنبل (م:۲۴۱)، ابن ماجہ (م: ۲۷۳)، ابی داود (م:۲۷۵)، ترمذی (م:۲۹۷)، مقدسی (م: ۳۵۵)، طبرانی (م: ۳۶۰)، حاکم نیشاپوری (م: ۴۰۵)، ابن اثیر (م: ۶۰۶)، سبط جوزی (م: ۶۵۴)، ابن تیمیہ (م: ۷۲۸)، ابن کثیر دمشقی (م: ۷۷۴)، ہیثمی (م: ۸۰۷)، سیوطی (م: ۹۱۱)، ابن حجر ہیتمی (م: ۹۷۴) اور متقی ہندی (م: ۹۷۵) نے مہدویت سے متعلق احادیث و روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

شیعہ محدثین میں شیخ کلینی (م: ۳۲۹)، نعمانی (م:۳۴۲)، شیخ صدوق (م: ۳۸۱)، شیخ مفید (م:۴۱۳)، شیخ الطائفہ طوسی (م:۴۶۰)، محقق اربلی (م: ۶۹۳) اور علامہ مجلسی (م: ۱۱۱۱) نے مہدویت کے موضوع کو اپنی تصنیفات میں جگہ دی ہے۔

بعض محققین نے مہدویت کے موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں۔ جیسے شافعی مذہب کے عالم، کنجی شافعی کی البیان فی اخبار صاحب الزمان، مقدسی شافعی کی عقدالدرر فی اخبار المنتظر، نعمانی کی الغیبۃ، شیخ طوسی کی الغیبۃ، شیخ صدوق کی کمال الدین و تمام النعمۃ اور دوسری کتابیں۔

اس کے علاوہ احادیث مہدویت کے اسناد میں علی بن ابی طالبؑ، عمار یاسر، ابوسعید خدری، ام سلمہ، ام حبیبہ، حذیفہ یمانی، عبداللہ مسعود وغیرہ جیسے معتبر اور مشہور صحابہ کی موجودگی اس موضوع کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلامی احکام و معارف کے سلسلے میں منقول روایتیں قطعی الصدور نہیں ہیں اور مختلف تاریخی، سیاسی اور سماجی عوامل کی وجہ سے وہ جعل، وضع، تصحیف، اضافہ، کمی اور تعارض کا شکار ہو جاتی ہیں۔ مہدویت سے متعلق احادیث بھی اس قاعدہ سے مستثنی نہیں ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ جس طرح فقہی روایتوں کا تجزیہ و تحلیل کیا جاتا ہے اسی طرح مہدویت کے سلسلے میں منقول روایتوں کو بھی تجزیہ و تحلیل کیا جائے۔

مہدویت کے موضوع پر تحریر کی گئی بیشتر کتابوں میں صرف احادیث کو نقل کیا گیا ہے، ان کا تجزیہ و تحلیل پیش نہیں کیا گیا ہے اسی وجہ سے مہدی موعود اور آپ کے ظہور کے سلسلے میں منقول روایتیں بسا اوقات ایک دوسرے سے معارض ہیں جس سے مہدویت کے مخالف لوگوں کو تنقید کا موقع مل جاتا ہے۔

اگرچہ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ سارے محقق اور دانشور اس موضوع پر متفق علیہ ہوں لیکن احادیث کی عالمانہ چھان بین اور تجزیہ و تنقید اور ضعیف و قوی حدیثوں کے درمیان امتیاز کرنے کی سخت ضرورت

ہے۔اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ بعض اہل سنت محققین نے احادیث مہدویت کی نقد و بررسی کی ہے جن میں شیخ ناصر الدین البانی کی کتاب الاحادیث الصحیحة و الموضوعة اور ڈاکٹر عبدالعلیم عبدالعظیم بستوی کی المھدی فی ضوء الاحادیث والآثار الصحیحة والضعیفة کا نام قابل ذکر ہے۔

پہلا حصہ : اہل سنت کی کتابوں میں احادیث مہدویت

یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ اہل سنت کی اہم حدیث کی کتابوں میں کسی نہ کسی طرح امام مہدیؑ سے مرتبط احادیث کو نقل کیا گیا ہے اگرچہ بعض کتابوں میں صراحت کے ساتھ امام مہدیؑ کے نام کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے لیکن اس طرح کی حدیثوں میں بھی امام مہدیؑ کی خصوصیات کو نقل کیا گیا ہے[1]۔اہل سنت کی حدیث کی کتابوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف: حدیث کی وہ کتابیں جو کسی خاص موضوع کے بجائے مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جن میں سے ایک مہدویت کا موضوع ہے۔

ب: حدیث کی وہ کتابیں جو خاص طور پر امام مہدیؑ کے موضوع پر تحریر کی گئی ہیں۔

یہاں پر ہم ان دونوں قسموں کا جائزہ لیتے ہیں۔پہلے قسم کی کتابوں میں ایک خاص حصہ امام مہدیؑ کی حدیثوں سے متعلق ہے جسے الگ الگ عنوان دیا گیا ہے۔مثلاً بعض کتابوں میں الفتن کے عنوان میں، امام مہدیؑ سے متعلق احادیث کو یکجا کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر سنن ابن ماجہ (ص ۶۹۸)، ابن ابی شیبہ کی مصنف (ج ۷، ص ۵۱۲)، الجامع الصحیح ترمذی (ص ۶۱۱) اور حاکم نیشاپوری کی المستدرک (ج ۴، ص ۵۷) کا نام لیا جاسکتا ہے۔بعض کتابوں میں کتاب المھدی یا باب المھدی کے عنوان سے مستقل عنوان موجود ہے جیسے سنن ابی داود (ص ۱۴۷) اور صنعانی کی المصنف (ج ۱۱، ص ۳۷۱)۔بعض کتابوں میں امام مہدیؑ سے متعلق احادیث کو قیامت اور اس کی علامتوں کے باب میں جگہ دی گئی ہے جیسے ابن اثیر جزری کی جامع الاصول فی احادیث الرسول (ج ۱۱، ص ۴۷) اور بغوی کی مصابیح السنة (ج ۳، ص ۴۸۹)۔ہم یہاں پر ان کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

الف: اہل سنت کی عام حدیث کی کتابیں

۱. **المصنف** (صنعانی: ۲۱۱ ق): مؤلف نے باب المھدی میں گیارہ حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے دو

---

۱. مثال کے طور پر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایتوں میں امام مہدیؑ کے نام کی تصریح نہیں کی گئی ہے۔

رسول خداؐ، ایک حضرت علیؑ اور باقی حدیثیں دوسرے صحابہ کرام سے منقول ہیں[۱]۔ رسول خداؐ اور حضرت علیؑ سے منقول تین حدیثوں میں امام مہدیؑ کا نام نہیں آیا ہے بلکہ ایسے صفات بیان کئے گئے ہیں جو ان پر منطبق ہوتے ہیں۔ صحابہ سے منقول روایتوں میں امام مہدی کا نام لیا گیا ہے۔ جیسے ابی سعید خدری سے منقول ہے:

ان المهدی اقنی اجلی[۲]۔ مہدی کشادہ پیشانی اور لمبی ناک والے ہیں۔

صنعانی کی کتاب المصنف اہل سنت کی پہلی کتاب ہے جس میں امام مہدیؑ سے متعلق احادیث کو یکجا بیان کیا گیا ہے

۲. **الفتن** (نعیم بن حماد بن معاویہ: ۲۲۹ق): مؤلف نے اپنی کتاب میں پیغمبر اسلامؐ کے بعد پیش آنے والے واقعات و حوادث کے سلسلے میں بہت ساری احادیث کو یکجا کیا ہے جن کی تعداد ۱۵۰۶ تک پہنچتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں مختلف موضوعات جیسے پیغمبر اسلامؐ کے بعد ماجرائے خلافت اور اس سے متعلق فتنے، اموی اور عباسی دور کے واقعات نیز قیامت سے قبل پیش آنے والے واقعات اور امام مہدی(عج) کے ظہور سے متعلق واقعات کو بیان کیا ہے۔

کتاب الفتن کی احادیث کا درجہ اعتبار زیادہ نہیں ہے لیکن اہل سنت کے مشہور علماء جیسے احمد بن حنبل، عجلی، ابوحاتم، بخاری اور ابن حبان نے اس کی تعریف کی ہے لیکن کچھ لوگوں نے بعض ضعیف روایتوں کی وجہ سے اس کی تنقیص بھی کی ہے۔ کتاب الفتن میں دس باب امام مہدیؑ سے مختص ہیں جن میں سے پہلے باب کا نام" باب آخر من علامات المهدی فی خروجه" اور آخری باب کا عنوان "ما یکون بعد المهدی" ہے۔ ان دس بابوں میں کل ملا کر ۲۴۴ حدیثیں یکجا کی گئی ہیں جو اس زمانہ کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ ان احادیث میں امام مہدیؑ کا نسب، آپ کے صفات، علائم ظہور، اس دور میں رونما ہونے والے واقعات، آنحضرت کے حکومتی نظام وغیرہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب مہدویت کے موضوع پر ایک مرجع کتاب ہے اور بعد کے مؤلفین نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے۔

۳. **المصنف فی الاحادیث والآثار** (ابن ابی شیبہ کوفی: ۲۳۵ق): اس کتاب کا مؤلف اہل سنت کا مشہور محدث ہے اور احمد بن حنبل، عجلی، ابوزرعہ رازی اور ابوعبید نے اس کی تعریف کی ہے۔ یہ کتاب صحاح ستہ کی تالیف سے قبل تحریر کی گئی ہے۔ اس کتاب کے باب ۳۷ میں جس کا نام کتاب الفتن ہے سولہ

---

۱. صنعانی، المصنف، ج ۱۱، حدیث ۲۰۷۶۹-۲۰۷۷۹۔

۲. ایضاً، حدیث ۲۰۷۷۳۔

حدیثیں امام مہدی(ع) کے سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں جن میں سے سات حدیثیں رسول خداؐ سے منقول ہیں اور بعض حدیثوں میں امام مہدی(ع) کے نام کی تصریح کی گئی ہے۔ ان احادیث میں آنحضرت کی عمر اور اخلاقی و نسبی خصوصیات، آپ کی مدت حکومت اور ظہور کے زمانہ کی کیفیت، ظہور سے قبل کے شرائط وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سفیانی کے سلسلے میں بھی تین حدیثیں منقول ہیں[۱]۔

۴. **مسند احمد بن محمد بن حنبل** (م: ۲۴۱ق): احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں شامل ہیں۔ آپ کی مسند حدیث کی قدیم کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو پچاس جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ اس میں امام مہدی(ع) سے متعلق متعدد حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ حوزہ علمیہ قم کے ایک محقق نے مسند احمد بن حنبل میں امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کو یکجا کر کے اسے البیان فی اخبار صاحب الزمان نامی کتاب کے ہمراہ شائع کیا ہے[۲]۔ اس مجموعہ میں کل ۱۳۶ حدیثیں استخراج کی گئی ہیں جسے مختلف عناوین کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ۳۵ حدیثیں الخلفاء الاثنا عشر کے عنوان سے، ۳۴ حدیثیں علامات ظہور کے عنوان سے، ۱۷ حدیثیں ظہور المهدی کے عنوان سے، ۶ حدیثیں المهدی من عترة رسول الله کے عنوان سے، ۴ حدیثیں یواطی اسمه اسم رسول الله کے عنوان سے، ۱۴ حدیثیں نزول عیسی و الامام هو المهدی کے عنوان سے اور ۲۶ حدیثیں لاتزال طائفة یقاتلون علی الحق الی ان یاتی امر الله کے عنوان سے منقول ہیں۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ ان میں سے بہت سی احادیث میں امام مہدی(ع) کا صریحی طور پر نام نہیں لیا گیا ہے لیکن ان حدیثوں میں مصداق حضرت امام مہدی(ع) ہیں۔ اگرچہ ممکن ہے بعض محققین کی رائے اس سے مختلف ہو۔

۵. **سنن ابن ماجہ** (م: ۲۷۵ق): ابن ماجہ اہل سنت کے مشہور محدث ہیں جن کا سنن صحاح ستہ میں شامل ہے جس پر تیرہ سے زائد شرحیں تحریر کی جاچکی ہیں۔ اس کتاب میں کل ۴۳۴۱ حدیثیں ہیں جن میں سے تین ہزار حدیثیں مختلف فقہی مسائل سے متعلق ہیں اور باقی حدیثیں دوسرے موضوعات جیسے تاریخ، اخلاق اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے مختص ہیں۔

مسند ابن ماجہ کی کتاب الفتن میں ایک باب خروج المهدی کے عنوان سے ہے جس میں رسول خداؐ سے سات حدیثیں منقول ہیں۔ ان حادیث میں امام مہدی کی نسب، ظہور سے قبل کے حالات، ظہور کے شرائط فراہم کرنے والے، آپ کے انصار، آپ کی حکومت کی مدت اور اس زمانہ کے سماجی اور اقتصادی

۱. ابن ابی شیبہ، کتاب المصنف، ج ۷، ص ۵۱۲-۵۱۴۔
۲. حسینی جلالی، احادیث المهدی من مسند احمد بن حنبل۔

حالات پر بحث کی گئی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان تمام احادیث میں امام مہدیؑ کے نام کی تصریح کی گئی ہے۔

٦. **سنن ابی داود** (م: ۲۷۵ق): ابی داود نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں جن میں ایک سنن ابی داود ہے جسے صحاح ستہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں کل ۵۲۶۵ حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں سے زیادہ تر فقہ سے متعلق ہیں۔ ابی داود نے اپنی مسند میں امام مہدیؑ سے متعلق احادیث کو کتاب المہدی کے عنوان سے نقل کیا ہے جن کی تعداد بارہ ہے اور وہ سبھی رسول خداؐ سے منقول ہیں[1]۔ ان احادیث میں امام کے ظہور کے حتمی ہونے، آپ کے نسبی فضائل، آپ کے شکل و شمائل، ظہور سے قبل کے حالات، ظہور کے وقت کے سماجی اور اقتصادی حالات اور آپ کے دشمنوں کے بارے میں بیان ہوا ہے۔

٧. **الجامع الصحیح ترمذی** (م: ۲۷۹ق): یہ کتاب بھی صحاح ستہ میں شامل ہے اور سنن ابن ماجہ اور ابی داود کی کتابوں کے برخلاف اس میں زیادہ تر غیر فقہی احادیث جیسے تفسیر، قراءات، دعا اور مناقب منقول ہیں۔ مؤلف نے کتاب الفتن میں ما جاء فی المھدی کے عنوان سے رسول خداؐ سے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔ پہلی دو حدیثوں میں امام مہدیؑ کے نام کی تصریح نہیں ملتی بلکہ صرف منجی کے ظہور کو کلی طور پر بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اہل بیت میں سے ایک فرد جو رسول خداؐ کا ہم نام ہوگا، حکومت کرے گا[2]۔ ترمذی نے پہلی حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور تیسری حدیث کے بارے کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کی تعداد کم ہے لیکن یہ تینوں حدیثیں اپنے اسناد کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اور امام مہدی(ع) سے متعلق مکمل معلومات فراہم کرتی ہیں۔

٨. **مسند ابویعلی موصلی احمد بن علی بن المثنی** (م: ۳۰۷ ھ): اس کتاب میں متعدد مقامات پر مہدویت سے متعلق احادیث نقل ہوئی ہیں[3]۔ بعض روایتوں میں امام مہدیؑ کے نام کی تصریح کی گئی ہے اور آپ خاندان رسالت کا فرد مانا گیا ہے[4]۔ دوسری حدیثوں میں عیسی مسیح کے نزول، عدالت مہدوی(ع) کے

---

١. ابی داود، سنن، حدیث ۴۲۷۳-۴۲۸۲۔

٢. ترمذی، الجامع الصحیح، حدیث ۲۲۳۰-۲۲۳۲۔

٣. ج ١، حدیث ۲۲۵، ج ٢، حدیث ۹۸۷، ۲۱۶ و ۱۲۹۴، ج ۴، حدیث ۳۱۳، ج ١١، حدیث ۷۴۴، ج ١٢، حدیث ٦٦۵۔

۴. ج ١٢، حدیث ٦٦٦۵۔

کچھ جلوے اور آپ کے ظہور سے قبل امت اسلامیہ میں موجود اختلافات کو بیان کیا گیا ہے[۱]۔

۹. **کتاب الملاحم** (احمد بن جعفر بن محمد معروف بہ ابن المنادی: ۳۳۶ق): یہ کتاب بعد میں آنے والے محدثین کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اور ابن بطریق، سید ابن طاوس، ابن حجر ہیتمی، مقدسی شافعی اور متقی ہندی جیسے بزرگوں نے اس سے حدیثیں نقل کی ہیں[۲]۔ اہل سنت کے بزرگ ماہرین رجال جیسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابن ندیم نے الفہرست میں اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں اس کی تعریف کی ہے[۳]۔ مؤلف نے اس کتاب میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو اپنی نظر میں معتبر منابع سے نقل کیا ہے۔ مؤلف نے کتاب کے دو حصہ میں امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کو بیان کیا ہے جن کی تعداد ۲۸ ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی کچھ حدیثیں تحریر ہیں جو کسی نہ کسی طرح آنحضرت سے مرتبط ہیں جیسے سفیانی اور سید حسنی سے متعلق احادیث۔ ان میں سے زیادہ تر حدیثیں پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہیں۔ دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی امام مہدی(ع) کے صفات، نسب اور زمانہ ظہور کی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے[۴]۔

۱۰. **المعجم الکبیر طبرانی** (م: ۳۶۰ق): طبرانی نے اس کتاب کے مختلف حصوں میں امام مہدی(ع) سے متعلق روایات کو نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر نئے ایڈیشن کے دسویں جلد میں جہاں پر عبداللہ بن مسعود سے منقول روایتیں تحریر ہیں، اٹھارہ حدیثیں رسول خداؐ سے منقول ہیں[۵]۔ ان احادیث میں امام مہدی(ع) کے نام کی تصریح نہیں ہے اور زیادہ تر وہی مشہور مقولہ (دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالی میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص کو مبعوث کرے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا) کو مختلف الفاظ اور اسناد کے ساتھ نقل کیا گیا ہے لیکن آپ کی مدت حکومت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے۔

---

۱. ج۱۱، حدیث ۷۴۴، ج۱۲، حدیث ۶۹۴۰۔

۲. ابن المنادی، الملاحم، ص۱۱ (مقدمہ)۔

۳. ایضاً، ص۵-۶۔

۴. ایضاً، باب ۲۲، ۲۴ و۴۴۔

۵. طبرانی، المعجم الکبیر، ج۱۰، حدیث ۱۰۲۱۳-۱۰۲۳۰۔

اس نے دوسری جلدوں میں (۸، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳) کم از کم نو حدیثوں کو متفرق طور پر اور مختلف جگہوں پر نقل کیا ہے[۱]۔ البتہ دو روایتوں میں امام مہدی(ع) کے نام کی تصریح کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے:

... یخرج رجل من اهل بیتی یقال له المهدی فان ادرکته فاتبعه و کن من المهتدین[۲]۔

ترجمہ: میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جس کا نام مہدی ہوگا، اگر اس کے زمانے میں رہو تو اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت مل جائے۔

۱۱. **صحیح ابن حبان** (مرتبہ ابن بلبان: ۳۵۴ق): اہل سنت کی نظر میں یہ کتاب اور اس کا مؤلف دونوں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ علاء الدین علی بن بلبان فارسی (م: ۷۳۹ق) نے اس کتاب کو موضوع کے اعتبار سے مرتب کیا جو الاحسان فی تقریب صحیح بن حبان کے نام سے مشہور ہے اور ایک جامع مقدمہ کے ساتھ اٹھارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

اس کا ایک باب "اخباره صلی الله علیه و آله عما یکون فی امته من الفتن و الحوادث" کے نام سے ہے جس میں ایک حصہ امام مہدی(ع) سے متعلق حدیثوں سے مختص ہے۔ اس کے تحت کل پانچ مسند حدیثیں (۶۸۲۳-۶۸۲۸) نقل کی گئی ہیں جسے مختلف عناوین جیسے دنیا میں ظلم و ستم پھیلنے کے بعد امام مہدی(ع) کا ظہور، آپ کا نام اور ولدیت، پیغمبر اسلامؐ سے آنحضرت کی شباہت، آپ کی مدت حکومت اور آپ سے بیعت کی فضیلت میں رکھا گیا ہے۔ اہل فن کے قول کے مطابق ان احادیث میں سے پانچ حدیثیں صحیح سند، دو حدیثیں حسن سند اور صرف ایک حدیث، ضعیف سند کے ساتھ نقل ہوئی ہیں[۳]۔

۱۲. **المستدرک علی الصحیحین** (محمد بن عبداللہ نیشاپوری معروف بہ حاکم: ۴۰۵ق): مؤلف نے امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کو کتاب الفتن کے باب میں نقل کرنے کے علاوہ مختلف ابواب میں بھی متفرق طور پر نقل کیا ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق اس کتاب میں کم از کم سترہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں سے بعض میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہ حدیث، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بنیاد پر صحیح ہے جب کہ ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے[۴]۔

---

۱. ایضاً، ج ۸، ص ۲۹۵۷، ج ۳۲، حدیث ۶۸؛ ج ۲۲، حدیث ۹۳۷، ج ۲۳، حدیث ۵۶۶، ۶۵۶، ۹۳۰ و ۹۳۱۔

۲. طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۱۸، حدیث ۹۱، ج ۲۳، حدیث ۵۶۶۔

۳. ابن حبان، صحیح، ج ۱۵، ص ۲۳۶-۲۴۰۔

۴. مثال کے طور پر حدیث نمبر ۸۳۷۰، ۸۷۱۲، ۸۵۷۸، ۸۴۸۰، ۸۳۷۱۔

۱۳. **ذکر اخبار اصبہان** (احمد بن عبداللہ معروف بہ ابونعیم اصفہانی: ۴۳۰ ق): اس کتاب میں اصفہان کے راویوں، محدثوں اور فقیہوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے مختلف حصوں میں ان احادیث کو بھی نقل کیا گیا ہے جن کی اسناد میں یہ محدث اور راوی موجود ہیں۔ کل ملا کر چھ مسند حدیث امام مہدی(ع) کے سلسلے موجود ہے جن میں آپ کے ظہور کے حتمی ہونے، اہل بیت رسولؐ میں آپ کی شمولیت[۱]، آپ کے صفات اور مدت حکومت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے[۲]۔

۱۴. **حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء** (ابونعیم اصفہانی: ۴۳۰ق): اس کتاب میں امام مہدی(ع) سے متعلق کم از کم پانچ حدیثیں موجود ہیں جن میں سے بعض میں مہدی[۳] اور بعض میں قائم[۴] کے عنوان سے آپ کو یاد کیا گیا ہے۔ اہل بیت پیغمبرؐ میں آپ کی شمولیت، ظہور کا حتمی ہونا، پیغمبر اسلامؐ کے ہم نام ہونا وغیرہ جیسے موضوعات بھی ان احادیث میں بیان ہوئے ہیں[۵]۔

۱۵. **السنن الواردہ فی الفتن و غوائلھا** (ابی عمرو الدانی: ۴۴۲ق): اس کتاب میں مستقبل میں امت اسلامی کو پیش آنے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث سے مختص ہے جس کا عنوان "ما جاء فی المھدی" ہے۔ اس میں چالیس حدیثیں بیان ہوئی ہیں[۶] جو زیادہ تر رسول خداؐ سے منقول ہیں۔ اس کتاب کی ساری حدیثیں سند کے اعتبار سے مکمل ہیں اور کوئی بھی مرسل حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔ البتہ یہ چالیس حدیثیں وہ احادیث ہیں جو صریحی طور پر آنحضرت سے مرتبط ہیں لیکن اس دور سے متعلق واقعات جیسے سفیانی کا واقعہ یا بیداء میں زمین کا دھنس جانے وغیرہ کو بیان کرنے والی احادیث کی تعداد زیادہ ہے[۷]۔

۱۶. **مصابیح السنہ** (محمد بن الحسین بن مسعود البغوی الشافعی: م ۵۱۹ ق): مؤلف نے امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کو کتاب الفتن کے باب اشراط الساعۃ میں نقل کیا ہے۔ دراصل انہوں نے ان احادیث کو قیامت کے آثار کے تحت نقل کیا ہے اور امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کے لئے مستقل عنوان

---

۱. ابونعیم اصفہانی، ذکر اخبار اصبہان، ج ۱، ص ۸۴ و ۱۷۰۔

۲. ایضاً، ص ۱۷۰۔

۳. ابونعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۸ و ۱۷۷۔

۴. ایضاً، ص ۱۸۴۔

۵. ایضاً، ج ۳، ص ۱۰۱ و ۱۷۷ و ج ۵، ص ۷۵۔

۶. ابوعمرو الدانی، السنن الواردۃ فی الفتن و غوائلھا والساعۃ واشراطھا، ص ۱۸۹۔

۷. ایضاً، ص ۱۸۸ و ۲۰۱۔

نہیں رکھا ہے[۱]۔ مؤلف نے ان احادیث کو صحاح اور حسان کے دو زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ اس نے صحاح کے زمرہ میں دو حدیثیں نقل کی ہیں لیکن ان میں امام مہدی(عج) کا نام نہیں ملتا ہے۔ حسان زمرہ میں امام مہدی(عج) کے سلسلے میں سات حدیثیں رسول خداؐ سے منقول ہیں جن میں سے تین حدیثوں میں آپ کے نام کی تصریح ملتی ہے اور باقی چار حدیثیں آپ کے ظہور سے متعلق ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ ساری حدیثیں مرسل ہیں یعنی صرف آخری راوی کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

۱۷. **جامع الاصول فی احادیث الرسول** (ابن اثیر جزری: م ۶۰۶ق): مؤلف نے نئے ایڈیشن کی گیارہویں جلد میں فی المسیح والمھدی کے باب میں سات حدیثیں نقل کی ہیں۔ پہلی حدیث نزول عیسی مسیح سے متعلق ہے لیکن باقی چھ حدیثیں امام مہدی(عج) سے مرتبط ہیں۔ پانچ حدیثیں رسول خداؐ سے اور ایک حدیث حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ ان احادیث میں اصل مہدویت، آنحضرت کے صفات، آپ کی مدت حکومت اور آپ کا نسب بیان ہوا ہے[۲]۔

۱۸. **مطالب السوول فی مناقب آل رسول** (محمد بن طلحہ الشافعی: ۶۵۲ق): مؤلف شافعی مذہب ہے لیکن ان کا نظریہ شیعوں کے نظریہ سے بہت قریب ہے۔ امام مہدی(عج) سے متعلق وہ بیان کرتے ہیں کہ موعود اسلام محمد بن الحسن العسکری ہی ہیں[۳]۔ اسی نظریہ کے تحت انہوں نے اپنی کتاب کو بارہ ابواب میں تقسیم کر کے ان میں بارہ اماموں کی تاریخ اور فضائل کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے بارہویں باب میں امام مہدی(عج) سے متعلق بارہ حدیثیں مختلف اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے[۴]۔ انہوں نے کتاب کے اختتام پر امام مہدی(عج) سے متعلق بعض شبہات کا جواب دیا ہے۔

۱۹. **مختصر تاریخ دمشق** (ابن عساکر ابن منظور: ۷۱۱ق): ابن عساکر کی تاریخ دمشق، تاریخ کی اہم کتاب ہے جسے ابن منظور نے خلاصہ کر کے شائع کیا ہے۔ انہوں نے امام مہدی(عج) سے متعلق کم از کم اٹھارہ حدیثیں جمع کی ہیں جن میں ظہور کا حتمی ہونا، آپ کا اہل بیت رسولؐ میں شامل ہونا، آپ کا رسول خداؐ کے ہمنام ہونا، عصر ظہور کے برکات، آپ کی مدت حکومت اور علائم ظہور جیسے موضوعات کو بیان کیا گیا ہے۔

---

۱. بغوی، مصابیح السنۃ، ج ۳، ص ۴۸۷۔

۲. ابن اثیر، جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج ۱۰، ص ۳۲۷-۳۳۲۔

۳. طلحہ شافعی، مطالب السوول، ص ۱۵۱-۱۶۲۔

۴. ایضاً۔

۲۰. **مختصر سنن ابی داود منذری شافعی**(م: ۶۵۶ ق): اس کتاب میں امام مہدی (ع) سے متعلق بارہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ابی داود نے اپنی سنن میں جن احادیث کو نقل کیا ہے، انہیں توضیح و حواشی کی ساتھ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ان احادیث میں مختلف مضامین بیان ہوئے ہیں جیسے رسول خداؐ کے بارہ خلفاء، امام مہدی(ع) کے ظہور کا حتمی ہونا، آنحضرت کا نسب، آپ کا اہل بیت میں شامل ہونا، آپ کے جسمانی صفات اور ظہور کے بعد آپ کے کچھ اقدامات و... [1]

۲۱. **فرائد السمطین** (ابراہیم بن محمد جوینی خراسانی: م۷۲۰ ق): مولف نے اس کتاب کو حضرت علیؑ، جناب فاطمہ (س) اور آپ کی ذریت سے ہونے والے اماموں کے فضائل کے بارے میں تحریر کیا ہے اور آخر کتاب میں امام مہدی (ع) کے سلسلہ میں رسول خداؐ سے منقول حدیثوں کو جمع کیا ہے۔انہوں نے امام مہدی(ع) سے متعلق ۳۵ حدیثوں کو مختلف عناوین کے تحت درج کیا ہے [2]۔

۲۲. **المنار المنیف فی الصحیح والضعیف** (ابن قیم جوزیہ: ۷۵۱): مؤلف نے حدیث ”لا مهدی الا عیسی بن مریم“ کو مختلف دلائل کے ساتھ کمزور ثابت کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ مہدی کے ظہور پر دلالت کرنے والی حدیثیں سند کے اعتبار سے زیادہ معتبر ہیں [3] اور پھر اپنے موقف کی تائید میں مہدویت کے سلسلہ میں سترہ حدیثیں نقل کی ہیں [4]۔مؤلف نے بعض حدیثوں کی شرح بھی کی ہے اور انہیں صحیح، حسن، غریب اور موضوع کے تحت تقسیم کیا ہے [5]۔

۲۳. **النہایہ فی الفتن والملاحم** (ابن کثیر دمشقی: ۷۷۴ ق): مؤلف نے کتاب کے ایک حصہ کو فصل فی ذکر المھدی کا عنوان دیا ہے اور اس میں بیس حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک حدیث حضرت علیؑ اور باقی رسول خداؐ سے مروی ہیں۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں امام مہدی(ع) کے نام کی وضاحت کی گئی ہے اور ظہور کے حتمی ہونے، مہدی موعود کی خصوصیات اور ظہور سے قبل رونما ہونے والے واقعات کو بیان کیا ہے۔

۲۴. **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد** (نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی: م۸۰۷ق): ہیثمی نے اپنی اس کتاب میں

---

۱. منذری، مختصر سنن ابی داود، جزو ۶، کتاب المہدی، ص۱۵۶، ح۴۱۱۰-۴۱۲۲۔

۲. جوینی، فرائد السمطین، ج ۲، ص۳۱۰-۳۴۲۔

۳. ابن قیم، جوزیہ، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۱۴۳۔

۴. ایضاً، ص۳۲۸-۳۴۵۔

۵. ایضاً، ص ۱۴۸۔

کتاب الفتن[۱] کے سترویں باب کو امام مہدی (ع) سے متعلق احادیث سے مختص کیا ہے۔ اس باب میں علائم ظہور اور اس دور کے فتنوں کے سلسلہ میں اکیس حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ ساری روایتیں مرسل ہیں یعنی صرف آخری راوی کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

۲۵. **الفصول المہمہ فی معرفة احوال الائمہ** (ابن صباغ مالکی: ۸۵۵ق): اس کتاب میں ائمہ معصومین علیہم السلام کی شرح حال بیان ہوئی ہے۔ مؤلف نے بارہویں فصل میں منابع اہل سنت سے بہت ساری حدیثیں نقل کی ہیں۔ انہوں نے علائم ظہور سے متعلق بھی کچھ حدیثیں نقل کی ہیں جو زیادہ تر ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی ہیں۔ مؤلف کا تعلق مالکی مذہب سے ہے لیکن اس کے باوجود محمد بن الحسن العسکری کو مہدی موعود مانتے ہیں اور آنحضرت کی غیبت کو قبول کرتے ہیں[۲]۔

۲۶. **الصواعق المحرقہ** (احمد بن محمد بن حجر ہیتمی: ۹۷۳ق): یہ کتاب فرقہ شیعہ اور بعض دوسرے فرقوں کے رد میں تحریر کی گئی ہے۔ مؤلف نے اہل بیت علیہم السلام سے متعلق آیات کو بیان کرتے ہوئے امام مہدی (ع) سے متعلق دسیوں حدیث نقل کی ہے[۳]۔

۲۷. **کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال** (متقی بن حسام الدین ہندی: ۹۷۵ق): مؤلف ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ ان کی یہ کتاب اہل سنت کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔ انہوں نے مہدویت سے متعلق احادیث کو کتاب کے دو الگ الگ حصوں میں نقل کیا ہے۔ خروج المہدی نامی فصل میں ۵۸ حدیثیں صحاح ستہ سے نقل کی ہیں[۴]۔ دوسری فصل میں المہدی علیہ السلام کے عنوان سے ۲۸ حدیثیں نقل ہوئی ہیں[۵]۔ ان احادیث میں مختلف موضوعات جیسے ظہور سے قبل کے حالات، آنحضرت کے اصحاب، آپ کی مدت حکومت، ظہور کے وقت کے واقعات، اس زمانے کے اقتصادی حالات اور آنحضرت کے صفات اور حسب و نسب کو بیان کیا گیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کتاب کی ساری حدیثیں مرسل ہیں۔

ب: حدیث کی وہ کتابیں جو خاص طور پر امام مہدی (ع) کے موضوع پر تحریر کی گئی ہیں

---

۱. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۷، ص ۶۱۰۔
۲. ابن صباغ، الفصول المہمہ، ص ۲۹۳۔
۳. ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ج ۲۔
۴. متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴، ص ۲۶۱۔
۵. ایضاً، ج ۱۴، ص ۵۸۴۔

۱. **اربعون حدیث** (ابونعیم اصفہانی: ۴۲۰ ق): ابونعیم اصفہانی چوتھی اور پانچویں صدی کے مشہور اہل سنت عالم ہیں جنہوں نے پچاس سے زائد کتابیں تالیف کی ہیں[۱]۔ انہوں نے اربعون حدیث میں امام مہدی(ع) سے متعلق چالیس حدیثیں نقل کی ہیں جو سب کی سب مرسل ہیں۔ محقق اربلی نے اپنی کتاب کشف الغمة فی معرفة الائمة میں اسے نقل کیا ہے[۲]۔ سیوطی نے بھی اپنی کتاب العرف الوردی میں اسے نقل کیا ہے[۳]۔

۲. **مناقب المہدی** (ابونعیم اصفہانی: ۴۲۰ ق): مؤلف نے اس کتاب میں بھی امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث نقل کی ہیں۔ لیکن یہ کتاب آج دستیاب نہیں ہے اور شاید چند قرن قبل وہ کتابی شکل میں موجود تھی چونکہ مختلف محدثوں نے اس سے حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ مثال کے طور پر ابن قیم جوزیہ نے المنار المنیف[۴]، مقدسی شافعی نے عقد الدرر[۵] اور گنجی شافعی نے البیان فی اخبار صاحب الزمان[۶] میں۔

۳. **صفة المہدی** (ابونعیم اصفہانی): یہ کتاب بھی امام مہدی(ع) سے متعلق ہے لیکن یہ کتاب بھی پچھلی کتاب کی طرح ناپید ہے اور صرف چند حدیثیں باقی ہیں جنہیں بعد کے محدثین نے نقل کی ہیں[۷]۔

۴. **البیان فی اخبار صاحب الزمان** (گنجی شافعی: ساتویں صدی): اس کتاب میں امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث ایک خاص ترتیب اور موضوع کے اعتبار سے مختلف ابواب میں نقل کی گئی ہیں۔ مولف کتاب کے مقدمہ میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"میں نے اس کتاب کا نام البیان فی اخبار صاحب الزمان رکھا ہے اور کسی بھی شیعہ روایت کو اس میں نقل نہیں کیا ہے کیونکہ شیعہ حدیثیں اسناد کے صحیح ہونے کے باوجود صرف ان کے لئے حجت ہیں۔ غیر شیعی حدیثوں سے استدلال کرنے پر اس مسئلہ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے"[۸]۔

---

۱. ابونعیم اصفہانی، حلیة الاولیاء، ص ۱۱-۱۲۔
۲. اربلی، کشف الغمة فی معرفة الائمہ، ج ۳، ص ۲۵۵۔
۳. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۶۹-۱۰۳۔
۴. ابن قیم جوزیہ، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۱۴۶، حدیث ۳۳۳۔
۵. مقدسی شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۳۸، و ۴۷۔
۶. گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۲، آخری حدیث، باب ۳، آخری حدیث، باب ۴، ح ۲۔
۷. مثال کے طور پر مقدسی شافعی نے عقد الدرر باب اول میں اس کتاب سے نو حدیثیں نقل کی ہیں۔
۸. گنجی، شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، ص ۹۷۔

مؤلف مذکورہ عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عقیدہ مہدویت، اسلامی موضوع ہے نہ کہ ایک شیعی موضوع۔ انہوں نے اس موضوع سے متعلق اکہتر حدیثوں کو ۲۵ ابواب میں ذکر کیا ہے۔ پہلے باب کا نام فی ذکر خروجہ فی آخرالزمان اور آخری باب کا نام فی الدلالۃ علی جواز بقاء المہدی حیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آخری باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف (بیشتر اہل سنت نظریہ برخلاف) معتقد ہیں کہ امام مہدی(ع) زندہ ہیں۔ مؤلف پچیسویں باب کے آغاز میں یوں رقمطراز ہیں:

"عقیدۂ حیات امام مہدی(ع) کو ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ عیسی، الیاس اور خضر جو کہ اولیائے خدا ہیں ابھی تک زندہ ہیں۔ دجال اور ابلیس جو اللہ کے دشمن ہیں وہ بھی زندہ ہیں۔ ان لوگوں کا زندہ ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ جب ان کی حیات پر اتفاق ہے تو مہدی(ع) کے زندہ ہونے سے انکار کیوں؟..."[۱]۔

۵. **عقد الدرر فی اخبار المنتظر** (یوسف بن یحییٰ المقدسی الشافعی: ساتویں صدی): یہ کتاب جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے جو بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کے لئے ایک اہم منبع ہے۔ مؤلف نے مقدمہ میں اس کتاب کی وجہ تالیف اس طرح بیان کی ہے:

"زمانہ میں ظلم و ستم، لوگوں کی پریشانیاں، اصلاح زمانہ سے ان کی مایوسی اور برکتوں کی کمی قیامت تک جاری وساری نہیں رہے گی، ظہور مہدی(ع) کے بعد تمام مشکلیں اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی"۔

وہ آگے تحریر کرتے ہیں:

"بعض لوگ اس بات کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور دوسرے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ عیسی مسیح کے علاوہ کوئی مہدی نہیں ہے"[۲]۔

انہوں نے ان دونوں نظریوں کو رد کیا ہے۔ اس کتاب کی زیادہ تر حدیثیں مرسل ہیں۔

اس کتاب میں بارہ باب ہیں اور ہر باب میں امام مہدی(ع) سے متعلق بعض باتیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلے باب کا عنوان فی بیان انہ من ذریۃ رسول اللہ اور آخری باب کا عنوان فیما یجری من الفتن فی ایامہ و بعد انقضاء مدتہ ہے۔

۶. **العرف الوردی فی اخبار المہدی** (جلال الدین سیوطی: ۹۱۱): سیوطی نے امام مہدی(ع) کے بارے میں

---

۱. گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، ص ۹۷۔

۲. مقدسی شافعی، عقد الدرر، ص ۲۴۔

کثیر حدیثیں اس کتاب میں نقل کی ہیں۔اس مجموعہ میں دو سو حدیثیں ہیں جو سب کی سب مرسل ہیں اور انہیں بنا کسی ترتیب کے نقل کیا گیا ہے۔ سیوطی نے بعض احادیث کی وضاحت بھی کی ہے اور شاذ و نادر دوسرے محدثین کے قول بھی نقل کئے ہیں۔ سیوطی ان احادیث کے اختتام پر چار نکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: مہدی(ع) ان بارہ خلفاء میں شامل ہیں جن کا ذکر جابر بن سمرہ کی حدیث میں موجود ہے۔

ب: مہدی(ع)، عباس بن مطلب کے فرزندوں میں سے نہیں ہو سکتے۔

ج: لا مہدی الا عیسی بن مریم کی سند ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث ان احادیث سے متعارض ہے جن میں مہدی(ع) کے ظہور کی بات کہی گئی ہے اور انہیں رسول خداؐ کی نسل سے بتایا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے عیسی ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

د: مغرب سے امام مہدی(ع) کے ظہور کی خبر بے بنیاد ہے۔

۷. **القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر** (ابن حجر ہیتمی: ۹۷۴ ھ): یہ کتاب تین باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں احادیث کی بنیاد پر امام مہدی(ع) کے ترسٹھ صفات بیان ہوئے ہیں۔ دوسرے باب میں صحابہ رسولؐ سے انتالیس حدیثیں منقول ہیں۔ تیسرے باب میں تبع تابعین سے چھپن حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ کتاب کے اختتام پر عیسی کے نزول سے قبل امام مہدی(ع) کا ظہور، نزول عیسی کے علائم، خروج یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض جیسے موضوعات کو احادیث اور علماء کے اقول کی بنیاد پر بیان کیا گیا ہے۔

۸. **البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان** (متقی ہندی: ۹۷۵ ھ): اس کتاب میں دو سو چھتّر حدیثیں نقل ہوئی ہیں اور شیخ جاسم بن محمد بن مہلل نے اس پر تحقیق کر کے اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں۔ پہلے باب کا عنوان فی کرامات یختص بھا المھدی علیہ السلام اور بارہویں باب کا عنوان المتفرقات ہے۔ مؤلف نے مہدویت کے جھوٹے دعویدار اور اس کے منکرین کے بارے میں ائمہ مذاہب اربعہ کے فتاوی کو بھی ذکر کیا ہے۔

حصہ دوم: احادیث مہدویت کی حجیت و تواتر اہل سنت کی نظر میں

ایسے مسائل جن کی مقبولیت احادیث پر مبنی ہے، ان کے اثبات کے لئے احادیث کے اعتبار کو پرکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ احادیث پر مبنی موضوعات کو قبول

کرنے کے لئے پہلے ان احادیث کی حجیت کو قبول کرنا ہوگا اور اگر ان احادیث کی حجیت ثابت نہ ہوسکے تو اصل موضوع بھی غیر قابل قبول ہوگا یا کم از کم شک کے دائرہ میں آجائے گا۔

مہدویت کے سلسلے میں مروی احادیث، جزئی اختلافات سے درگزر کرتے ہوئے اور اس کے باوجود کہ ان میں سے بعض سند یا متن کے لحاظ سے ضعیف ہیں، قابل قبول ہیں اور ان کی حجیت ثابت ہے۔ ہم یہاں پر احادیث مہدویت کی حجیت کے سلسلے میں اہل سنت کے بعض عالموں کے اقوال نقل کرتے ہیں:

۱. **ترمذی** (۲۹۷ ھ): ان کا شمار صحاح ستہ کے مؤلفین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تین حدیثوں کے بارے میں کہا ہے کہ هذا حديث حسن صحيح[۱]، یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور چوتھی حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ هذا حديث حسن۔ یہ حدیث حسن ہے۔
۲. **ابوجعفر عقیلی** (۳۲۲ ھ): انہوں نے کتاب ضعفاء الكبير میں علی بن نفیل الحرانی کی سوانح عمری کے ذیل میں جن سے انہوں نے امام مہدی (عج) کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے پھر اسکی تضعیف کی ہے، تحریر کیا ہے کہ امام مہدی (عج) کے سلسلے میں اس طریق کے علاوہ اچھی حدیثیں موجود ہیں...[۲]
۳. **حاکم نیشاپوری** (م: ۴۰۵ ھ): المستدرک علی الصحيحين کے مؤلف نے نقل کی گئی کم از کم چھ حدیثوں کی صحت کے بارے میں تصریح کی ہے کہ هذا حديث صحيح الاسناد[۳] اس حدیث کی سند حسن ہے۔
۴. **بیہقی** (م ۴۵۸ ھ): انہوں نے حدیث لا مهدى الا عيسى بن مريم کی تضعیف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ خروج مہدی (عج) پر دلالت کرنے والی احادیث کے اسناد بہتر ہیں[۴]۔
۵. **بغوی** (م: ۵۱۰ ھ): انہوں نے اپنی معروف کتاب مصابيح السنه کی صحیح روایتوں کے حصہ میں امام مہدی (عج) کے بارے میں ایک حدیث[۵] اور احادیث حسن کے حصہ میں چھ حدیثیں[۶] نقل کی ہیں۔

---

۱. ترمذی، سنن، حدیث ۲۲۳۰ و ۲۲۳۳۔ حسن اور صحیح علم حدیث کی دو اصطلاح ہیں جس سے کسی حدیث کے اعتبار کا پتہ چلتا ہے۔ حدیث صحیح اعتبار کے لحاظ سے اول درجہ پر ہے اور حدیث حسن اس کے بعد ہے۔
۲. ضعفاء الکبیر، ج ۳، ص ۲۵۳-۲۵۴، ش ۱۲۵۷۔
۳. حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، ج ۵، حدیث ۸۴۸۵، ۸۳۷۱، ۸۳۷۰، ۸۴۸۶، ۸۴۸۰ و ۸۵۷۸۔
۴. بہ نقل از ابن قیم جوزیہ، المنار المنیف، ص ۱۴۳، ح ۳۲۷۔
۵. بغوی، مصابیح السنہ، ج ۳، ص ۴۸۸، حدیث ۴۱۹۹۔
۶. ایضاً، حدیث ۴۲۱۰-۴۲۱۵۔

۶. **قرطبی مالکی** (م: ۶۷۱ ھ): انہوں نے حدیث لا مهدی الا عیسی کی رد کے بعد تحریر کیا ہے: ظہور امام مہدی (ع) اور آنحضرت کا فاطمہؑ کی نسل سے ہونے سے متعلق رسول خداؐ سے منقول احادیث، ثابت اور اس حدیث سے زیادہ صحیح ہیں۔ انہوں نے امام مہدی (ع) کے بارے میں ابن ماجہ سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے: اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں[1]۔

۷. **ابن تیمیہ** (م: ۷۲۸ ھ): ابن تیمیہ اپنی کتاب السنة النبويه میں تحریر کرتے ہیں کہ ظہور امام مہدی (ع) کے سلسلہ میں ابوداود، ترمذی، احمد اور دوسرے محدثین کی جن احادیث سے استناد کیا جاتا ہے وہ سب صحیح ہیں۔

۸. **کنجی شافعی** (ساتویں صدی): انہوں نے ابن ماجہ سے منقول حدیث المهدی من ولد فاطمه کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے: هذا حديث حسن صحيح اخرجه ابن ماجه الحافظ في سننه۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے جسے ابن ماجہ نے اپنے سنن میں نقل کیا ہے[2]۔

کنجی شافعی معروف حدیث كيف بكم اذا نَزَلَ ابنُ مَريَم فيكم و امامكم منكم کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں هذا حديث حَسَن صحيح متفق على صحّته... رواه البخاري و مسلم في صحيحيهما۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے جس کی صحت پر اتفاق نظر ہے اور بخاری اور مسلم نے اسے نقل کیا ہے[3]۔

کنجی شافعی نے حدیث المهديّ مني اجلَى الجبهة اقنى الانفِ يَملا الارضَ قِسطاً و عَدلاً كما مُلئت جوراً و ظلماً يملك سبع سنين کو نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے: ہذا حدیث... حسن صحیح۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے[4]۔ انہوں نے متعدد مقامات پر احادیث کو نقل کرنے کے بعد ان کے صحیح یا حسن ہونے کی تصریح کی ہے[5]۔

۹. **ابن قیم الجوزیہ** (م ۷۵۱ ھ): انہوں نے اپنی کتاب المنار المنيف في الصحيح و الضعيف کے ایک حصہ کو امام مہدی (ع) سے متعلق احادیث سے مختص کیا ہے اور لکھا ہے: والاحاديث على خروج المهدی اصح اسناداً۔ ظہور امام مہدی پر دلالت کرنے والی احادیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح

---

۱. قرطبی، التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الاخرۃ، ص ۶۱۷۔
۲. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، ص ۳۰۔
۳. ایضاً، ص ۴۸، حدیث ۲۶۔
۴. ایضاً، ص ۵۴، حدیث ۳۱۔
۵. ایضاً، ص ۶۶، ص ۷۰، ص ۸۰ و ص ۹۲۔

ہیں[۱]۔

۱۰. **ابن کثیر الدمشقی** (م ۷۷۴ ھ) : انہوں نے کتاب النہایۃ فی الفتن والملاحم میں امام مہدی(ع) کے سلسلہ میں ابن ماجہ سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: تفرد بہ ابن ماجہ وھذا اسناد قوی صحیح۔ صرف ابن ماجہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے[۲]۔

انہوں نے سنن ترمذی سے منقول ایک دوسری حدیث کے بارے میں تحریر کیا ہے: ھذا حدیث حسن وقد روی من غیر وجہ عن النبی۔ یہ حدیث حسن ہے اور مختلف طریقوں سے رسول خدا سے مروی ہے[۳]۔

۱۱. **تفتازانی** (م: ۷۹۳ ھ) انہوں نے شرح مقاصد میں باب امامت کے ملحقات منجملہ ظہور امام مہدی(ع) کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں[۴]۔

۱۲. **نورالدین ہیثمی** (م: ۸۰۷ ھ) : انہوں نے امام مہدی(ع) سے متعلق بعض روایتوں کو نقل کرتے ہوئے ان کی صحت اور درستی کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"ترمذی اور دوسرے لوگوں نے اس حدیث کو تھوڑا اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور احمد حنبل نے اسے مختلف اسناد کے ساتھ روایت کی ہے اور ابویعلی نے بھی تلخیص کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ اس کی سند کے افراد ثقہ ہیں"[۵]۔

۱۳. **شیخ محمد جزری دمشقی** (م: ۸۳۳ ھ) : شیخ محمد تحریر کرتے ہیں: "امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث ہمارے نزدیک صحیح ہیں"[۶]۔

۱۴. **سیوطی** (م: ۹۱۱ ھ) : انہوں نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں امام مہدی(ع) سے متعلق کئی حدیثیں بیان کی ہیں اور ان میں تین حدیث کو صحیح[۷] اور دو حدیث کو حسن[۸] مانا ہے۔

۱۵. **عبدالوہاب شعرانی** (م: ۹۷۳ ھ) : وہ لکھتے ہیں:

---

۱. ابن قیم جوزیہ، المنار المنیف، ص ۱۴۳، حدیث ۳۲۷۔
۲. ابن کثیر، النہایۃ فی الفتن والملاحم، ص ۲۶۔
۳. ایضاً، ص ۲۷۔
۴. شرح المقاصد، ج ۵، ص ۳۱۲۔
۵. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۷، ص ۴۱۳-۴۱۴۔
۶. اسنی المناقب فی تہذیب اسنی المطالب، ص ۱۶۰-۱۶۳۔
۷. جامع الصغیر، حدیث ۹۲۴۱، ۹۲۴۴، ۹۲۴۵۔
۸. ایضاً، حدیث ۷۴۸۹، ۹۲۔

فی بیان انّ جمیعَ اشراطِ الساعۃِ التی اخبَرَنا بھا الشارعُ حقٌّ لابدّان تَقَعَ کلُّھا قبلَ قیام الساعۃِ و ذلک کخروج المھدی۔۔۔[1] قیامت کی علامتیں جو شارع کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں، وہ سب صحیح ہیں اور قیامت سے قبل وہ واقع ہونگیں جیسے امام مہدی (عج) کا ظہور...

۱۶. **ابن حجر ہیتمی** (م: ۹۷۴ ھ): موصوف حدیث لا مھدی الا عیسی کی رد میں تحریر کرتے ہیں: محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ احادیث جو مہدی (عج) کو فاطمہؑ کی اولاد میں سے بتاتی ہیں ان کی سند زیادہ صحیح ہے[2]۔

۱۷. **شوکانی** (م: ۱۲۵۰ ھ): امام مہدی (عج) سے متعلق دو حدیث نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: و رجالہ ثقات[3]۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور دوسری حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: رجالہ رجال الصحیح[4]۔ اس حدیث کی سند کے افراد، صحیح روایتوں کے اسناد میں سے ہیں۔

۱۸. **شیخ عبدالمحسن بن العباد** (معاصر): وہ لکھتے ہیں: اِنَّ احادیثَ المھدیِّ الکثیرۃَ التی اَلَّفَ فیھا مؤلفون۔۔۔ تدُلُّ علی حقیقۃ ثابتۃ بلاشک ھی حصولُ مقتضاھا فی آخر الزمان۔۔۔[5]
امام مہدی (عج) کے بارے میں کثرت سے حدیثیں نقل ہوئی ہیں اور متعدد کتابیں تالیف کی گئی ہیں...
ان سب سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ امر (ظہور امام مہدی (عج)) ضرور واقع ہوگا۔

۱۹. **ڈاکٹر عبدالعظیم البستوی** (معاصر): موصوف اپنی کتاب کی پہلی جلد میں چھیالیس حدیثوں کو صحیح اور حسن بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آخری زمانہ میں امام مہدی (عج) کی خلافت حق ہے اور اس کا انکار ممکن نہیں ہے کیونکہ صحیح و حسن احادیث اس موضوع پر دلالت کرتی ہیں"[6]۔

آخر میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ بعض معاصر اہل سنت محققین نے اہل سنت کے سڑسٹھ عالموں کا نام بتایا ہے جنہوں نے احادیث مہدویت کو قبول کیا ہے[7]۔

---

۱. شعرانی، الیواقیت والجواہر، ص ۵۶۱۔
۲. الصواعق المحرقۃ، ج ۲، ص ۴۷۶۔
۳. محمد صدیق حسن خان، الاذاعہ لماکان ومایکون، ص ۱۲۵۔
۴. ایضاً، ص ۱۲۶۔
۵. منقول از مہدی فقیہ ایمانی، المہدی عند اہل السنہ، ج ۲، ص ۴۳۱۔
۶. بستوی، المہدی المنتظر فی ضوء الاحادیث الصحیحہ، ج ۱، ص ۳۵۵-۳۵۶۔
۷. محمد احمد اسماعیل، المہدی وفقہ اشراط الساعۃ، ص ۶۶-۶۹۔

احادیث مہدویت کا تواتر

پیغمبر اسلام(ص) اور ائمہ معصومین(ع) سے منقول احادیث و روایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آحاد اور متواتر۔ حدیث آحاد وہ خبر ہے جسے ایک یا چند لوگوں نے نقل کیا ہے لیکن کسی قرینہ اور ضمیمہ کے بغیر ان کے مضمون کا علم نہ ہو۔ حدیث متواتر وہ حدیث ہے جس کی سند کے ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں رہتی ہے۔ احادیث مہدویت بھی متواتر حدیثوں میں شامل ہیں اسی وجہ سے اگر ان میں کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں تب بھی اصل مضمون مہدویت میں کوئی خلل نہیں پڑتا ہے۔ احادیث مہدویت کے متواتر ہونے کے بارے میں ہم یہاں پر اہل سنت علماء کے اقوال کو نقل کرتے ہیں:

۱. **ابوالحسن محمد بن الحسین الابری السنجری**(م: ۳۶۳ ھ): انہوں نے مناقب الشافعی میں اس طرح تحریر کیا ہے: "امام مہدی کے بارے میں بہت سی متواتر اور مستفیض روایتیں رسول خدا(ص) سے منقول ہیں۔" آبری کے اس قول کو ابن قیم جوزیہ[۱]، ابن حجر عسقلانی[۲]، سیوطی[۳]، ابن حجر ہیتمی[۴] اور دوسرے اہل سنت علمانے نقل کیا ہے۔

۲. **جمال الدین مزی**(م: ۷۴۲ ھ): انہوں نے محمد بن خالد الجندی کی سوانح حیات کے ضمن میں ان سے منقول حدیث لا مھدی الا عیسی کو نقل کیا ہے پھر اس کی مذمت کرتے ہوئے اسے رد کیا ہے اور اپنے قول کے اثبات میں ابوالحسن آبری کے قول کو نقل کیا ہے[۵]۔

۳. **ابن حجر عسقلانی**(م: ۸۵۲ ھ): احادیث مہدویت کے تواتر کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں: "متواتر اخبار و روایتیں اس بات پر وارد ہوئی ہیں کہ مہدی(ع) اس امت میں سے ہیں اور عیسی بن مریم کا نزول ہوگا اور وہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے"[۶]۔

---

۱. ابن قیم جوزیہ، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۱۴۲۔
۲. ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج ۶، ص ۴۹۳۔
۳. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۱۰۳۔
۴. ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ج ۲، ص ۴۸۰۔
۵. المزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج ۲۵، ص ۱۴۶-۱۴۹، نمبر ۵۱۸۱
۶. فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج ۶، ص ۴۹۳۔

۴. **شمس الدین سخاوی** (م: ۹۰۲ ھ): کتانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ بہت سے افراد نے ان سے یہ نقل کیا ہے کہ احادیث مہدویت متواتر ہیں[1]۔

۵. **ابن حجر ہیتمی** (م ۹۷۴ ھ): احادیث مہدویت کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں: امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث فراوان اور متواتر ہیں[2]۔

۶. **احمد بن السرور بن الصبا الحنفی** (دسویں صدی): مہدویت کے منکرین کے بارے میں وہ لکھتے ہیں اس گروہ کو ختم کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کا طرز فکر متواتر حدیثوں کے خلاف ہے[3]۔

۷. **محمد بن رسول الحسینی البرزنجی** (م: ۱۱۰۳ ھ): وہ کہتے ہیں: امام مہدی(ع) رسول خداؐ کی ذریت اور فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہوں گے اور آپ کے ظہور کے بارے میں مروی احادیث تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں جن کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے[4]۔

۸. **الشیخ محمد السفارینی** (م: ۱۱۸۸ ھ): انہوں نے لکھا ہے: صحیح بات یہ ہے کہ مہدی(ع) اور عیسیٰؑ کی شخصیت ایک نہیں ہے اور عیسیٰؑ کے ظہور سے قبل مہدی(ع) کا ظہور ہوگا۔ ان کے ظہور پر دلالت کرنے والی روایتیں تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں اور علمائے اہل سنت میں یہ بات اتنی معروف ہے کہ ان کے عقیدہ کا جزء ہے[5]۔

۹. **قاضی محمد بن علی الشوکانی** (م: ۱۲۵۰ ھ): امام مہدی(ع) سے متعلق جن احادیث کی ہمیں اطلاع ہے ان کی تعداد پچاس ہے جن میں صحیح، حسن اور ضعیف روایتیں بھی موجود ہیں۔ یہ احادیث بنا کسی شک و شبہ کے متواتر ہیں...[6]۔

۱۰. **مؤمن بن حسن بن مومن الشبلنجی** (م: ۱۲۹۱ ھ): امام مہدی(ع) کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں: تواترت الاخبار عن النبی انه من اهل بیته و انه یملأ الارضَ عَدلاً[7]۔ پیغمبر اسلام سے مروی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام مہدی(ع) آپ کی ذریت سے ہیں جو دنیا کو عدل و

---

۱. منقول از کتانی، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر، ص ۲۳۷۔
۲. ہیتمی، الصواعق المحرقہ، ج ۲، ص ۴۸۰۔
۳. ایضاً، ص ۱۷۸
۴. برزنجی، الاشاعۃ فی اشراط الساعہ، ص ۸۷۔
۵. سفارینی، لوائح الانوار البہیہ، ج ۲، ص ۸۰
۶. منقول از قنوجی، الاذاعۃ لماکان ومایکون بین یدی الساعۃ، ص ۱۱۴۔
۷. نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، ص ۲۶۲۔

انصاف سے پر کر دیں گے۔

۱۱. **صدیق حسن خان القنوجی**(م: ۱۳۰۷ ھ): وہ لکھتے ہیں: امام مہدی(ع) کے بارے میں مروی احادیث، اختلافات کے باوجود تواتر معنوی کی حد تک ہیں[۱]۔

دوسری جگہ وہ یوں تحریر کرتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ مہدی(ع) آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ کس مہینہ اور سال میں۔ کیونکہ اس موضوع پر اخبار متواتر ہیں اور جمہور امت نے ماضی اور حال میں اس بات پر اتفاق کیا ہے سوائے معدودے چند کے جن کی مخالفت سے کوئی اثر نہیں پڑتا ہے"[۲]۔

۱۲. **محمد بن جعفر الکتانی المالکی**(م: ۱۳۴۵): وہ لکھتے ہیں: والحاصل انّ الاحادیث الواردة فی المهدیّ متواترة...[۳] امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث متواتر ہیں...

۱۳. **ابوالفیض الغماری الشافعی**(م: ۱۳۸۰ ھ): ابن خلدون نے امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث کی تنقیص کی ہے جس کی رد میں غماری نے تیس صحابہ رسولؐ کے ناموں کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے ان احادیث کو نقل کیا ہے۔

علمائے اہل سنت میں امام مہدی(ع) سے متعلق صدیوں سے اس طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں جس کا کچھ حصہ یہاں پر بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور امام مہدی(ع) کا نظریہ تعالیم دینی کا حصہ ہے اور یہ ایسا موضوع نہیں جس کا تعلق صرف چند حدیثوں سے ہو تا کہ اس کی تضعیف سے اصل موضوع پر خدشہ وارد ہو جائے۔

تیسرا حصہ: شیعہ اور احادیث مہدویت

مہدویت شیعوں کا ایک اہم اور ضروری عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لئے استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس موضوع پر متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض شیعہ عالموں نے امام عصر(ع) کے موضوع پر کتابیں بھی تحریر کی ہیں مثال کے طور پر محمد بن ابراہیم نعمانی معروف بہ ابی زینب(چوتھی صدی) کی کتاب غیبت، شیخ صدوق(م: ۳۸۱ ھ) کی کتاب اکمال الدین و اتمام النعمہ، شیخ طوسی (چوتھی صدی) کی

---

۱. الاذاعہ، ص ۱۱۲۔

۲. الاذاعہ، ص ۱۴۵۔

۳. کتانی، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر، ص ۲۴۱۔

کتاب غیبت، **محمد** بن الحسن الصفار (م: ۲۵۰ ھ) کی کتاب بصائر الدرجات، **کلینی** (۳۲۹ ھ) کی کافی وغیرہ۔

شیعوں کی کتابوں میں احادیث مہدویت

شیعوں کی کتب حدیث کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں مہدویت کے موضوع پر گفتگو نہ ہوئی ہو۔ان کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف: حدیث کی وہ کتابیں جو کسی خاص موضوع پر نہیں ہیں بلکہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جن میں سے ایک مہدویت کا موضوع ہے۔

ب: حدیث کی وہ کتابیں جو خاص طور پر امام مہدی (ع) کے موضوع پر تحریر کی گئی ہیں۔

الف: شیعوں کی عام حدیث کی کتابیں

۱. **کتاب سلیم بن قیس ہلال عامری کوفی**[۱] (م ۵۸۰ ھ): مؤلف نے رسول خدا (ص) کے دور کو درک کیا ہے اور آپ کی وفات کے وقت وہ بارہ سال کے تھے[۲]۔آپ کی کتاب شیعوں کی سب سے پہلی حدیث کی کتاب ہے جس میں کم از کم چار حدیثیں امام مہدی سے متعلق درج ہیں جن میں آپ کے لقب مہدی پر بھی تصریح کی گئی ہے۔پہلی حدیث رسول خدا (ص) سے منقول ہے:

و منّا والذی نفسی بیده مهدی هذا الامة...[۳]۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت کے مہدی (ع) ہم میں سے ہے۔

دوسری حدیث امام علیؑ سے مروی ہے۔ تیسری حدیث امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

امت رسول خداؐ اختلاف میں ہے یہاں تک کہ مہدی (ع) کا ظہور ہو جائے[۴]۔

چوتھی حدیث رسول خداؐ سے منقول ہے:

---

۱. انہوں نے پانچ اماموں کا دور دیکھا ہے اور ان کے اصحاب میں شامل رہے ہیں۔برقی نے انہیں اولیائے اصحاب علی (رجال، تحقیق قیومی اصفہانی، ص ۳۴) نیز امام حسن (ع) اور امام حسین (ع) (ایضاً، ص ۴۳) ، امام سجاد (ع) (ایضاً، ص ۴۵) اور امام محمد باقر (ع) (ایضاً، ص ۴۹) کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔

۲. انصاری، مقدمہ کتاب سلیم بن قیس، ج۱، ص ۴۳۔

۳. سلیم بن قیس، کتاب سلیم، ص ۷۱۔

۴. ایضاً، ص ۱۱۱۔

"ہم عبدالمطلب کے فرزند جنتی ہیں۔ میں، علی، جعفر، حسن، حسین، فاطمہ اور مہدی (علیہم السلام)" [۱]۔

یہ حدیث ذرا اختلاف کے ساتھ اہل سنت کی کتابوں میں جیسے سنن ابن ماجہ میں درج ہے۔

۲. **محاسن** (برقی، احمد بن خالد برقی: ۲۷۴ یا ۲۸۰ ھ): آپ نے امام رضاؑ کی امامت کے زمانہ کا کچھ حصہ اور امام جوادؑ، امام ہادی(ع) اور امام حسن عسکریؑ کے دور کو درک کیا ہے نیز غیبت صغری کے دور میں بھی موجود تھے۔ آپ کی کتاب، کافی معتبر ہے یہاں تک کہ مرحوم صدوق نے اس پر اعتماد کرکے اسے من لا یحضرہ الفقیہ کے منابع میں شامل کیا ہے۔ مرحوم کلینی نے بھی کافی میں اس کتاب سے بہت ساری حدیثیں نقل کی ہیں۔ علامہ مجلسی نے تحریر کیا ہے کہ محاسن برقی معتبر ہے اور کلینی اور بعد میں آنے والے دوسرے محدثوں نے اس سے حدیثیں نقل کی ہیں [۲]۔ مؤلف نے بھی امام مہدی(عج) سے متعلق دس حدیثیں نقل کی ہیں جنہیں ثواب الاعمال [۳]، مانع الزکاۃ [۴]، لزوم شناخت امام [۵] اور علل [۶] کے ابواب میں جگہ دی ہے۔ ان احادیث میں قائم کا لقب اور آنحضرتؑ کی عالمی عدالت، آپ کا ساتھ دینے کی فضیلت وغیرہ کا بیان موجود ہے۔

۳. **بصائر الدرجات** (محمد بن الحسن بن فرخ الصفار القمی: م ۲۹۰ ھ): یہ کتاب فضائل ائمہ اطہار(ع) پر مشتمل ہے جس پر بہت سے شیعہ علماء نے اعتماد کیا ہے لیکن بعض نے اس کی تنقیص بھی کی ہے۔ اس کتاب میں دس باب ہیں اور ان سب میں ائمہ اطہار(ع) کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ کم از کم بائیس حدیثوں میں کسی نہ کسی طرح سے امام مہدی(عج) کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے اور آپ کو قائم آل محمدؐ اور مہدی(عج) کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

۴. **تفسیر عیاشی** (محمد بن مسعود عیاشی: ۳۲۰ ھ): اس کا شمار شیعوں کی قدیمی روائی تفسیروں میں ہوتا ہے اور اس کے مؤلف بھی معتبر ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تفسیر کا نصف حصہ غائب ہے

---

۱. ایضاً، ص ۲۴۵۔

۲. بحار الانوار، ج ۱، ص ۲۷۔

۳. برقی، محاسن، ج ۱، ص ۱۳۴، حدیث ۱۱۷۔

۴. ایضاً، ص ۱۶۹، حدیث ۳۶۔

۵. ایضاً، ص ۲۵۴، حدیث ۸۶ و ص ۲۷۷، حدیث ۱۴۷۔

۶. ایضاً، ج ۲، ص ۳۹، حدیث ۵۵۔

لیکن جو کچھ موجود ہے اس میں بہت اہم باتیں تحریر ہیں اور تقریباً سارے شیعہ مفسروں نے اس سے استناد کیا ہے۔ اس تفسیر میں ۳۵ حدیثیں امام مہدی(ع) کے سلسلہ میں موجود ہیں۔ یہ حدیثیں بیشتر ان آیات قرآنی کی تاویل سے متعلق ہیں جن کا مصداق امام مہدی(ع) ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی ۱۴۳ آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر(ع) سے منقول ہے کہ جرت فی القائم[1] (یعنی قائم کے بارے میں ہے)۔ دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے: ولہ ما اکل منہا حتی ظہر القائم من اہل بیتی بالسیف[2]۔ زمین سے جو بہرہ حاصل کرتا ہے اس کا ہے جب تک کہ ہمارا قائم(ع) شمشیر کے ساتھ قیام نہ کرے۔

۵. **تفسیر قمی** (علی بن ابراہیم قمی: چوتھی صدی): یہ تفسیر بھی علماء کی توجہ کا مرکز رہی ہے اگرچہ مؤلف کے شیوہ تالیف اور اس کتاب کے مضامین کے بارے میں بحث و گفتگو بھی ہوئی ہے لیکن اصل کتاب آج بھی کتاب مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں امام مہدی(ع) کے سلسلہ میں ۳۴ حدیثیں نقل ہوئی ہیں اور بیشتر حدیثیں آیتوں کی تاویل کو بیان کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ طہ کی ۱۱۵ آیت کی تفسیر میں امام محمد باقرؑ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے: ...وانما سموا اولوالعزم لانہ عہد الیہم فی محمد والاوصیاء من بعدہ والقائم...[3] اور انہیں اولوالعزم کہا گیا کیونکہ ان سے پیغمبر اسلامؐ اور ان کے جانشینوں اور قائم کے لئے عہد لیا گیا۔

اسی طرح سورہ حج کی ۳۹ آیت کی تفسیر میں امام صادق(ع) منقول ہے: ھی للقائم[4] (یہ آیت قائم کے بارے میں ہے)۔

اسی سورہ کی دوسری آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر(ع) سے منقول ہے: یہ آیت آل محمد... مہدی(ع) اور ان کے اصحاب کے لئے ہے...[5]۔

٦. **کافی** (ثقۃ الاسلام کلینی: ۳۲۹ ھ): امام مہدی(ع) کی شناخت کے لئے یہ کتاب بہت اہم ہے اور اس

---

۱. عیاشی، تفسیر عیاشی، ج۱، ص۸۰، حدیث ۱۰۲۔
۲. عیاشی، تفسیر عیاشی، ج۱، ص۲۸، حدیث ٦٦۔
۳. علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج۲، ص ٦۵۔
۴. ایضاً، ص۸۴۔
۵. ایضاً، ص۸۷۔

کے مؤلف بھی اہل نظر کے درمیان کافی مقبول ہیں۔ نجاشی نے رجال[1] میں، شیخ نے فہرست[2] میں اور اور محقق حلی نے المعتبر[3] میں ان کی تعریف و تمجید کی ہے۔ امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث زیادہ تر کافی کے کتاب الحجۃ میں نقل ہوئی ہیں جن کی تعداد ۶۶ ہے اور انہیں مختلف ابواب جیسے فی الاشارہ والنص الی صاحب الدار، فی تسمیہ من رآہ، باب فی النہی عن الاسم، باب نادر فی الغیب و باب فی کراھیۃ التوقیت میں جگہ ملی ہے۔ ان احادیث کی اسناد معتبر ہیں۔ اسی کتاب الحجۃ میں ابواب التاریخ کے حصہ میں مولد الصاحب کے عنوان سے ۳۱ حدیثیں امام مہدی(ع) کی ولادت سے متعلق نقل ہوئی ہیں۔

۷. **اثبات الوصیہ** (علی بن حسین بن علی الہذلی المسعودی : م ۳۴۶): آپ مشہور شیعہ عالم دین اور کتاب مروج الذہب کے مؤلف ہیں۔ علامہ حلی، سید بن طاووس، ابن ادریس حلی، علامہ مجلسی اور صاحب روضات الجنات نے ان کی تعریف ہے[4]۔ مؤلف نے اپنی کتاب کے پہلے حصہ میں رسول خدا(ص) سے قبل دوسرے ادیان میں وصیت کی رسم کو ثابت کیا ہے اور دوسرے حصہ میں رسول خداؐ اور بارہ اماموںؑ کی سوانح حیات کو بیان کیا ہے اور اس حصہ کے آخر میں قیام صاحب الزمان و ھو خلف الزکی بقیۃ اللہ فی ارضہ و حجتہ علی خلقہ کے عنوان سے امام مہدی(ع) کے بارے میں ۴۹ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ان احادیث میں مختلف موضوعات جیسے امام مہدی(ع) کی والدہ، آپ کی ولادت، آپ کا بچپن، آپ سے متعلق قرآنی آیتیں اور دور غیبت کے سماجی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

۸. **اختیار معرفۃ الرجال** (کشی: م ۳۵۰ ھ): یہ کتاب رجال شیعہ کی اہم کتاب ہے۔ مؤلف نے راویوں کے شرح حال میں احادیث بھی نقل کی ہیں جن کی تعداد ۱۱۵۲ ہے۔ امام مہدی(ع) سے متعلق ۱۵ روایتیں منقول ہیں۔

۹. **عیون اخبار الرضا** (شیخ صدوق: م۳۸۱ ھ): مؤلف نے اس کتاب میں امام رضا(ع) سے منقول حدیثوں کو جمع کیا ہے اور اسے اسماعیل بن عباد کے کتب خانہ کو ہدیہ کیا ہے۔ اس کتاب میں بیس حدیث امام مہدی(ع) سے متعلق منقول ہے۔

---

۱. نجاشی، رجال، ص ۳۳۷۔
۲. طوسی، الفہرست، ص ۲۱۰۔
۳. حلی، المعتبر فی شرح المختصر، ج ۱، ص ۳۳۔
۴. مسعودی، اثبات الوصیہ، ص ۸۔

۱۰. **علل الشرائع** (شیخ صدوق: م ۳۸۱ ھ): اس کتاب میں فلسفہ احکام اور بعض تاریخی حوادث بیان ہوئے ہیں۔ اس میں کم از کم ۲۲ حدیثیں امام مہدی (عج) سے متعلق ہیں۔

۱۱. **امالی** (شیخ صدوق: م ۳۸۱ ھ): شیخ صدوقؒ نے مشہد مقدس میں ستانوے تقریریں کیں جن کو ان کے شاگردوں نے جمع کر کے امالی کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں اخلاق، تاریخ اور فضائل اہل بیت (ع) جیسے موضوعات پر بحث ہوئی ہے اور امام مہدی (عج) سے متعلق ۱۳ حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

۱۲. **خصال صدوق** (م: ۳۸۱ھ): اس کتاب میں ۲۶ باب ہیں جن میں کل ۱۲۵۵ حدیثیں نقل ہوئی ہیں جن میں سے ۱۷ حدیثیں امام مہدی (عج) سے متعلق ہیں جن میں امام کی حکومتی سیرت، علائم ظہور، ظہور کے وقت عیسیٰ کا نزول، امام کی قضاوت اور اس دور میں زمین و آسمان کی برکتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۳. **الارشاد** (شیخ مفید: م ۴۱۳): شیخ مفید نے اس کتاب میں رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کا تعارف پیش کیا ہے اور اس کے آخری حصہ میں امام زمانہؑ سے متعلق اٹھاسی حدیثیں نقل ہوئی ہیں[۱]۔ مؤلف نے سب سے پہلے امام حسن عسکریؑ کے بعد مسئلہ امامت پر بحث کی ہے اور امام مہدیؑ کی امامت کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ معصومین سے منقول احادیث کو روایت کیا ہے۔ اور بچپن میں آنحضرت سے لوگوں کی ملاقات اور پھر آپ کے معجزات، علائم ظہور اور مدت حکومت اور آپ کی سیرت پر مبنی احادیث کو بھی بیان کیا ہے۔

۱۴. **دلائل الامامۃ** (ابی جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری الاملی: پانچویں صدی): اس کتاب میں جناب فاطمہ زہرا (س) اور ائمہ معصومینؑ کی سوانح حیات اور اقوال بیان ہوئے ہیں۔ طبری نے امام مہدی (عج) سے متعلق سو سے زائد احادیث کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس میں مختلف موضوعات جیسے آنحضرت کی ولادت، آپ کے معجزات، ظہور کے سلسلہ میں رسول خداؐ سے منقول احادیث، آنحضرت کی والدہ کے صفات اور نسب وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

۱۵. **روضۃ الواعظین** (فتال نیشاپوری: م ۵۰۸): اس کتاب میں اصول عقائد، آداب زندگی اور فضائل ائمہ معصومین (ع) بیان ہوئے ہیں جسے اس زمانہ کے معاشرہ کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے تالیف کیا گیا ہے۔ مؤلف نے سب سے پہلے ایک موضوع سے متعلق قرآنی آیتوں کو تحریر کیا ہے اور پھر اس سے متعلق روایتوں کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے احادیث کے اسناد کو ذکر نہیں کیا ہے چونکہ معروف کتابوں میں ان کا نقل ہونا ہی کافی سمجھا ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں عقلی مباحث، اصول دین اور پیغمبر اسلامؐ

---

۱. مفید، الارشاد، ص ۳۴۵، ۳۸۸۔

اور ائمہ معصومینؑ کی سوانح حیات پر گفتگو ہوئی ہے اور کتاب کے دوسرے حصہ میں امام مہدی (عج) سے متعلق کم از کم چالیس حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

۱۶. **الخرائج والجرائح** (قطب الدین راوندی: م ۵۷۳): معجزات پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے۔ اس کتاب میں ایک مقدمہ اور ۱۵ باب ہیں۔ ۱۳ باب رسول خداؐ اور ائمہ معصومین کے معجزات پر مشتمل ہے اور ایک باب میں ان کے دعوی کی صحت اور ایک باب میں بارہ اماموں کی امامت پر قرآنی دلائل کو بیان کیا ہے۔ مؤلف نے پہلی جلد کے تیرہویں باب کو امام زمانہ (عج) کے معجزات سے مختص کیا ہے[1]۔ دوسری جلد میں پچاس حدیثیں اور تیسری جلد میں اڑسٹھ حدیثیں آپ سے متعلق نقل ہوئی ہیں۔

۱۷. **کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ** (علی بن عیسی بن ابی الفتح الاربلی: م ۶۹۳ ھ): یہ کتاب بھی رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین (ع) کے فضائل و مناقب سے متعلق ہے۔ مؤلف نے احادیث کے ذریعہ ائمہ اہل بیت (ع) کا تعارف کرایا ہے۔ اس کتاب کی تمام حدیثیں مرسل ہیں کیونکہ صرف آخری راوی کا نام بیان ہوا ہے۔ مؤلف نے تیسری جلد کے آخری حصہ میں امام مہدی (ع) سے متعلق سو سے زائد روایتیں نقل کی ہیں۔ بعض روایتیں اہل سنت کے بزرگ علماء جیسے ابوداود، ترمذی اور ثعلبی سے منقول ہیں۔ مؤلف نے کتاب کے دوسرے حصہ میں آنحضرت کے معجزات، دلائل امامت، علائم ظہور اور حکومتی روش سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے۔ امام مہدی (عج) سے متعلق ابونعیم سے منقول چالیس حدیثوں کو محقق اربلی نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔

ب: حدیث کی وہ کتابیں جو خاص طور پر امام مہدی عج کے موضوع پر تحریر کی گئی ہیں

۱. **غیبت** (نعمانی محمد بن ابراہیم النعمانی: چوتھی صدی): اس کتاب میں تمام حدیثوں کو سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ کتاب ۲۶ ابواب پر مشتمل ہے اور نویں باب سے آخری باب تک امام زمانہ (عج) سے متعلق مختلف احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے دور غیبت اور اس دور کی مشکلات و پریشانیاں، پھر آنحضرت سے متعلق بعض روایتیں جیسے آپ کی والدہ گرامی، آپ کی شان میں نازل ہونے والی آیتیں وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد علائم ظہور، خروج سفیانی، ظہور کے وقت

---

۱. راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۱، ص ۴۵۵-۴۸۴۔

شیعوں کی حالت، ظہور کے وقت آپ کی عمر مبارک، مدت حکومت و غیرہ کا بیان ہے۔اس کتاب میں کل ملا کر چار سو چھہتر حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

۲. **کمال الدین و تمام النعمة** (محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی صدوق: ۳۸۱ ھ): اس کتاب میں خاص طور پر امام زمانہ (ع) کی غیبت سے متعلق احادیث نقل ہوئی ہیں اور بعد کے مؤلفین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔اس کتاب کے دو حصے ہیں۔مؤلف نے پہلے حصہ میں کلی مباحث اور دوسری امتوں میں غیبت سے متعلق اخبار کو نقل کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ غیبت کوئی نیا موضوع نہیں ہے بلکہ گذشتہ امتوں میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔انہوں نے اس امر کے اثبات کے لئے بہت سے دلائل بھی بیان کئے ہیں اور پھر کچھ اعتراضات کا جواب پیش کیا ہے۔

انہوں نے بعض اسلامی فرقوں خاص کر بعض شیعہ فرقوں کے اس اعتقاد کو رد کیا ہے جس کی رو سے یہ لوگ محمد بن حنفیہؒ[1]، امام جعفر صادقؑ[2]، امام موسی کاظمؑ[3] اور امام حسن عسکریؑ[4] کی غیبت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ شیخ صدوقؒ نے اس گروہ کے اعتقادات کو بیان کرنے کے بعد انہیں رد کیا ہے اور پھر امام زمانہ (ع) کی غیبت سے متعلق اشکالات کو جواب دیا ہے۔

اس کے بعد گذشتہ انبیاء جیسے ادریس، صالح، ابراہیم، یوسف اور موسی علیہم السلام کی غیبت سے متعلق بعض احادیث کو بیان کرتے ہوئے امام زمانہ (ع) کی غیبت سے متعلق روایات کو نقل کیا ہے۔

مؤلف نے کتاب کے دوسرے حصہ کا آغاز امام زمانہ (ع) کی غیبت پر دلالت کرنے والی بعض احادیث سے کیا ہے اور پھر آنحضرت کی ولادت، امامت، دلائل غیبت، آپ کی زیارت کرنے والے لوگ، آنحضرت کی طرف سے صادر ہونے والی توقیعات، انتظار فرج اور علائم ظہور کا تذکرہ کرتے ہوئے کچھ حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔اس کتاب میں کم از کم ۵۹۲ حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

۳. **کتاب الغیبة** (محمد بن حسن طوسی: ۴۶۰ ھ): یہ کتاب مہدویت کے موضوع پر شیعوں کے ذریعہ تحریر کی گئی اہم تین کتابوں میں شامل ہے۔مؤلف نے اس کتاب میں شیعہ دوازدہ امامی کے خلاف اخبار کو بھی نقل کیا ہے اور تجزیہ و تحلیل کر کے انہیں رد کیا ہے۔

---

۱. صدوق، کمال الدین، ج۱، ص ۶۳، اس گروہ کو کیسانیہ کہا جاتا ہے۔
۲. ایضاً، ص ۴۷، اس گروہ کو ناووسیہ کہتے ہیں۔
۳. ایضاً، اس گروہ کو واقفیہ کہتے ہیں۔
۴. ایضاً، ص ۷۷۔

یہ کتاب آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل غیبت اور آخری فصل آنحضرت کے صفات و سیرت سے متعلق ہے۔اس کتاب میں ۵۰۵ روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

احادیث امام مہدی(عج) کے راوی

امام مہدی(عج) سے متعلق احادیث کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اصحاب رسول خداؐ کی ایک کثیر تعداد نے انھیں نقل کیا ہے جس سے ان کا اعتبار مزید بڑھ جاتا ہے۔ ان احادیث کے اسناد میں بہت سے اصحاب کی موجودگی پھر حدیث کی معتبر کتابوں میں ان کا نقل ہونا مہدویت کے اہم مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

احادیث مہدویت کی روایت کرنے والے اصحاب کی تعداد چھبیس[1]، اکتیس[2] اور پچاس[3] بتائی گئی ہے لیکن حدیث کی کتابوں میں جستجو کرنے سے ہمیں صرف ۳۳ صحابہ کے نام مل سکے جنہیں یہاں تحریر کیا جارہا ہے:

۱. **ابوالطفیل عامر بن وائلہ:** المصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۳۷۶۳۷؛ البرھان فی علامات صاحب الزمان متقی ہندی، باب ۳، حدیث ۴؛ غیبت طوسی، ص ۱۳۱، ح ۹۵۔

۲. **ابوامامہ باہلی:** فرائد السمطین جوینی، حدیث ۵۶۵؛ اربعون حدیث ابونعیم، ح ۱۲ و ۱۴؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان گنجی شافعی، باب ۱۸، حدیث ۵۱، باب ۲۲، حدیث ۵۷؛ عقدالدرر فی اخبار المنتظر مقدسی شافعی، باب ۳، ص ۶۲؛ کشف الغمة فی معرفة الائمہ اربلی، ج ۳، ص ۲۵۸، حدیث ۱۲، کنزل العمال متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۸۰۔

۳. **ابوسعید خدری:** المصنف صنعانی، حدیث ۲۰۷۶۹-۲۰۷۷۰؛ سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۳، المصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۷۶۲۷-۳۷۶۲۹؛ سنن ابی داوود، حدیث ۴۲۸۵؛ سنن ترمذی، حدیث ۲۳۳۲؛ کتاب الغیبہ طوسی، ص ۱۸۷، حدیث ۱۳۶؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۷؛ اربعون حدیث ابی نعیم، حدیث ۱-۳، ۱۰-۱۱ و ۲۲؛ عقد الدرر مقدسی شافعی، باب ۸، ص ۴۰؛ باب ۳، ص ۱۔

۴. **ابوہریرہ:** المصنف صنعانی، ح ۲۰۷۷۷؛ جامع الاصول ابن اثیر، ح ۷۸۰۸؛ غیبت طوسی، ص ۱۸۰، حدیث ۱۳۹؛ مسند احمد، ج ۲، ص ۳۳۶؛ فرائد السمطین جوینی، حدیث ۵۷۰۔

---

۱. عبدالمحسن العباد نے اپنے مضمون عقیدۃ اھل السنہ و الاثر فی المھدی المنتظر میں اسے نقل کیا ہے۔

۲. احمد اسماعیل نے اپنی کتاب المہدی و فقہ اشراط الساعۃ میں اسے نقل کیا ہے۔

۳. المہدی المنتظر حقیقۃ أم خرافۃ، ص ۱۴۳۔

۵. **ابی سلمی:** غیبت طوسی، ص ۱۴۷، حدیث ۱۰۹ و فرائد السمطین جوینی، حدیث ۵۷۱۔

۶. **ام سلمہ:** المصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۴۰۸۶، غیبت طوسی، ص ۱۳، حدیث ۱۴۵ و ۱۴۸؛ جامع الاصول ابن اثیر، حدیث ۷۸۱۲، سنن ابی داود، حدیث ۴۲۸۴، ۴۲۸۶ و ۴۲۸۸؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان گنجی شافعی، باب ۲، حدیث ۱۰-۱۱؛ العرف الوری فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۱۵؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان متقی ہندی، باب ۴، ح ۴۷۔

۷. **انس بن مالک:** سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۷؛ غیبت طوسی، ص ۱۸۳، حدیث ۱۴۲؛ اربعون حدیث ابونعیم، حدیث ۳۰؛ العرف الوری فی اخبار المهدی سیوطی، ص ۲۱۷؛ کشف الغمة فی معرفة الائمہ اربلی، ج ۳، ص ۲۶، حدیث ۳۰؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۲، ح ۳؛ کنز العمال متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۵۶۔

۸. **ابوایوب انصاری:** المعجم الصغیر، طبرانی، ج ۱، ص ۳۷؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۲، حدیث ۹۔

۹. **ام حبیبہ:** العرف الوری فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۱۹۔

۱۰. **تمیم الداری:** تذکرۃ حفاظ ذہبی، ج ۱، ص ۵۴۷۔

۱۱. **ثوبان:** سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۴؛ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۷۷؛ کشف الغمة فی معرفة الائمۃ اربلی، ج ۳، ص ۲۶۱؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان گنجی شافعی، باب، حدیث ۱۵-۱۶؛ عقد الدرر فی اخبار المنتظر، مقدسی شافعی، باب ۴، ص ۸۹-۹۰؛ العرف الوری فی اخبار المهدی سیوطی، ص ۲۱۷ و ۲۲۳؛ کنز العمال متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۵۸۔

۱۲. **جابر بن سمرہ:** سنن ابی داود، حدیث ۴۲۷۹-۴۲۸۱؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۸۴؛ غیبت نعمانی، ص ۱۴۲، حدیث ۳۱-۳۳؛ غیبت طوسی، ص ۱۲۷، حدیث ۹۰-۹۳۔

۱۳. **جابر بن عبداللہ انصاری:** المصنف صنعانی، حدیث ۲۰۷۷۴؛ مسند احمد، ج ۳، ص ۳۷۴؛ غیبت طوسی، ص ۱۴۳، حدیث ۱۰۸، ص ۱۷۸، حدیث ۱۳۵؛ ارشاد مفید، ج ۲، ص ۴۸۰، حدیث ۴؛ فرائد السمطین جوینی، حدیث ۵۸۵؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۷، حدیث ۲۷؛ باب ۱۰، حدیث ۳۵؛ العرف الوری فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۲۰ و ۲۴۹۔

۱۴. **حذیفہ بن الیمان:** اربعون حدیث ابونعیم، حدیث ۲۰، ۸، ۶ و ۲۸؛ غیبت طوسی، ص ۴۵۴، حدیث ۴۶۳ و ص ۴۷۰، حدیث ۴۸۶؛ فرائد السمطین، جوینی، حدیث ۵۷۵؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۷، حدیث ۲۸ و باب ۱۳، حدیث ۴۴؛ عقد الدرر فی اخبار المنتظر،

مقدسی شافعی، باب ا، حدیث ۳۸؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۲۱؛ کشف الغمة فی معرفة الائمه، اربلی، ج ۳، ص ۲۵۷، حدیث ۶؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۲، حدیث ۹۔

۱۵. **حسین بن علی**(ع): اربعون حدیث، ابونعیم، حدیث ۹؛ عقدالدرر فی اخبار المنتظر، مقدسی شافعی، باب ۷، ص ۲۱۲؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۹، حدیث ۱۷ و باب ۴، حدیث ۲۳؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۲۶۔

۱۶. **زر بن عبداللہ**: کشف الغمه فی معرفة الائمة، اربلی، ج ۳، ص ۲۶۵، باب ا، حدیث ا۔

۱۷. **سلمان فارسی**: عقدالدرر فی اخبار المنتظر، مقدسی شافعی، باب ا، ص ۲۱۹۔

۱۸. **طلحہ بن عبیداللہ**: البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ا، حدیث ا؛ المعجم الواسط، طبرانی، حدیث ۶۶۳۔

۱۹. **عائشہ بن ابی بکر**: عقدالدرر فی اخبار المنتظر، مقدسی شافعی، باب ا، ص ۳۷؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۲، حدیث ۲۱۔

۲۰. **عباس بن عبدالمطلب**: فرائد السمطین، جوینی، حدیث ۵۷۹۔

۲۱. **عبدالرحمٰن بن عوف**: اربعون حدیث، ابونعیم، حدیث ۱۳؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۱۹، حدیث ۵۲؛ باب ۳ حدیث ۶۱؛ کشف الغمة فی معرفة الائمه، اربلی ج ۳، ص ۲۵۸؛ البرهان، متقی ہندی، باب ا، حدیث ۳۲۔

۲۲. **عبداللہ بن عباس**: المصنف صنعانی، حدیث ۲۰۷۷۵؛ سنن ابی داود، حدیث ۴۲۸۲؛ سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۲؛ سنن ترمذی، حدیث ۲۲۳۰؛ غیبت طوسی، ص ۱۸۷، حدیث ۱۴۶؛ فرائد السمطین، جوینی، حدیث ۵۸۸ و ۵۹۲۔

۲۳. **عبداللہ بن حارث الزبیدی**: سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۸؛ فرائد السمطین، جوینی، حدیث ۵۸۴؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۵، حدیث ۱۷؛ کنز العمال، متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۵۷۔

۲۴. **عبداللہ بن عمر**: اربعون حدیث، ابونعیم، حدیث ۱۶، ۷-۱۷ و ۱۹؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۱۷ و ۲۱۹؛ غیبت طوسی، ص ۱۳۰، حدیث ۹۴؛ ارشاد مفید، ج ۲، ص ۵۰۹، حدیث ۲۔

۲۵. **عبدالله بن عمرو بن عاص**: المصنف، صنعانی، حدیث ۲۰۷۷۸؛ المصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۷۶۳۲؛ غیبت طوسی، ص ۱۸۵، ۱۴۴؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان گنجی شافعی، باب ۱۴، حدیث ۴۵ و باب ۱۵، حدیث ۴۶؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۹، حدیث ۸۔

۲۶. **عبدالله بن مسعود**: المصنف، صنعانی، حدیث ۲۰۷۷۹؛ المعجم الکبیر، طبرانی، حدیث ۱۰۲۱۳-۱۰۲۳۰؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۳۷۶؛ جامع الاصول، ابن اثیر، حدیث ۷۸۱۰؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی.

۲۷. **عثمان بن عفان**: البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۲، حدیث ۲۵؛ کنز العمال، متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۳۳۔

۲۸. **علی ابن ابی طالب**: المصنف، صنعانی، حدیث ۲۰۷۷۶؛ المنصف، ابن ابی شیبہ، حدیث ۳۷۶۳۳؛ سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۵؛ سنن ابی داود، حدیث ۴۲۹۰، ۴۲۸۳؛ اصول کافی کلینی، ج ۱، ص ۳۳۷، حدیث ۷؛ غیبت طوسی ص ۱۳۶، حدیث ۱۰۰ و ۱۴۳؛ مسند احمد، ج ۱، ص ۸۴؛ فرائد السمطین، جوینی، ۵۸۳؛البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۱، حدیث ۴۔

۲۹. **علی الهلالی**: المعجم الکبیر، طبرانی، حدیث ۲۶۷۶؛ البیان فی اخبار صاحب الزمان، گنجی شافعی، باب ۱، حدیث ۱؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۲۶.

۳۰. **عمار یاسر**: غیبت طوسی، ص ۴۴۳، حدیث ۴۳۲؛ العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۲۸؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۴، حدیث ۳۶ و ۵۳۔

۳۱. **عوف بن مالک**: فرائد السمطین، جوینی، حدیث ۵۸۳؛ عقد الدرر فی اخبار المنتظر، سیوطی، باب ۳، ص ۶۱؛ البرهان فی علامات صاحب الزمان، متقی ہندی، باب ۴، حدیث ۲۔

۳۲. **قرة بن ایاس**: العرف الوردی فی اخبار المهدی، سیوطی، ص ۲۱۷؛ کنز العمال، متقی ہندی، حدیث ۳۸۶۶۹۔

۳۳. **ہلال (ابو علی)**: اربعون حدیث، ابونعیم، حدیث ۵؛ کشف الغمة فی معرفة الائمه، اربلی، ج ۳، ص ۲۵۶۔

مہدویت شیعہ سنی مشترکہ روایات میں

مولف: ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد
مترجم: خان محمد صادق جونپوری

امام مہدی(ع) کے بارے میں شیعہ اور سنی فرقوں میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان بہت سے مشترکہ عناصر بھی موجود ہیں۔ تقریب بین مذاہب اسلامی کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مشترکہ باتوں کو سامنے لانا ضروری ہے۔ یہ مشترکہ باتیں امام مہدی(ع) کا نسب، آنحضرت کی شکل و شمائل، علامات ظہور، اس زمانے کے حالات اور اس دور میں رونما ہونے والے واقعات کے سلسلے میں ہیں۔

حصہ اوّل: نسب اور شکل و شمائل

الف: امام مہدی(ع) کا رسول خدا کی ذریت سے ہونا: مہدی موعود، رسول خداؐ کی ذریت سے ہیں اور تمام حدیثیں مختلف الفاظ اور انداز میں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ اس تاکید کی وجہ بھی شاید معلوم ہے۔ یہ پیشین گوئی کی جارہی تھی کہ مستقبل میں بہت سے ایسے دعویدار پیدا ہونگیں جو مہدی(ع) کو اپنے خاندان سے منسوب کریں گے۔ اسی وجہ سے پہلے ہی بتادیا گیا کہ مہدی(ع)، رسولؐ کی ذریت سے ہونگیں۔ اتنی تاکید کے باوجود کچھ لوگوں نے امام مہدی(ع) کا تعلق دوسرے خاندانوں سے جوڑنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ کچھ حدیثیں ملاحظہ ہوں:

وَلَم یَبْقَ مِنَ الدهرِ الّا یومٌ لَبَعثَ اللهُ رجلاً من اهلِ بیتی یَملأُهَا عَدلاً کما مُلِئَت جوراً [۱]۔

ترجمہ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی ہوگا، تب بھی اللہ تعالی میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و داد سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہوگی۔

۱۔ ابن ابی شیبہ، الکتاب المصنف، حدیث ۳۷۶۳۷۔

ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

المهدیُ منّا اهلَ البیتِ... [۱] ۔ترجمہ: مہدی ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

ذخائر العقبی میں رسول خداؐ سے نقل ہوا ہے:

لَو لَم یَبقَ مِن الدنیا الّا یومٌ واحدٌ لَطَوّلَ اللهُ ذلکَ الیومَ حتی یَبعَثَ رجلاً من وُلدی اسمُه کاسمی [۲] ترجمہ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی ہوگا تو اللہ تعالی اسے طولانی بنادے گا تاکہ میرا ایک بیٹا ظہور کرے جو میرے ہمنام ہوگا۔

شیخ طوسی نے بھی رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

المهدی من عترتی [۳]۔ ترجمہ: مہدی میری عترت میں سے ہے۔

ب: **امام مہدیؑ کا پیغمبر اسلامؐ کے ہمنام ہونا:** امام مہدیؑ رسول خداؐ کے ہمنام ہیں۔ بہت سی احادیث میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیعہ و سنی دونوں فرقوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ ابوداود [۴]، ترمذی [۵]، صدوق [۶]، طبرانی [۷]، ابن کثیر [۸]، ابن اثیر [۹]، محقق اربلی [۱۰]، کنجی شافعی [۱۱]، سیوطی [۱۲]، متقی ہندی [۱۳] اور دیگر مؤلفین نے اس موضوع کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔

---

۱. ابن ماجہ، سنن حدیث ۴۰۸۵؛ ترمذی، سنن، حدیث ۲۲۳۰۔

۲. ابن بابویہ، الامامہ والتبصرہ، ص ۱۵۳؛ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۱۷۷؛ صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۷؛ خزاز قمی، کفایۃ الاثر، ص ۲۶۶؛ مفید، الارشاد، ج ۲، ص ۳۴۰؛ فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، ص ۲۶۱؛ ترمذی، سنن، حدیث ۲۳۳۲۔

۳. طوسی، غیبت، ص ۱۸۶، ص ۱۴۵؛ قاضی نعمان، شرح الاخبار، ج ۳، ص ۳۸۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۷۵، حدیث ۳۰؛ متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴، حدیث ۳۸۶۶۲۔

۴. ابوداود، سنن، حدیث ۴۲۷۶۔

۵. ترمذی، سنن، حدیث ۲۲۳۰۔

۶. صدوق، کمال الدین، ج ۱، ص ۲۸۶، باب ۲۵، حدیث ۱۔

۷. طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۲۱۷، ۱۰۲۱۵، ۱۰۲۱۹، ۱۰۲۲۰، ۱۰۲۲۱، ۱۰۲۲۳، ۱۰۲۲۵، ۱۰۲۲۶۔

۸. ابن کثیر، النہایہ، ص ۲۶۔

۹. ابن اثیر، جامع الاصول، حدیث ۷۸۱۰۔

۱۰. اربلی، کشف الغمہ، ج ۳، ص ۲۷۳۔

۱۱. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۱، حدیث ۲-۳۔

۱۲. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۷۰۔

۱۳. متقی ہندی، کنز العمال، حدیث ۳۸۶۵۵ و ۳۸۶۷۰۔

ج: **امام مہدیؑ اور رسول خداؐ کی کنیت کا ایک ہونا:** بعض روایتوں میں امام مہدیؑ اور رسول خداؐ کی کنیت کو ایک بتایا گیا ہے۔آنحضرت سے منقول ہے:

یَخرُجُ رجلٌ من وُلدی اسمه کاسمی و کُنیتهٗ ککنیتی[1]۔ ترجمہ: آخری زمانے میں میرا ایک فرزند ظاہر ہوگا جو میرا ہمنام اور ہم کنیت ہوگا۔

اسی طرح آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں:

لو لم یَبقَ من الدنیا الّا ساعةٌ واحدةٌ لَطوَّلَ اللّٰهُ تلك الساعة حتی یَخرُجَ رجلٌ من ذُریتی اسمُه کاسمی و کُنیته ککنیتی یَملا الارضَ قسطاً و عدلاً کما مُلئت ظلماً و جوراً [2]۔ترجمہ: اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی ہوگا تو خدا اسے طولانی بنادے گا تاکہ میرا ایک فرزند ظاہر ہو جو میرا ہمنام اور ہم کنیت ہے اور زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے جس طرح ظلم وستم سے بھر چکی ہے۔

د: **امام مہدیؑ کا حضرت علیؑ کی نسل سے ہونا:** شیعہ وسنی دونوں فرقے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ امام مہدیؑ حضرت علیؑ کی نسل سے ہیں۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

سیوطی نے طبرانی سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

سَیخرُجُ من صُلبِ هذا فتیً یَملا الارضَ قسطاً و عدلاً [3]۔ترجمہ: اس کی نسل سے ایک جوان ظہور کرے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

جوینی شافعی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"علی بن ابی طالبؑ میری امت کے امام اور ان کے درمیان میرے جانشین ہیں۔ ان کی اولاد میں قائم منتظر ہے جو زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر گئی ہوگی"[4]۔

شیخ طوسیؒ نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

---

۱. مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۲، ص ۵۶۔

۲. مفید، نکت الاعتقادیہ، ص ۴۴؛ ابن ابی جمہور، عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۹۱، حدیث ۱۲۵۔

۳. سیوطی، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ص ۲۱۹۔

۴. جوینی، فرائد السمطین، ج ۲، ص ۳۲۷، حدیث ۵۸۹۔

فعند ذلک خروجُ المھدی و ھو رجلٌ من وُلد ھذا و اشار بیدہ الی علی بن ابی طالب[۱]۔
ترجمہ: اور اس وقت مہدی ظہور کریں گے اور وہ اس کی اولاد میں سے ہے اور ہاتھ سے علی بن ابی طالب کی طرف اشارہ کیا...۔

صدوقؒ نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے:

"امیر المومنینؑ نہروان سے واپسی پر کوفہ میں خطبہ دے رہے تھے۔ اسی دوران یہ خبر ملی کہ معاویہ ان کی برائی کرتا ہے اور ان پر نفرین کرتا ہے اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔ حضرتؑ نے ایک خطبہ دیا یہاں تک کہ فرمایا: اس امت کا مہدی میری اولاد میں سے ہے"[۲]۔

ہ: **امام مہدیؑ کا جناب فاطمہؑ کی نسل سے ہونا:** اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں متقدم اور متاخر کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ ابن ماجہ نے ام سلمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول خداؐ سے سنا ہے:
المھدیُ من عترتی من وُلدِ فاطمۃَ[۳]۔ ترجمہ: مہدی میری خاندان سے اور فاطمہؑ کی اولاد سے ہے۔

ابی داود نے ام سلمہ[۴] سے اور نعیم بن حماد[۵]، حاکم[۶] اور متقی ہندی[۷] نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ شیعہ حدیثوں میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ کلینی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ جابر بن عبداللہ انصاری سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

"میں جناب فاطمہؑ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ کے سامنے ایک تختی تھی جس پر آپ کی ذریت سے پیغمبر اسلامؐ کے جانشینوں کا نام تحریر تھا۔ میں نے شمار کیا وہ بارہ لوگ تھے اور سب سے آخر میں قائم کا نام تھا"[۸]۔

شیخ طوسیؒ نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے:

---

۱. طوسی، کتاب الغیبۃ، ص ۱۸۵، حدیث ۱۴۴۔
۲. صدوق، معانی الاخبار، ص ۶۱۔
۳. ابن ماجہ، سنن، حدیث ۴۲۷۸۔
۴. ابی داود، سنن، حدیث ۴۰۸۶۔
۵. نعیم بن حماد، الفتن، ص ۳۷۵۔
۶. حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، ج ۴، ص ۵۵۷۔
۷. متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴، ص ۲۶۴، حدیث ۳۸۶۶۲۔
۸. کلینی، اصول کافی، ج ۱، ص ۵۳۲، حدیث ۹۔

المھدی رجل من ولد فاطمہ[۱]۔ ترجمہ: مہدی(ع) فاطمہ(س) کی اولاد میں سے ہے۔

و: **امام مہدی(ع) کا پیغمبر اسلامؐ سے مشابہ ہونا:** امام مہدی(ع) رسول خداؐ سے مشابہ ہیں۔ جس طرح موعود اسلام رسول خداؐ کے ہمنام ہیں اسی طرح شکل و شمائل اور خلق و خو میں بھی آپ سے مشابہ ہیں اور اس مشابہت میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کا آغاز رسول خداؐ سے ہوا اور اس کی تکمیل بھی آخری زمانے میں ایسے شخص کے ہاتھوں ہوگی جو ہر طرح سے رسول خداؐ سے مشابہ ہوگا۔

پیغمبر اسلامؐ ارشاد فرماتے ہیں:

القائمُ من وُلدی اسمه... و شمائلُه شمائلی... [۲]۔ ترجمہ: قائم میری اولاد میں سے ہے۔ اس کا نام میرے نام سے مشابہ ہے... اور اس کی شکل و شمائل مجھ سے مشابہ ہے۔

نیز رسول خداؐ سے منقول ہے:

المھدیُ من وُلدی... اشبہُ الناس بی خلقاً و خُلقاً... [۳]۔ ترجمہ: مہدی میرے فرزندوں میں ہے... اور مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے شکل و شمائل میں اور رفتار و کردار میں... ۔

ابن حبان نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

یَخرُجُ رجلٌ من اهل بیتی یُواطی اسمه اسمی و خلقُه خُلقی... [۴]۔ ترجمہ: میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جو میرے ہمنام ہوگا اور اس کا کردار مجھ سے مشابہ ہوگا۔

خطیب بغدادی نے پیغمبر اسلامؐ سے روایت کی ہے:

...لاتذھب الایامُ و اللیالی حتی یَسکنَھا رجلٌ من عترتی یشبه خَلقُه خَلقی و خُلقُه خُلقی یَملأُ الدنیا قسطاً و عدلاً... [۵]۔ ترجمہ: ... زمانہ ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ میری ذریت سے ایک شخص

---

۱. کلینی، اصول کافی، ج ۱، ص ۵۳۲، حدیث ۹۔
۲. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۴۱۵، حدیث ۶ و ص ۲۵۷، حدیث ۲۔
۳. ایضاً، ج ۱، ص ۲۸۶۔
۴. ابن حبان، صحیح، ج ۱۵، ص ۲۳۷، حدیث ۶۸۲۵۔
۵. خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۴۷۱، ش ۱۵۰۱۔

شخص ظاہر ہو گا جس کی شکل و شمائل اور رفتار و کردار مجھ سے مشابہ ہو گا اور وہ دنیا کو قسط و عدل سے بھر دے گا۔

ز: **نورانی چہرہ:** وہ نورانی چہرہ جسے ہم صرف اولیائے الٰہی میں دیکھ سکتے ہیں، اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ مہدی موعود(عج) میں جلوہ افروز ہو گا۔ جوینی نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

المهدیُّ من وُلدی... کانَّ وجهه کوکبٌ دُریٌّ...[1]۔ ترجمہ: مہدی میری اولاد میں سے ہے۔ ہے۔ اس کا چہرہ چمکتے تارے کی طرح ہو گا۔

کنجی شافعی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے[2]۔ محقق اربلی نے بھی اسی مضمون کو رسول خداؐ سے نقل نقل کیا ہے:

المهدیُّ من وُلدی... کانه کوکبٌ دُرّیٌّ...[3]۔ ترجمہ: مہدی میری اولاد میں سے ہے اور اس کا چہرہ چمکتے تارے کی طرح ہو گا۔

ح: **کشادہ پیشانی اور لمبی ناک:** حدیثوں میں امام مہدی کی کشادہ پیشانی اور لمبی ناک کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ صنعانی نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

ان المهدی اقنی اجلی[4]۔ ترجمہ: مہدی لمبی ناک اور کشادہ پیشانی والا ہے۔

اسی مضمون کو ابی داود نے اپنی سنن[5]، حاکم نیشاپوری نے مستدرک[6]، ابن اثیر نے جامع الاصول[7]، کنجی شافعی نے البیان فی اخبار صاحب الزمان[8] اور مناوی نے فیض القدیر[9] میں نقل کیا ہے۔

---

۱. جوینی، فرائد السمطین، ج ۲، حدیث ۵۶۵، ص ۳۱۴۔

۲. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۷، حدیث ۵۰ و مقدسی شافعی، عقد الدرر، ج ۱، ص ۳۸۔

۳. اربلی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، ج ۳، ص ۲۵۹، حدیث ۸؛ راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۳، ص ۱۱۰۴، حدیث ۲۴؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۲۷۳۔

۴. صنعانی، المصنف، حدیث ۲۰۷۷۳۔

۵. ابی داود، سنن، کتاب المهدی، حدیث ۴۲۸۵۔

۶. حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، حدیث ۸۵۵۷۔

۷. ابن اثیر، جامع الاصول، حدیث ۷۸۱۳۔

۸. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۸، حدیث ۳۱۔

۹. مناوی، فیض القدیر، حدیث ۹۲۴۴۔

شیعہ روایتوں میں بھی یہی مضمون نقل ہوا ہے۔ نعمانی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے امام حسینؑ کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ سَیُخرِجُ اللهُ من صُلبه رجلاً باسم نبیکم... و هو رجلٌ اَجَلی الجبین... اقنی الانفِ...[1]۔

ترجمہ: اللہ تعالی اس کی ذریت سے ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو پیغمبر کے ہمنام ہوگا... اس کی پیشانی کشادہ اور ناک لمبی ہوگی...

ط: گال پر خال: بعض حدیثوں میں صرف رخسار پر تل کا تذکرہ ہے اور دوسری حدیثوں میں داہنے گال پر خال کا تذکرہ ہے۔ شیخ صدوق نے ایک روایت نقل کی ہے:

بخدِّه الایمن خالٌ...[2]۔ ترجمہ: ان کے داہنے رخسار پر تل ہے...

نعمانی نے صرف رخسار پر تل ہونے کو نقل کیا ہے[3]۔ قطب راوندی نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ کے داہنے رخسار پر تل ہے[4]۔ جوینی نے امام مہدیؑ کی شکل و شمائل کے سلسلے میں رسول خداؐ سے اس حدیث کو نقل کیا:

...فی خده خالٌ اسودُ...[5]۔ ترجمہ: ان کے رخسار پر کالا تل ہے...

کنجی شافعی نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

... فی خده الایمن خالٌ اسودُ...[6]۔ ترجمہ: مہدی کے داہنے رخسار پر کالا تل ہے...

ی: سامنے کے دانتوں کے درمیان فاصلہ: امام مہدیؑ کی ایک اور خصوصیت جس کو مشترکہ طور پر شیعہ و سنی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے وہ آپ کے دانتوں کی وصف ہے۔ نعمانی نے امیرالمومنینؑ سے نقل کیا ہے:

هو (المهدی) رجلٌ... افلجُ الثنایا...[7]۔ ترجمہ: مہدی کے سامنے والے دانتوں کے درمیان

---

۱. نعمانی، غیبت، ص ۲۱۴، حدیث ۲؛ اربلی، کشف الغمة، ج ۳، ص ۲۵۹؛ طبری، دلائل الامامة، ص ۲۵۸؛ بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۴۰، حدیث ۳۹، ص ۱۳۱، حدیث ۲۵؛ ابو عمرو الدانی، سنن، ص ۹۴۔

۲. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۴۴۵، حدیث ۱۹؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۴، حدیث ۲۸۔

۳. نعمانی، غیبت، ص ۳۰۴، حدیث ۱۴۔

۴. راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۹۵۸۔

۵. جوینی، فرائد السمطین، ج ۲، حدیث ۵۶۵۔

۶. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۱۸، حدیث ۵۱۔

۷. نعمانی، غیبت، باب ۱۳، ص ۲۱۴، حدیث ۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۹، حدیث ۲۰۔

فاصلہ ہوگا۔

ابو نعیم نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

لَیَبعَثنَّ اللهُ من عترتی رجلاً افرقَ الثنایا...[۱]۔ ترجمہ: اللہ تعالی میری ذریت سے ایسے فرد کو بھیجے گا جس کے سامنے والے اوپری دانتوں کے درمیان فاصلہ ہوگا۔

ک: چالیس سال کی عمر میں ظہور: روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدیؑ ایسے سن میں ظہور فرمائیں گے جو جسمانی طور پر انسانی کمال کا سن ہے اور آپ ظاہری سن و سال کے اعتبار سے چالیس سال کی عمر میں ظاہر ہونگے۔ البتہ چالیس سال کے علاوہ بھی بتایا گیا ہے لیکن وہ بھی چالیس کے قریب ہے۔ جوینی نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

المهدیُّ من وُلدی ابنُ اربعین سنةً[۲]

ترجمہ: مہدی میرے فرزندوں میں سے ہیں چالیس سال کی عمر میں

گنجی شافعی نے بھی اسی حدیث کو نقل کیا ہے[۳]۔

قطب راوندی نے نقل کیا ہے:

علامتُه ان یَکونَ شیخَ السنِّ شابَّ المَنظِرِ حتی انّ الناظرَ الیه لَیَحسِبُه ابن اربعینَ سنةً او ما دونها[۴]۔ ترجمہ: ہمارے قائم کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ عمر کے لحاظ سے کہن سال لیکن چہرہ سے جوان ہوگا اور دیکھنے والا چالیس سال کا یا اس سے بھی کم سمجھے گا۔

حصہ دوم: ظہور کی کیفیت اور علامات

الف: ظہور کا حتمی ہونا: بہت سی حدیثوں میں اس بات پر تاکید کی گئی ہے کہ ظہور حتمی ہے۔ بعض حدیثوں میں بیان ہوا ہے کہ اگر دنیا کا صرف ایک روز بچا ہوگا تب بھی وہ موعود آئے گا[۵]۔ بعض حدیثوں میں بہت تاکید سے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا ختم نہ ہوگی جب تک مہدی موعودؑ ظاہر نہ ہو جائیں[۱]۔

---

۱. منقول از گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۱۹، ص ۸۳، ح ۵۲۔

۲. جوینی، فرائد السمطین، ج ۲، ص ۵۶۵۔

۳. گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۸، حدیث ۵۱۔

۴. راوندی، الخرائج و الجرائح، ج ۳، ص ۱۱۷۰؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۲۸۵، حدیث ۱۶؛ صدوق، کمال الدین، ج ۱، ص ۳۱۵، حدیث ۲۔

۵. ترمذی، صحیح، حدیث ۲۲۳۱؛ ابی داود، سنن، حدیث ۴۲۷۶۔

ترمذی نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

لاتذهبُ الدنيا حتى يَملكَ العرب رجلٌ من اهل بيتي يواطي اسمه اسمي[۲]۔ ترجمہ: یہ دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے میرا ہمنام ایک شخص عرب پر حاکم ہوگا۔

ترمذی نے اگلی حدیث میں بھی اسی مضمون کو نقل کیا ہے[۳]

ابن ابی شیبہ[۴]، ابی داود[۵]، احمد بن حنبل[۶]، ابن ماجہ[۷] اور طبرانی[۸] نے اسی مضمون کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اس مضمون کو شیعہ محدثین جیسے کلینی[۹]، طوسی[۱۰] اور طبری[۱۱] نے بھی نقل کیا ہے۔

ب: **محل ظہور**: امام زمانہ(عج) کے محل ظہور، آپ کے خاص اصحاب اور آنحضرت سے لوگوں کی بیعت کے بارے میں کثرت سے حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ ان روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ظہور مکہ سے ہوگا[۱۲] اور کافی حد تک اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ آپ کعبہ کے قریب ظہور کریں گے۔ رسول خداؐ سے منقول ہے:

فَياتيه عصاب العراقِ و اَبدالُ الشامِ فيُبايِعونه بينَ الركنِ و المقام...[۱۳]

ایک گروہ عراق سے اور کچھ بزرگ شام سے مہدی کے پاس آئیں گے اور رکن و مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے...

---

۱. ابن ابی شیبہ، الکتاب المصنف، حدیث ۱۹۴۸۷۔
۲. ترمذی، الجامع الصحیح، حدیث ۲۲۳۰۔
۳. ایضاً، حدیث ۲۲۳۱۔
۴. ابن ابی شیبہ، الکتاب المصنف، حدیث ۱۹۴۸۷۔
۵. ابی داود، سنن، حدیث ۴۲۸۲-۴۲۸۳۔
۶. احمد بن حنبل، مسند، ج۱، ص۳۷۶-۳۷۷۔
۷. ابن ماجہ، سنن، حدیث ۲۷۷۹۔
۸. طبرانی، المعجم الکبیر، حدیث ۲۱۳و۱۰۲۲۶-۱۰۲۲۷۔
۹. کلینی، اصول کافی، ج۱، ص۳۹۸، حدیث ۲۔
۱۰. طوسی، کتاب الغیبۃ، ص۱۸۵۔
۱۱. طبری، دلائل الامامۃ، ص۲۵۵ و ص۵۴۔
۱۲. ایضاً، ص۲۴۰، نعمانی، غیبت، ص۳۱۳، حدیث ۴ و ص۳۱۵، حدیث ۹؛ علی بن ابراہیم قمی، تفسیر القمی، ج۲، ص۱۲۹، عیاشی، تفسیر، ج۱، ص۶۷، حدیث ۱۱۷، مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۲، ص۵۶۔
۱۳. نعیم بن حماد، الفتن، حصہ چار، ص۲۴۲، حدیث ۹۵۰۔

علی بن ابراہیم قمی نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے:

گویا میں قائم کو دیکھ رہا ہوں کہ حجر الاسود پر تکیہ کئے ہوئے حق بیان کر رہے ہیں... [۱]

مقدسی شافعی نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

...یُبایعُ له الناسُ بینَ الرکنِ و المقامِ[۲]۔ ترجمہ: مہدی کی رکن و مقام کے درمیان بیعت کی جائے گی۔

ج: **ظہور سے قبل امام زمانہؑ کا مدینہ میں ظاہر ہونا:** جو کچھ بیان ہوا وہ امام کے رسمی ظہور کے سلسلے میں ہے۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے اس سے پہلے بھی آپ مدینہ میں غیر رسمی طور پر ظاہر ہوں گے پھر مکہ آئیں گے اور رسمی طور پر اپنے ظہور کا اعلان کریں گے۔ اہل سنت کی بعض معتبر کتابوں میں درج ہے:

... مدینہ کا ایک شخص مکہ آئے گا اور مکہ کے کچھ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہوں گے ... پھر رکن و مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے... [۳]

اس طرح کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسمی قیام سے قبل، آپ مدینہ میں سکونت پذیر ہوں گے اور کچھ لوگ آپ کو مہدیؑ کے نام سے جانتے بھی ہوں گے۔ پھر فتنہ سفیانی کے ظاہر ہونے کے بعد آپ مدینہ سے مکہ تشریف لے جائیں گے اور اپنے رسمی ظہور کا اعلان کریں گے۔

ان ساری حدیثوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان حدیثوں میں اصل موضوع پر ایک طرح کا اتفاق نظر پایا جاتا ہے لیکن بعض جزئی اختلافات بھی موجود ہیں، مثال کے طور پر محل ظہور اور قیام کے آغاز کے بارے میں بعض حدیثوں میں رکن و مقام[۴]، بعض میں حجر الاسود پر تکیہ دینا[۵]، بعض میں زمزم و مقام کے درمیان[۶]، بعض میں حجر الاسود اور در کعبہ کے درمیان[۷]، بعض میں مقام ابراہیم[۸]، بعض میں صرف

---

۱. علی بن ابراہیم قمی، تفسیر القمی، ج ۲، ص ۲۰۴۔
۲. مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۲، ص ۵۶۔
۳. احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۳۱۶؛ ابی داود، سنن، حدیث ۴۲۸۰؛ مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۴، ص ۱۰۳-۱۰۴۔
۴. نعیم بن حماد، الفتن، چوتھا حصہ، ص ۲۴۰، حدیث ۹۴۳ و ص ۲۴۲، حدیث ۹۵۰؛ نعمانی، غیبت، ص ۲۷۴، حدیث ۵۵۔
۵. نعمانی، غیبت، ص ۳۱۵، حدیث ۹؛ علی بن ابراہیم قمی، تفسیر قمی، ج ۲، ص ۲۰۴۔
۶. طبری، دلائل الامامہ، ص ۲۴۸۔
۷. راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۹۲۴۔
۸. طبری، دلائل الامامہ، ص ۲۴۸۔

صرف مسجد الحرام[1] اور بعض میں صرف مکہ[2] کا نام لیا گیا ہے۔ ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام زمانہ (ع) کا مکہ میں مسجد الحرام اور کعبہ کے قریب ظہور ہو گا۔

د: **امام ؑ کی مدد کے لئے فرشتوں کا ظاہر ہونا:** بے شک امام زمانہ (ع) کی کامیابی میں غیبی امداد کا بڑا اثر ہو گا جس کے بعد ساری پریشانی خود بخود ختم ہو جائیگی۔ فرشتوں کا نزول بھی غیبی امداد کا ایک نمونہ ہے۔ ہزاروں فرشتے امام کی مدد کے لئے نازل ہوں گے لیکن ان کی تعداد کے بارے میں متعدد روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ ابو نعیم نے علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے:

یَخرُجُ المهدیؑ یَمدُّه الله بثلاثة آلاف من الملائکةِ... [3]۔ ترجمہ: مہدی ؑ ظہور کریں گے اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا...

شیخ صدوق نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے:

کأنّی انظرُ الی القائم علی ظهرِ النجفِ... فاذا نَشَرَ رایةَ رسول الله اِنحطَّ الیه ثلاثة عشر الف مَلَکاً و ثلاثة عشر مَلَکاً کلهم یَنتَظِرِ القائمَ... [4]۔ ترجمہ: گویا میں قائم کو نجف کے سامنے دیکھ رہا رہا ہوں... رسول خداؐ کے علم کو لہراتے وقت ۱۳۰۱۳ فرشتے نازل ہوں گے اور سب مہدی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

امام (ع) کے اصحاب

امام (ع) کے اصحاب کسی خاص قوم سے متعلق نہیں ہیں بلکہ مختلف اقوام اور گروہوں اور پورے دنیا سے ہوں گے۔ وہ لوگ جو امام (ع) کی نصرت کے لئے آئیں گے وہ اقالیم الارض اور عجم، عرب، شام، مصر اور دوسرے ملکوں سے ہوں گے۔ پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے:

ایّها الناس... ولّاکم خیر امة محمد فالحقوا به بمکة فانه المهدی... فیخرج الابدال من الشام و اشباهم و یخرج الیه و النجباء من مصر و عصائب اهل الشرق و اشباههم حتی یاتوا مکة فیبایع له بین الرکن والمقام... [5]

---

۱. طبری، دلائل الامامہ، ص ۲۵۲۔

۲. کلینی، اصول کافی، ج ۱، ص ۲۳۱، ج ۳؛ نعمانی، غیبت، ص ۱۷۹، حدیث ۲۵؛ راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۶۹۰، حدیث ۱۔

۳. گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۱۹، ص ۸۴، حدیث ۵۳؛ مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب سوم، ص ۶۴۔

۴. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۷۱، حدیث ۲۲۔

۵. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ص ۹۸؛ مقدسی شافعی، عقد الدرر، ص ۱۲۰ و ۲۰۰؛ نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۴۲، حدیث ۹۵۰۔

ترجمہ: اے لوگوں امت پیغمبرؐ کا بہترین فرد تم پر حاکم ہوگا، پس مکہ میں اس سے ملحق ہو جاو...وہ مہدی(ع) ہے... شام کے بزرگ اور مصر کے نجباء اور مشرق سے کچھ گروہ مہدی(ع) کے پاس آئیں گے اور مکہ پہنچ کر رکن و مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے...

ام سلمہ نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا ہے:

...فیبایعونہ بین الرکن و المقام...فاذا رای الناس ذلک اتاہ ابدال الشام عصائب اھل العراق فیبایعونہ...[1]

ترجمہ: ...لوگ رکن و مقام کے درمیان مہدی(ع) کی بیعت کریں گے... اور جب لوگ یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے تو شام کے کچھ بزرگ اور عراق کے بعض گروہ آنحضرت کی بیعت کریں گے...

یہ مضمون شیعہ منابع میں بھی موجود ہے۔امام محمد باقرؑ نے کوفہ کے کچھ لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

انصارنا غیرکم مایقوم مع قائمنا من اھل الکوفۃ الا خمسون رجلاً و ما من بلدۃ الا و معہ منھم طائفۃ الا اھل البصرۃ فانہ لا یخرج معہ منھم انسان[2]

ترجمہ: ہمارے اصحاب تم لوگوں (اہل کوفہ) کے علاوہ ہیں۔ تم میں سے صرف پچاس لوگ ہمارے قائم کی مدد کو آئیں گے۔ بصرہ کے علاوہ کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں سے لوگ امام کی مدد کو نہ آئیں۔

غیبی امداد

روایات میں غیبی امداد کی مختلف صورتیں بیان ہوئی ہیں۔کبھی صرف اللہ تعالی کی نصرت، تو کبھی فرشتوں کے نزول کی بات کہی گئی ہے۔بعض روایتوں سے ہوا اور بادل کا امام(ع) کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔بعض روایتوں میں امام(ع) کے اصحاب کے غیر معمولی کارناموں کا ذکر ہے۔

انّ رسول اللہ ذکر بلاءً یلقاہ اھل بیتہ حتّی یبعث اللہ رایۃ من الشرق سوداء- من نصرھا نصرہ اللہ، و من خذلھا خذلہ اللہ حتّی یاتوا رجلاً اسمہ کاسمی فیولیہ امرھم فیؤیدہ اللہ و ینصرہ[3]۔

ترجمہ: اپنے اہل بیت کو پیش آنے والی سختیوں اور مشکلات کو یاد کر کے رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہ سختی

---

۱. ابی داود، سنن، حدیث ۴۲۸۶ و ۴۲۸۷؛ صنعانی، المصنف، ج۱۱، ص ۲۰۷۶۹، طبرانی، المعجم الکبیر، ج ۲۳، ص ۳۹۵، حدیث ۶۵۶، مقدس شافعی، عقد الدرر، ص ۱۰۳ و ۱۰۵۔

۲. نعمان بن محمد، شرح اخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار، ج ۳، ص ۳۶۶۔

۳. نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۱۵، حدیث ۸۶۰۔

تب تک رہے گی جب تک ایک سیاہ پرچم مشرق سے ظاہر نہ ہو جائے، جو اس کی مدد کو دوڑے گا اللہ تعالی اس کی مدد کرے گا، اور جو اس کو ذلیل و خوار کرے گا اللہ تعالی اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ وہ لوگ ایسے شخص سے ملیں گے جو میرا ہمنام ہو گا اور ان پر حکومت کرے گا اور اللہ تعالی اس کی مدد فرمائے گا۔

امیر المومنینؑ سے منقول ہے:

المهدیّ... یخرج برایة النبی... یمده الله بثلاثة آلاف من الملائکة ...[1]۔

ترجمہ: حضرت مہدی(ع) رسول خداؐ کے پرچم کے ساتھ ظاہر ہونگیں اور اللہ تعالی تین ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کرے گا۔

حضرت علیؑ نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

....فنودیت یا محمد هولاء اوصیائی و احبائی... و لاطهّرنّ الارض بآخرهم من اعدائی... و لاسخّرنّ له الریاح و لاذلّلنّ له السحاب... و لانصرنّه بجندی لامدّنّه بملائکتی...[2]۔

ترجمہ: مجھ سے خطاب ہوا اے محمد! یہ لوگ (بارہ امام) میرے وصی اور دوست ہیں... ان میں سے آخری کے ذریعہ میں زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا... ہوا اور بادل کو اس کے قبضہ میں دوں گا ... اپنے لشکر سے اس کی مدد کروں گا اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ اس کی امداد کروں گا۔

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

... ویبعث (القائم) جُنداً الی القسطنطنیة فاذا بلغوا الخلیج کتبوا علی اقدامهم شیئاً ومشوا علی الماء ...[3]۔

ترجمہ: امام مہدی(ع) قسطنطنیہ کی طرف ایک لشکر روانہ کریں گے، جب وہ دریا کے قریب پہونچیں گے تو اپنے پیروں پر کچھ لکھ کر پانی پر چلنے لگیں گے...

ان حدیثوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام مہدی(ع) اور ان کے اصحاب پر اللہ تعالی اپنی خاص امداد نازل کرے گا جس کے ذریعہ آپ پوری دنیا کی طاقتوں پر فتح پائیں گے۔

---

۱. نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۵۹، حدیث ۱۰۱۴، مقدس شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۶۴، کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، ص ۸۴، حدیث ۵۳۔

۲. صدوق، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۶۲، حدیث ۲۲، صدوق، علل الشرائع، ج ۱، ص ۵، حدیث ۱۔

۳. ایضاً۔

آپ کے اصحاب کی تعداد

امام(ع) کے اصحاب کی تعداد جنگ بدر میں رسول خدا کے اصحاب کی تعداد کے برابر یعنی ۳۱۳ ہے اور یہ مضمون شیعہ و سنی حدیثوں میں نقل ہوا ہے۔ام سلمہ سے منقول ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

يُبايع لرجل بين الركن والمقام عدة اهل بدر فياتيه عصائب اهل العراق وابدال اهل الشام[1]

ترجمہ: رکن و مقام کے درمیان ایک شخص سے بیعت کی جائے گی۔بیعت کرنے والوں کی تعداد جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے برابر ہے۔پھر عراق کے کچھ گروہ اور شام کے بزرگ اس کے پاس آئیں گے... ۔

اس حدیث میں ظہور کے وقت امام(ع) کے اصحاب کی تعداد جنگ بدر کے مجاہدین کی تعداد کے برابر یعنی ۳۱۳ بتائی گئی ہے۔اہل سنت کی بعض دوسری حدیثوں میں بھی اسی طریقے سے امام کے اصحاب کی تعداد بتائی گئی ہے[2]۔امیر المومنینؑ سے منقول ہے:

...فيجمع الله عزوجل اصحابه على عدد اصحاب بدرو على عدد اصحاب طالوت ثلاث مائة عشر رجلاً... [3]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جنگ بدر کے مجاہدین اور اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر ۳۱۳ افراد کو جمع کرے گا۔

امام باقرؑ سے منقول ہے:

اصحاب القائم ثلاث مائة و ثلاثة عشر رجلاً [4]۔ ترجمہ: قائم کے اصحاب ۳۱۳ لوگ ہیں۔

دوسری حدیث میں مسجد مکہ کو ان لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بتائی گئی ہے۔

امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

سياتى فى مسجدكم ثلاث مائة و ثلاثة عشر رجلاً يعنى مسجد مكة...[5]

ترجمہ: تمہاری مسجد (مکہ) میں ۳۱۳ لوگ جمع ہوں گے...

---

۱. سیوطی، الحاوی، للفتاوی، ج ۲، ص ۷۳۔

۲. مقدسی شافعی، عقد الدرر، حدیث ۹۱، ۱۶۶و۱۷۵، نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۳۹، حدیث ۹۳۹۔

۳. مقدسی شافعی، عقد الدرر، ص ۱۳۲، نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۴۱، حدیث ۱۴۸، سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۹۱۔

۴. نعمانی، غیبت، ص ۳۱۳، حدیث ۴و۵و۶۔

۵. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۷۱، حدیث ۱۹۔

البتہ دوسری روایتوں میں امام(ع) کے اصحاب کی تعداد دس ہزار[1] یا پندرہ ہزار[2] بتائی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیثیں ایک دوسرے سے متعارض ہیں بلکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ۳۱۳ لوگ وہ لوگ ہیں جو امام(ع) کے ظہور کے منتظر تھے اور جن کے جمع ہونے سے تحریک کا آغاز ہوگا۔ پھر ظہور کی خبر پھیلنے سے دس یا پندرہ ہزار لوگ اور جمع ہوں گے جو اس تحریک کے بنیادی افراد ہوں گے۔ ان کے جمع ہونے کے بعد حجاز سے دشمنوں کے خاتمہ کا سلسلہ شروع ہوگا اور پوری دنیا سے لوگ اس تحریک سے جڑیں گے۔

امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

...و قد وافاه ثلاث مائة و بضعة عشر رجلاً فيبايعون و يقيم بمكة حتى يتمّ اصحابه عشرة آلاف نفس ثم يسير منها المدينة[3]

ترجمہ: ۳۱۳ لوگ آپ کی بیعت کریں گے اور آپ دس ہزار کی تعداد مکمل ہونے تک مکہ میں رہیں گے پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے۔

امام صادقؑ نے ایک شخص کے جواب میں جو سمجھتا تھا کہ امام مہدی(ع) اپنے تھوڑے سے اصحاب کے ساتھ قیام کریں گے فرمایا: مہدی(ع) کا ظہور کچھ شرائط کے فراہم ہونے سے وابستہ ہے۔

عن ابی بصير قال سال رجل من اهل الكوفة اباعبدالله كم يخرج مع القائم. فانهم يقولون انه يخرج معه مثل عدد اهل بدر ثلاث مائة و ثلاثة عشر رجلاً.قال و ما يخرج الا فى اولى القوة وما يكون اولو القوة اقلّ من عشرين آلاف[4]۔

ترجمہ: کوفہ کے کسی شخص نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا: قائم کے اصحاب کی تعداد کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں جنگ بدر کے مجاہدین کی تعداد کے برابر یعنی ۳۱۳ سے زیادہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا مہدی(ع) طاقتور افراد کے ہمراہی کے بغیر قیام نہ کریں گے اور ان کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ ہوگی۔

---

۱. عیاشی، تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۱۳۴، حدیث ۴۴۴۔
۲. ابن طاوس، الملاحم و الفتن، ص ۱۳۸، حدیث ۱۵۸۔
۳. مفید، الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، ج۱۱، ص ۳۸۳ ۔
۴. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۵۴۔

روایتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱۳ کی یہ تعداد امام کے کمانڈروں اور وزیروں کی تعداد ہے جن کو حکومت اور لوگوں کی ہدایت کے لئے دور دراز علاقوں میں بھیجا جائے گا۔

امام صادقؑ سے منقول ہے:

کانی انظر الی القائم علی منبر الکوفة و حوله اصحابه ثلاث مائة و ثلاثة عشر رجلاً عدة اھل بدر و ھم اصحاب الالویه و ھم حکام اللہ فی ارضه...[1]

ترجمہ: گویا میں قائم کو منبر کوفہ پر دیکھ رہا ہوں جن کے ارد گرد ان کے ۳۱۳ صحابی موجود ہیں۔ وہ لوگ لشکر کے پرچمدار اور زمین پر اللہ کے کار گزار ہیں۔

امام(ع) کے اصحاب کی طاقت

امام مہدی(ع) کے ساتھی دلیر، بہادر اور شیر دل ہوں گے جو دشمن کی کثرت سے خوف نہیں کھائیں گے۔ ان کی قوت ارادی اور بہادری ان کو میدان جنگ تک لے آئے گی۔ محمد بن حنفیہؒ کہتے ہیں ایک شخص نے حضرت علیؑ سے امام مہدی(ع) کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

...فیجمع اللہ تعالی له قوماً قزعاً کقزع السحاب یولف اللہ بین قلوبھم فلا یستوحشون الی احد و لا یفرحون باحدٍ دخل فیھم...[2]

ترجمہ: اللہ تعالی ایک گروہ کو اس کے لئے جمع کرے گا جس طرح بادل کے ٹکڑے جمع ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دے گا۔ ان کو کسی چیز کا خوف نہ ہوگا اور اپنے گروہ میں اضافہ سے وہ خوشحال نہ ہوں گے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

کانی انظر الیھم مصعدین من نجف الکوفة ثلاث مائة و بضعة عشر رجلاً کانّ قلوبھم زبر الحدید... یسیر الرعب امامه شھراً و خلفه شھراً[3] -

---

۱. ایضاً، ص ۶۷۳۔

۲. مقدسی، شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۹۱۔

۳. مجلسی، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۴۲ ۔

ترجمہ: گویا میں دیکھ رہا ہوں تین سو اور کچھ لوگ کوفہ کی بلندیوں پر کھڑے ہیں۔ ان کے دل لوہے کے ہیں اور ان کے سامنے اور پشت سے ان کے دشمنوں کے دلوں پر خوف طاری ہو گا۔

امام سجادؑ سے منقول ہے:

اذا قام القائم اذهب الله عن كل مومن العاهة و رد اليه قوته[۱]۔

ترجمہ: جب قائم قیام کرے گا تو اللہ تعالی بیماری کو مومنوں سے دور کر دے گا اور ان کو طاقت و قوت عطا کرے گا۔

نیز آپ نے فرمایا:

اذا قام قائمنا اذهب الله عز وجل من شيعتنا العاهة وجعل قلوبهم كزبر الحديد وجعل قوة الرجل منهم قوة اربعين رجلاً[۲]۔

ترجمہ: جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو اللہ تعالی ہمارے شیعوں سے بیماریوں کو دور کر دے گا اور ان کے دلوں کو لوہے کے ٹکڑے کی طرح مضبوط بنادے گا اور ہر ایک کو چالیس لوگوں کی طاقت عطا کرے گا۔

عیاشی نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے:

انّ الملائكة الذين نَصروا محمدا يومَ بدر في الارض ما صَعدوا بعد و لا يصعدون حتّى ينصروا صاحب هذا الامر وهم خمسةُ آلاف[۳]۔

ترجمہ: جنگ بدر میں نبیؐ کی مدد کرنے والے فرشتے اب بھی زمین پر ہیں اور وہ آسمان پر نہ جائیں گے جب تک صاحب الامر (ع) کی مدد نہ کرلیں اور ان کی تعداد پانچ ہزار ہے۔

بعض حدیثوں میں جبرئیل کا نام بھی لیا گیا ہے۔ امام صادقؑ سے منقول ہے:

كانى انظرُ الى القائمِ على نجف الكوفة... معه راية رسولِ الله ياتيه بها جبرئيل...[۴]۔

ترجمہ: گویا میں کوفہ کی بلندیوں پر قائم (ع) کو دیکھ رہا ہوں جن کے ساتھ رسول خداؐ کا علم ہے اور جبرئیل اسے ان کے لئے لائیں گے۔

---

۱. نعمانی، غیبت، ص ۳۱۷، حدیث ۲۔
۲. نعمانی، غیبت، ص ۳۱۰، حدیث ۵۔
۳. عیاشی، تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۹۷، حدیث ۱۳۸۔
۴. نعمانی، غیبت، ص ۳۰۹، حدیث ۴؛ طبری، دلائل الامامۃ، ص ۲۵۲۔

ہ: **ظہور کے وقت کے سماجی حالات:** ظہور سے قبل معاشرہ میں پیش آنے والی تبدلیاں اور بدلاو کو حدیثوں میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں ہمارا مقصد ان حالات کا مکمل طور پر جائزہ لینا نہیں ہے بلکہ ہم صرف ان احادیث کی مشترکہ باتیں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں:

ابن ابی شیبہ نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا ہے:

یخرُجُ رَجُل من اهل بیتی عند انقطاع من الزمان... [۱]۔

ترجمہ: میری ذریت سے ایک شخص اس وقت ظہور کرے گا جب لوگوں میں مایوسی اور ناامیدی ہوگی۔

اسی حدیث کو ہیثمی [۲] اور کنجی شافعی [۳] نے بھی نقل کیا ہے۔

داود ابن کثیر الرقی کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: یہ موضوع (ظہور) ہمارے لئے طولانی ہوگیا یہاں تک کہ ہمارے سینے تنگ ہوگئے...

امامؑ نے فرمایا:

ان هذا الامر آیس مایکون منه... ینادی مناد من السماء باسم القائم... [۴]۔

ترجمہ: جب ہمارے فرج سے ناامیدی حد سے بڑھ جائے گی تو منادی آسمان سے ہمارے قائم کو پکارے گا۔

پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"اے علی! مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب شہروں کی حالت دگرگوں ہوجائے گی، اللہ کے بندے کمزور اور ظہور مہدی سے مایوس ہوجائیں گے، اس وقت مہدی کا ظہور ہوگا جو میرے فرزندوں میں سے ہے" [۵]۔

ابو حمزہ ثمالیؒ نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے:

...فخروجه اذا خَرج عند الیاسِ والقنوطِ من ان یَروا فرجاً... [۶]

ترجمہ: فرج سے ناامیدی کے بعد مہدی کا ظہور ہوگا۔

---

۱. ابن ابی شیبہ، الکتاب المصنف، ج ۷، ص ۱۴۱۶، حدیث ۵۱۲۔

۲. ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۷، ص ۶۱۱، حدیث ۱۲۳۹۴۔

۳. کنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، باب ۱۰، ص ۶۳، حدیث ۴۸۔

۴. نعمانی، غیبت، ص ۱۶۸، حدیث ۲۹۔

۵. قندوزی، ینابیع المودۃ، ص ۵۲۸۔

۶. نعمانی، غیبت، ص ۲۵۴، ص ۵۲۸۔

صنعانی نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا ہے:

بلاءیصیب ھذہ الامۃ حتی لایجد الرجل ملجاً یلجأ الیہ من الظلم فیبعث اللہ رجلا من عترتی اہل بیتی...[۱]

ترجمہ: یہ امت ایسی بلاء میں ہو گی جس سے بچنے کے لئے کوئی پناہ گاہ نہ ہو گی اور پھر اللہ تعالیٰ میرے خاندان سے کسی فرد کو بھیجے گا۔

ظہور سے قبل کی ایک اور علامت، ظلم وستم کا بڑھ جانا ہے۔ یہ بات اتنی مشہور ہے کہ شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو جس میں اس بات کا تذکرہ نہ ہو۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

لتملان الارض ظلماً وجورا۔ ۔ ۔ثم لتملان بعد ذلک قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً[۲]

ترجمہ: زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی اور پھر زمین عدل وداد سے بھر جائے گی جس طرح ظلم سے بھر گئی تھی۔

حصہ سوم: علائم ظہور

دینی منابع میں بہت سارے طبعی اور غیر طبعی واقعات اور سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کو علائم ظہور کے عنوان سے جانا گیا ہے۔ ماضی کے بہت سے شیعہ محدثین جیسے شیخ کلینی، نعمانی، شیخ مفید، شیخ طوسی اور بعض متاخر محدثین اور معاصر علماء نے تفصیل کے ساتھ علائم ظہور کے سلسلے میں گفتگو کی ہے[۳]۔ بہت سے سنی علما جیسے ابن حماد، مقدسی شافعی، ابن حجر ہیتمی، حسام الدین ہندی اور سیوطی نے امام مہدی(عج) کے علائم ظہور کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ان علامتوں کی درستگی اور اعتبار برابر نہیں ہے۔ بعض علامتیں صرف علائم ظہور ہیں اور بعض دوسری ظہور اور قیامت کے برپا ہونے کی علامت ہیں۔ بعض کلی علائم ہیں اور بعض جزئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ ظہور کی کتنی علامتیں ہیں لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کی حدیثوں کی کثرت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی(عج) کے ظہور سے قبل اور اس کے ساتھ ایسے واقعات رونما ہوں گے جن کی پہچان اور شناخت سے جھوٹے دعویداروں کو پہچانا جاسکتا ہے۔

---

۱. صنعانی، المصنف، حدیث ۲۰۷۷۰۔

۲. المصنف، ۲۰۷۶۷۔

۳. علائم ظہور کے موضوع پر بہت ساری کتابیں تحریر کی گئی ہیں اور شاید سب سے تفصیلی کتاب سید حسن میر جہانی کی کتاب" نوائب الدھور فی علائم الظھور ہے جو دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

ظہور کی علامتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: حتمی اور غیر حتمی۔ حتمی علامتوں سے مراد وہ علامتیں ہیں جن کا بغیر کسی قید و شرط کے رونما ہونا لازمی ہے یعنی جب تک یہ علامتیں ظاہر نہ ہوں گی امام مہدی(ع) کا ظہور نہیں ہوگا۔ان علائم کے رونما ہونے سے قبل اگر کوئی شخص ظہور کا دعوی کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

غیر حتمی علامتوں سے مراد ایسی علامتیں ہیں جو کسی دوسرے امر سے وابستہ ہیں جن کے رونما ہونے سے یہ علائم ظاہر ہوں گے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہاجاسکتا ہے کہ غیر حتمی علامتیں ظاہر ہوں یانہ ہوں، امام زمانہ(ع) کا ظہور ہوسکتاہے۔حمران بن اعین نے امام باقرؑ سے سورہ انعام کی اس آیت ثُمَّ قَضٰی اَجَلاً وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِندَہُ کی تفسیر دریافت کی:

امامؑ نے فرمایا:

"اجل دو طرح کی ہے۔ محتوم اور موقوف۔ حماد نے دریافت کیا محتوم کیا ہے ؟فرمایا: وہ اجل جس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ حماد نے پھر دریافت کیا: موقوف کیا ہے؟۔فرمایا: وہ اجل جس میں پروردگار کی مشیت ہے۔ حمران نے کہا مجھے امید ہے سفیانی دوسرے قسم سے ہو۔ امامؑ نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم وہ حتمی ہے"[۱]۔

ہم یہاں پر ان علائم پر بحث کریں گے جنھیں شیعہ و سنی دونوں فرقوں نے روایت کی ہے:

الف: ندائے آسمانی: اس سے مراد وہ آواز ہے جسے ظہور کے وقت سبھی لوگ آسمان سے سنیں گے۔روایتوں میں اسے مختلف تعبیروں سے بیان کیا گیا ہے لیکن ان سب کا مطلب یہی ہے کہ ایسی آواز جو امام مہدی(ع) کے ظہور کی خبر کو دنیاوالوں تک پہنچائے گی۔اس سلسلے میں کثرت سے روایات وارد ہوئی ہیں۔ زیادہ تر شیعہ احادیث اسے ظہور کے حتمی علائم میں سے مانتی ہیں۔ نعمانی نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے:

النداء من المحتوم...[۲] ترجمہ: ندائے آسمانی حتمی علامتوں میں سے ہے۔

بعض دوسری روایتوں میں اس ندائے آسمانی کا مضمون بھی بتایا گیا ہے۔یہ مضامین اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس ندائے آسمانی میں یہ سارے مضامین شامل ہوسکتے ہیں۔ نعیم بن حماد نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

---

۱. نعمانی، غیبت، ص۳۰۱، حدیث ۵۔

۲. ایضاً، حدیث ۱۱۔

فی المحرّم یُنادی مناد من السماء الا انّ صفوۃ اللہ من خَلقہ فلانٌ فاستمعوا لہ و اطعیوہ... [۱]۔

ترجمہ: ماہ محرم میں آسمان سے ایک ندا آئے گی کہ اللہ تعالی کا برگزیدہ بندہ فلاں ہے، اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

ابن المنادی نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے:

"اور جب ندا دینے والا آسمان سے ندا دے گا کہ حق، آل محمدؐ میں ہے اسی وقت مہدی(ع) کا ظہور ہوگا" [۲]۔

نعمانی نے اس ندائے آسمانی کے بارے میں امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے:

"...اور جب منادی مہدی(ع) کے نام سے ندا کرے گا تو مشرق و مغرب کے تمام باشندے اس آواز کو سنیں گے اور ہر سویا ہوا آدمی بیدار ہو جائے گا اور کھڑا ہوا انسان بیٹھ جائے گا اور کوئی بیٹھا ہوا شخص نہ ہو گا جو اس آواز کے خوف سے کھڑا نہ ہو جائے..." [۳]۔

نعمانی اسی حدیث میں بتاتے ہے کہ یہ ندا روز جمعہ کو دی جائے گی اور آگے کہتے ہیں:

...یُنادی باسمِ القائم و اسمِ ابیہ... [۴]۔

ترجمہ: یہ ندا مہدی(ع) اور ان کے والد کے نام سے دی جائے گی۔

شیخ طوسی نے اس ندا کے سلسلے میں اس طرح روایت کی ہے:

یُنادی مناد من السماءِ اول النہار یَسمعہ کلُّ قوم بالسنتہم الا ان الحق فی علی و شیعتہ [۵]۔

ترجمہ: منادی دن کے پہلے پہر میں آسمان سے ندا دے گا جس کو ہر طائفہ اور گروہ اپنی زبان میں سنے گا اور وہ ندا یہ ہے: آگاہ ہو جاؤ علیؑ اور اس کی پیروی کرنے والے حق کے ساتھ ہیں۔

ان احادیث میں اگرچہ بعض موارد میں اختلاف ہیں لیکن مجموعی طور پر ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے:

۱. یہ ندا ظہور کی حتمی علامتوں میں سے ایک ہے اور بعض روایتوں میں اس کی طرف اشارہ بھی ہوا ہے۔

---

۱. نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۳۶، حدیث ۹۳۱، مقدسی شافعی، عقدالدرر، باب ۴، فصل ۳، ص ۱۴۱۔

۲. ابن المنادی، الملاحم، ص ۱۹۶، حدیث ۱۴۳۔

۳. نعمانی، غیبت، ص ۲۵۳، حدیث ۱۳ و ص ۲۵۷، حدیث ۱۴۔

۴. ایضاً، ص ۲۵۷، حدیث ۱۵۔

۵. طوسی، کتاب الغیبۃ، ص ۴۳۵۔

۲. اس ندا کے ذریعہ لوگوں کو حق اور مہدی(ع) کی حمایت کی دعوت دی جائے گی۔

۳. یہ ندا آسمان سے آئے گی اور مشرق و مغرب میں سبھی لوگ اسے سنیں گے۔

ب: **سفیانی کا خروج:** امام مہدی(ع) کے ظہور کی ایک اہم نشانی سفیانی کا خروج ہے جس کے سلسلے بہت ساری روایتیں دستیاب ہیں۔ سفیانی شام کے علاقے سے خروج کرے گا اور مکر وفریب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اپنے پاس جمع کر کے شام و فلسطین سمیت بہت سارے اسلامی علاقوں پر قبضہ کر لے گا۔ امام زمانہ(ع) کے ظہور کی خبر ملتے ہی وہ ایک بڑی فوج کو آپ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کرے گا اور بیداء کے علاقہ میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، امام(ع) کی فوج سے جنگ کرے گا۔ اللہ تعالی کے حکم سے اس کے سارے سپاہی سوائے چند لوگوں کے زمین میں دھنس جائیں گے[1]۔

بعض شیعہ حدیثوں میں سفیانی کے خروج کے حتمی ہونے پر تاکید کی گئی ہے[2]۔ اہل سنت کی حدیثوں میں بھی اس امر کی طرف مختلف انداز میں اشارہ ملتا ہے بلکہ ان کی بعض روایتوں میں سفیانی کا نام لئے بنا اس کے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

... فیُبعثُ الیه بعثٌ فاذا کانوا ببیداءَ من الارضِ خَسَفَ بهم[3]۔ ترجمہ: ...ایک گروہ حملہ کرے گا اور مکہ ومدینہ کے درمیان بیداء کے علاقے میں زمین میں دھنس جائے گا۔

بعض روایتوں میں سفیانی کے نام کی تصریح کی گئی ہے اور اس سے متعلق بعض واقعات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے لیکن اسے امام زمانہ(ع) کے ظہور کی علامتوں میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ بعض دوسری روایتوں میں اسے امام(ع) کے ظہور کی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔

علامةُ خروجِ المهدیّ خَسفٌ یکونُ بالبیداءِ بجیشٍ فهو علامةُ خروجِهِ[4]۔

ترجمہ: اور جب بیداء میں ایک لشکر زمین میں دھنس جائے تو یہ مہدی(ع) کے ظہور کی علامت ہے۔

---

۱. متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴، حدیث ۳۸۶۹۷-۳۸۶۹۸، مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۴، دوسری فصل۔

۲. نعمانی، الغیبۃ، ص ۲۵۷، حدیث ۱۵ و ص ۲۶۴، حدیث ۲۶؛ صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۵۰، حدیث ۵، طوسی؛ کتاب الغیبہ، ص ۴۳۵۔

۳. مسلم نیشاپوری، صحیح، ج ۴، حدیث ۲۸۸۲ و ۲۸۸۴؛ احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۲۹۰، ۳۲۶ و ۳۳۶۔

۴. نعیم بن حماد، الفتن، باب ۴۱، حدیث ۸۸۷؛ متقی ہندی، کنز العمال، ج ۱۴، حدیث ۳۹۶۶۹۔

اہل سنت کے روائی منابع میں اس طرح کی روایتیں کثرت سے موجود ہیں لیکن اس کے باوجود بڑے تعجب کی بات ہے کہ مہدویت کے موضوع پر تحقیق کرنے والی ایک اہم شخصیت، علائم ظہور کے سلسلے میں رقمطراز ہے:

"سفیانی کے سلسلے میں صرف شیعہ کتابوں میں کچھ روایتیں نقل ہوئی ہیں اور اہل سنت کے منابع میں کوئی روایت موجود نہیں ہے"[1]۔

اے کاش انہوں نے اہل سنت کی بعض کتابوں کے صرف ابواب کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو اس طرح سے اظہار نظر نہ کرتے۔ کتاب عقد الدرر فی اخبار المنتظر کی چوتھی فصل میں "فی الخسف بالبیداء و حدیثِ السفیانی" کے عنوان سے ایک باب موجود ہے جس میں مختلف منابع سے دسیوں روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ آیت اللہ صافی گلپایگانی اپنی کتاب منتخب الاثر کے چھٹے باب میں سفیانی کے خروج کا ذکر کرتے ہوئے کئی روایتیں نقل کی ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شیعہ منابع میں سفیانی کے خروج کے سلسلے میں کئی روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

...لا واللهِ انه لمِنَ المحتومِ...[2] ترجمہ: خدا کی قسم! سفیانی کا ظہور ایک حتمی علامت ہے۔

اسی طرح امام صادقؑ سے منقول ہے:

انَّ امرَ السفیانی من الامر المحتوم...[3] ترجمہ: سفیانی کا خروج ایک حتمی نشانی ہے۔

ان ہی حضرت سے منقول ہے:

مہدی (عج) کے ظہور سے قبل پانچ علامتیں ظاہر ہوں گی جن میں سے ایک سفیانی کا خروج ہے[4]۔

اس سلسلے میں نقل ہونے والی حدیثیں اتنی زیادہ ہیں کہ کچھ لوگوں نے ان کے متواتر ہونے کا دعوی کیا ہے۔ بیداء کے علاقہ میں سفیانی کے زمین میں دھنس جانے کے حوالے سے شیعہ و سنی دونوں فرقوں میں روایتیں

---

۱. صدر، تاریخ الغیبۃ الکبری، ص ۵۱۷۔
۲. نعمانی، الغیبۃ، ص ۳۰۱، حدیث ۵۔
۳. صدوق، کمال الدین، ج ۲ ص ۶۵۰، حدیث ۵۔
۴. ایضاً، حدیث ۷؛ طوسی، غیبت، ص ۴۳۵۔

نقل ہوئی ہیں۔ صنعانی[1]، نعیم بن حماد[2]، مسلم[3]، ابن ماجہ[4]، مقدسی شافعی[5] اور متقی ہندی[6] نے اپنی کتابوں میں کثرت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

شیعہ محدثین میں علی بن ابراہیم قمی[7]، عیاشی[8]، کلینی[9]، نعمانی[10]، صدوق[11] اور شیخ طوسی[12] نے اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے۔ آیت اللہ صافی گلپائیگانی اس علامت اور اس سے متعلق روایات کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"یہ روایتیں تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں"[13]۔

بعض روایتوں میں اس کے حتمی ہونے پر تاکید کی گئی ہے۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے:

...و خَسفُ البیداء من المحتوم...[14] ترجمہ: بیداء میں خسف ایک حتمی علامت ہے۔

د: **خراسان سے سیاہ پرچموں کا ظاہر ہونا:** یہ واقعہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں علائم ظہور میں شمار کیا گیا ہے۔ خراسان سے سیاہ پرچموں کا ظاہر ہونا، ایک عظیم انقلاب کی علامت ہے اور اس میں موجود افراد امام مہدی(ع) کے حامیوں میں شمار ہوں گے۔ احمد بن حنبل نے رسول خدا سے نقل کیا ہے:

اذا رایتم الراياتِ السودَ قد جائت من قِبَلِ خراسانَ فاتوھا فانَّ فیھا خلیفةَ اللهِ المھدیّ[15]۔

---

۱. صنعانی، المصنف، ج ۱۱، حدیث ۲۰۷۶۹۔
۲. نعیم بن حماد، الفتن، جزء پنجم۔
۳. مسلم نیشاپوری، صحیح مسلم، ج ۴، حدیث ۲۸۸۲-۲۸۸۳۔
۴. ابن ماجہ، سنن، حدیث ۴۰۶۳-۴۰۶۴۔
۵. مقدسی شافعی، عقد الدرر، باب ۴، دوسری فصل۔
۶. متقی ہندی، البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان، باب ۴۔
۷. علی بن ابراہیم قمی، تفسیر القمی، ج ۲، ص ۲۰۵۔
۸. عیاشی، تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۶۴، حدیث ۱۱۷ و ص ۲۴۴، حدیث ۱۴۴۔
۹. کلینی، اصول کافی؛ ج ۸، ص ۳۱۰، حدیث ۴۸۳۔
۱۰. نعمانی، الغیبۃ، ص ۲۷۹، حدیث ۶۷۔
۱۱. صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۴۹، حدیث ۱۔
۱۲. طوسی، کتاب الغیبۃ، ص ۴۳۶۔
۱۳. صافی گلپائیگانی، منتخب الاثر، فصل ۶، باب ۶، ص ۵۶۔
۱۴. نعمانی، غیبت، ص ۲۵۷، حدیث ۱۵۔
۱۵. احمد بن حنبل، مسند، ج ۵، ص ۲۷۷۔

ترجمہ: جب خراسان کی جانب سے آنے والے سیاہ پرچموں کو دیکھو تو ان سے ملحق ہو جاؤ کیونکہ اللہ کا خلیفہ مہدی ان کے درمیان ہے۔

نعمانی نے حضرت علیؑ سے روایت نقل کی ہے:

انتظروا الفرج من ثلاثٍ... والراياتِ السودِ من خراسانَ[۱]۔

ترجمہ: تین چیزوں کے ظاہر ہونے سے فرج کی توقع کرو.... خراسان کی جانب سے سیاہ پرچموں کا ظاہر ہونا۔

ابن ماجہ نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

"اللہ تعالی نے ہم اہل بیتؑ کے لئے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ میرے اہل بیتؑ پر میرے بعد مصیبتیں نازل ہوں گی... یہاں تک کہ مشرق کی جانب سے ایک گروہ آئیگا ان کے ہمراہ سیاہ پرچم ہوگا... اس پرچم کو میرے اہل بیتؑ کی ایک فرد کے حوالہ کریں گے اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے پر کردے گا"[۲]۔

ترمذی نے بھی اس سے مشابہ حدیث نقل کی ہے لیکن امام مہدی(عج) کا نام نہیں لیا ہے۔

امام باقرؑ سے منقول ہے:

"خراسان کی جانب سے سیاہ پرچم ظاہر ہوں گے جو کوفہ کی جانب روانہ ہوں گے اور جب مہدی(عج) کا ظہور ہوگا تو ان کی بیعت کریں گے"[۳]۔

شعیب بن صالح کا خروج

شعیب بن صالح کا خروج بھی ان واقعات میں سے ہے جو امامؑ کے ظہور کے ساتھ یا آپ کے ظہور سے تھوڑا پہلے رونما ہوگا۔ شعیب بن صالح حضرت کے لشکر کے آگے آگے حرکت کریں گے۔ حدیثوں میں ان کی شخصیت کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں بتائی گئی ہے، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اہم اور مقبول شخص ہوں گے جن کے موجود رہنے سے امام(عج) کے لشکر میں اعتماد بہ نفس پیدا ہوگا۔

بعض روایتوں میں انہیں قبیلہ بنی تمیم[۴] اور دوسری روایتوں میں سمرقند[۱] کا بتایا گیا ہے۔ بہرحال شیعہ

---

۱. نعمانی، الغیبۃ، ص۲۵۱، حدیث ۸۔

۲. ابن ماجہ، سنن، ص۶۹۸، حدیث ۴۰۸۲۔

۳. طوسی، کتاب الغیبۃ، ص ۴۵۲۔

۴. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۹۸۔

شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں اس بات پر اتفاق نظر پایا جاتا ہے کہ امامؑ کے ظہور کے وقت شعیب بن صالح نامی ایک شخص ظاہر ہوگا جو امامؑ کے لشکر کا پرعلمدار ہوگا۔[1]

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں:

اذا خرج السفیانی فی ستین و ثلاث مائة راکب... و یخرجون الی الکوفة، فینھبونھا، فعند ذالک تخرج رایة من المشرق یقودھا رجلٌ من تمیم یقال له شعیب بن صالح[2]۔

ترجمہ: جب سفیانی ۳۶۰ لوگوں کے ہمراہ کوفہ آئے گا اور لوٹ مار شروع کرے گا تو مشرق سے ایک پرچم ظاہر ہوگا جس کا علمدار قبیلہ بنی تمیم کا شعیب بن صالح ہوگا۔

نعیم بن حماد نے عمار بن یاسر سے نقل کیا ہے:

المھدی علی لوائه شعیب بن صالح[3] ترجمہ: شعیب بن صالح امامؑ مہدی(عج) کا علمدار ہے۔

امام رضاؑ سے منقول ہے:

قبل ھذا الامر السفیانی و الیمانی و المروانی و شعیب بن صالح[4]۔

ترجمہ: امام مہدی(عج) کے ظہور سے قبل سفیانی، یمانی، مروانی اور شعیب بن صالح کا خروج ہوگا۔

شیخ طوسیؒ نے امام سجادؑ سے روایت کی ہے:

یکون قبل خروجه (المھدی)... خروج شعیب بن صالح[5]۔

ترجمہ: مہدی(عج) کے خروج سے قبل شعیب بن صالح کا خروج ہوگا۔

راوندی نے امام حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

...اذا حان وقت خروجه اقتلع من عمده..... جبرئیل عن یمینه و میکائیل عن یساره و شعیب بن صالح علی مقدمته[6]۔

---

۱. طوسی، کتاب الغیبت، ص ۴۴۳، حدیث ۴۳۷۔

۲. سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۹۸۔

۳. نعیم بن حماد، الفتن، ص ۲۱۶، حدیث ۲۱۶، حدیث ۸۶۳، ۸۶۴؛ سیوطی، الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۸۳؛ طوسی، کتاب الغیبة، ص ۴۶۲۔

۴. نعمانی، الغیبة، ص ۲۵۳، حدیث ۱۲؛ طبری، دلائل الامامة، ص ۲۶۱۔

۵. طوسی، کتاب الغیبة، ص ۴۴۳، حدیث ۴۳۷۔

۶. راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۵۵۰۔

ترجمہ: جب مہدی(ع) کا ظہور ہوگا تو وہ تلوار نکالیں گے، جبرئیل ان کے داہنے اور میکائیل بائیں طرف ہوں گے اور شعیب بن صالح ان کے آگے ہوں گے۔

ہ: **نفس زکیہ کا قتل:** شیعہ اور سنی روایتوں میں نفس زکیہ کے قتل کو علائم ظہور میں شمار کیا گیا ہے۔امام صادقؑ سے منقول ہے:

منَ المحتومِ الذی لابدان یکونُ قبلَ قیامِ القائمِ...قتلُ النفسِ الزکیۃِ[1]۔

ترجمہ: نفس زکیہ کا قتل ان حتمی علائم میں سے ہے جو ظہور سے قبل رونما ہوگا۔

اہل سنت کی بعض کتابوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے اور اسے امام(ع) کے ظہور سے قبل کی علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے:

انَّ المھدیَّ لا یَخرجُ حتی تقتَلَ النفسُ الزکیۃُ فاذا قُتِلت النفسُ الزکیۃ غَضَبَت عَلَیھِم مَن فی السَّماء والارضِ فاتی الناسُ المھدیَّ... وھو یَملاَ الارضَ قسطاً وعَدلاً ... [2]۔

ترجمہ: مہدی(ع) اس وقت تک ظہور نہ کریں گے جب تک کہ نفس زکیہ کا قتل نہ ہو جائے اور پھر اس وقت آسمان و زمین والے ان کے قاتلوں پر لعنت کریں گے اور لوگ مہدی کے پاس آئیں گے اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دیں گے۔

نعیم بن حماد نے روایت کی ہے:

اذا قُتِلَت النفسُ الزکیۃُ...نادی منادٍ من السماء انَّ امیرَکم فلان و ذلک المھدیّ الذی یَملاُ الارضَ حقاً وعَدلاً ... [3]

ترجمہ: اور جب نفس زکیہ کا قتل ہوگا... آسمان سے منادی آواز دے گا تمہارا امیر فلاں ہے اور وہ مہدی(ع) ہے جو زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔

---

۱. نعمانی، الغیبۃ، ص ۲۶۴، حدیث ۲۶، ص ۲۵۲، حدیث ۱۱ و ص ۲۵۷، حدیث ۱۵؛ راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۳، ص ۱۱۶۱؛ طوسی، کتاب الغیبۃ، ص ۴۳۵، حدیث ۴۲۵؛ صدوق، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۵۲، حدیث ۱۴، ص ۶۶۵، حدیث ۱۷۔

۲. ابن ابی شیبۃ، المصنف، ج ۸، کتاب الفتن، ص ۶۷۹، حدیث ۱۹۹۔

۳. ابن ابی شیبۃ، المصنف، ج ۸، کتاب الفتن، ص ۶۷۹، حدیث ۳۵۲۔

شخصیت امام مہدی(عج) کی تطبیقی شناخت، فریقین کی نظر میں

مولف: ڈاکٹر فتح اللہ نجار زادگان
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

تطبیقی طریقہ کے تقاضہ کے مطابق شخصیت امام مہدی(ع) کی شناخت کے لئے شیعہ اور اہل سنت کے مشترکہ نکات پر تکیہ کیا جاسکتا ہے۔ فریقین کے منابع میں امام(ع) کے اوصاف اور ان کی ذمہ داریوں کا جائزہ لے کر آپ کے وجود کے بعض پہلوؤں سے آگاہی ممکن ہے۔ فریقین کی تعلیمات میں مشترک نکتہ ایک تو یہی ہے کہ امام مہدی(ع) رسول خداؐ کے اہل بیت سے ہیں اور دین حق کا احیاء آپ کی ذمہ داری ہے۔ اس مقالہ میں ان دونوں باتوں کے تجزیہ کے ذریعہ موعود موجود کی حیثیت سے آپ کو پہچنوانے پر زور دیا گیا ہے۔

امام مہدی(ع) کی شخصیت کی معرفت فریقین کی نظر میں ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں دونوں فرقوں کے نظریات مختلف ہیں۔ شیعہ اور کچھ اہل سنت[1] کہتے ہیں کہ "امام مہدی(ع) کوئی نوع نہیں ہیں بلکہ ایک شخص ہیں جو امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہیں اور ۲۵۵ء میں پیدا ہوئے ہیں"[2]۔

شیعہ نکتۂ نگاہ سے امام مہدی(ع)، انسان کامل، زمین پر صاحب ولایت الٰہی، معصوم اور خلیفۃ اللہ ہیں۔ شیعوں کا اس پر اجماع ہے اور یہ بات ضروریات مذہب شیعہ میں داخل ہے اس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں ہے۔ اس کے بر خلاف بہت سے علمائے اہل سنت کا خیال ہے کہ جن مہدی موعود کی بشارت دی گئی ہے شاید وہ پیدا ہو چکے ہیں یا ابھی تک دنیا میں نہیں آئے ہیں اور آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے۔ اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے شیعوں کے پاس متقدمین و متاخرین کے منابع سے تواتر پر مبنی منقول روایتیں ہیں مثلاً

---

۱. ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد نے بیس ایسے علمائے اہلسنت کا ان کی عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو امام حسن عسکریؑ کے بیٹے کے عنوان سے امام مہدی(ع) کی ولادت کے قائل ہیں اور بعض ان کے مہدی(ع) ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ (اکبر نژاد، مہدی، بررسی تطبیقی مہدویت در روایات شیعہ واہل سنت، ص ۲۰۳۔ ۲۱۲)

۲. بررسی تطبیقی مہدویت در روایات شیعہ واہل سنت، ص ۲۰۳-۲۱۲۔

رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ کی روایتیں، اپنے فرزند کے لئے حضرت امام حسن عسکریؑ کی تصریح، امام مہدی(ع) کی قابلہ اور غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اور بچپن میں امام زمانہ(ع) کا دیدار کرنے والوں کی گواہی وغیرہ۔

امام مہدی(ع)کی ذاتی (نہ کہ نوعی) معرفت کے لئے دوسرے راستے بھی ہیں جن میں فریقین کے مشترک نکتے شامل ہیں۔ان کی روشنی میں صرف آپ کے اوصاف اور کسی حد تک اصلاحی تحریک کااندازہی نمایاں نہیں ہوتابلکہ اس طرح عصر غیبت سے مربوط مباحث پر بھی اثر پڑتاہے، مدارک ومنابع فریقین میں اوصاف امام مہدی(ع) کا تجزیہ اور تحریک احیائے دین میں مہدوی ذمہ داری کا تجزیہ بھی اسی طریقہ سے ہوجاتاہے۔اس کے تین محور ہیں:

الف: دینی تعلیمات میں اہل بیتؑ کے مرتبہ اور اوصاف کی شناخت: چونکہ فریقین کااس بات پر اتفاق ہے کہ امام مہدی(ع) اہل بیت رسولؐ کی فرد ہیں اس وجہ سے اوصاف اہل بیتؑ کے ادراک کے بعد، امام مہدی(ع)کی ذاتی خصوصیتوں کے متعدد رخ نمایاں ہوجاتے ہیں۔

ب: اہل بیت رسول خداؐ کے عنوان سے امام مہدی(ع) کے قرآن سے رابطہ کا انکشاف: اس انکشاف سے آپ کی دوسری خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

ج: تعلیمات وحی کے ہندسہ کی مکمل شناخت: دین کے مجموعہ کا بعنوان نظام ادراک، تاکہ اس مجموعہ میں امام مہدی(ع)اور تحریک مہدویت کا مرتبہ آشکار ہوجائے۔ تعلیمات وحی کے مجموعہ کی شناخت میں اہداف کے نکتۂ نگاہ سے انبیاءاور اوصیاء کے سلسلہ کی آیات کے کلی خطوط اور طریقوں پر نظر ڈالنا بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ احیائے دین اور تحریک انبیاء کاآدم سے لے کر خاتم تک پھر آپ کے اوصیاء تک کا تسلسل مہدوی تحریک کا مقصد ہے۔ اسی وجہ سے انبیاء کی اصلاحی تحریک کے تسلسل سے مہدویت کوجدانہیں کیاجاسکتا۔اس لئے کہ امام مہدی(ع)کی تحریک، دینی تحریک ہےاور میزان وحی کی بنیادپراس کاڈھانچہ تیار ہوتاہے۔

اس فکری، دینی نظام میں امام مہدی(ع) کی شخصیت اور آپ کی تحریک کے تمام عناصر کسی مجموعہ کے مختلف حصوں کی طرح جڑے ہیں اور تضاد وناہم آہنگی کے بغیر ایک دوسرے کی تبیین وتکمیل کرتے ہیں۔

اس مقالہ کے حجم کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف دو محور کی تشریح ہوگی اور تیسرے محور کی طرف صرف اشارہ کیاجائے گا۔

اہل بیت سے منقول دلیلیں

مہدی موعود کا تعلق، خاندان پیغمبرؐ سے ہے۔ فریقین کی متعدد روایتوں میں اس حقیقت کا بیان موجود ہے۔
اس تصریح کی علت میں کچھ محققین لکھتے ہیں:

”روایات میں امام مہدی(عج) کے اہل بیت رسول خداؐ ہونے کی تاکید موجود ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ چونکہ آپ کے بارے میں پیشین گوئی موجود تھی اس وجہ سے بہت سارے دعویدار، مہدی ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے لیکن یہ پہلے ہی سے معین ہو چکا ہے کہ وہ خاندان پیغمبرؐ سے ہوں گے اس کے باوجود کچھ لوگوں نے مہدی کو غیر اہل بیت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان لوگوں کا یہ تیر نشانہ تک نہیں پہونچ سکا“[1]۔

شیعی نکتۂ نظر سے امام مہدی(عج) کے عترت پیغمبرؐ اور سلسلۂ معصومین سے ہونے میں کوئی تردید نہیں ہے[2]۔

امام مہدی(عج) کے اہل بیت رسول خداؐ ہونے پر سنی علماء کا بھی اتفاق ہے وہ اس سلسلہ کے اخبار کو صحیح اور متواتر سمجھتے ہیں منجملہ ان کے حاکم نیشاپوری اپنی کتاب اثبات الہداۃ بالنصوص والمعجزات کی چوتھی جلد ص ۵۵۷ میں دین کے غلبہ والی آیت (توبہ: ۳۳) کے ذیل میں ذہبی نیز قرطبیؒ کی تائید کرتے ہوئے، المہدی ھو عیسیٰ فقط کے نظریہ پر اس طرح تنقید کرتے ہیں:

وھو غیر صحیح لأنّ الاخبار الصحاح قد تواترت علی ان المہدی من عترت رسول اللہ[3]۔

ترجمہ: یہ جو کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ ہی مہدی ہیں یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ صحیح و متواتر اخبار سے پتہ چلتا ہے کہ مہدی کا تعلق عترت رسول خداؐ سے ہے۔

احمد بن حنبل اپنی مسند میں ابو سعید خدری سے رسول خداؐ کی حدیث بیان کرتے ہیں:

لاتقومُ السّاعةُ حتی تمتلأالارضُ ظلماً وعدواناً (قال) ثم یخرج رجلٌ من عترتی (او من اھل بیتی) مَن یملأھا قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً و عدواناً[4]۔

ترجمہ: جب تک ظلم وجور سے زمین پر نہیں ہو گی اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہو گی (اس کے بعد فرمایا) ایسے موقع پر عترت (یا اہل بیت) سے ایک شخص آئے گا۔ وہ وہی ہو گا جو ظلم وزیادتی سے بھری

---

۱. بررسی تطبیقی مہدویت در روایات شیعہ واہل سنت، ص ۱۰۹۔

۲. صدوق، محمد بن علی بن بابویہ، عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۹۷؛ مفید، محمد بن محمد، الافصاح فی الامامۃ، ج ۲، ص ۲۴۰؛ طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال، ص ۱۴۵؛ خزاز قمی، علی، کفایۃ الاثر، ص ۲۶۶۔

۳. قرطبیؒ، محمد، الجامع لاحکام القرآن، ج ۸، ص ۶۱۲۲۔

۴. احمد ابن حنبل، مسند، ج ۱۷، ص ۴۱۶، حدیث ۱۱۳۱۳۔

زمین کو عدل وداد سے بھر دے گا۔

مسند احمد بن حنبل کے محققین اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین[1]۔ بخاری اور مسلم کی شرط پر اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔

حاکم نیشاپوری، شیخین کی شرط پر اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں[2]۔ ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ دوسری حدیث میں بھی رسول خداؐ سے یہی تعبیر منقول ہے "... حتی یملک رجل من اھل بیتی"[3]۔ محققین کے مطابق اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔ اہل سنت کے منابع میں ابن ابی شیبہ کی رسول خداؐ سے روایت بھی موجود ہے:

لَولَم یَبقَ مِنَ الدَّھرِ إلّا یومٌ لَبعثَ اللہ رجلاً مِنْ اھل بیتی یَملوھا عدلاً کما مُلِئَتْ جوراً[4]۔

ترجمہ: اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو خدا میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو ظلم سے بھری ہوئی دنیا کو عدل سے پر کردے گا۔

ابن ماجہ قزوینی اور محمد بن عیسیٰ ترمذی بھی رسول خداؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

المہدی منّا اھل البیت[5]۔ ترجمہ: مہدی ہم اہل بیت سے ہیں۔

ان احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے امام مہدی(عج) کا عترت پیغمبرؐ سے ہونا شیعہ وسنی کے نزدیک ثابت ہے اور دونوں فرقے اس موضوع پر متفق علیہ ہیں اور یہ اس سلسلہ کا کلیدی نکتہ ہے۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ یا عترت رسولؐ خدا سے مراد کیا ہے؟ کیا مدارک اور اسناد میں یہ ایک خاص اصطلاح ہے جو کسی معین شخص کے لئے استعمال ہوتی ہے یا ہر اس شخص کو عترت واہل بیت پیغمبرؐ کہتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح سے نبی اکرمؐ کے گھر سے منسوب ہو اور اس کی علمی اور دینی صلاحیت ثابت ہو؟

اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے ہم ان روایات سے روبرو ہوتے ہیں جن میں یہ موجود ہے کہ امام مہدی(عج)، علیؑ کے فرزند اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کی نسل سے ہیں اور ان روایتوں میں پیغمبر اکرمؐ سے آپ کی مشابہت کی تصریح موجود ہے۔ ان روایات کی بنا پر اصطلاح «اہل بیت» کی شناخت کا دائرہ محدود

---

۱. احمد ابن حنبل، مسند، ج ۱۷، ص ۴۱۶، حدیث ۱۱۳۱۳۔

۲. حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، ج ۴، ص ۵۵۷۔

۳. احمد ابن حنبل، مسند، ج ۱۷، ص ۲۱۰، حدیث ۱۱۱۳۰۔

۴. ابن ابی شیبہ، عبداللہ، کتاب المصنف فی الاحادیث والاخبار، حدیث ۳۷۶۳۷۔

۵. ابن ماجہ قزوینی، محمد، سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۸۵ و ترمذی، محمد بن عیسی، الجامع الصحیح (سنن ترمذی)، حدیث ۲۲۳۰۔

ہو جاتا ہے۔ ان کی بنیاد پر آل عقیل، آل عباس اور آل جعفر اس اصطلاح سے خارج ہو جاتی ہے اور اس اصطلاح کو سمجھنے کا راستہ ہموار نظر آنے لگتا ہے۔ جلال الدین سیوطی نے طبرانی سے اور انہوں نے اپنے اسناد کے ذریعہ عبداللہ بن عمر سے اور پھر رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

سَیَخْرُجُ مِنْ صُلب ھذا فَتیً یملأُ الارضَ قِسطاً وعدلاً [۱]۔ ترجمہ: اس کی نسل سے ایک جوان ظہور کرے گا جو زمین کو عدل وداد سے پر کر دے گا۔

اس مضمون کو شیخ طوسیؒ نے بھی نقل کیا ہے [۲]۔ جوینی شافعی بھی ابن عباس سے اور وہ رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ علی ابن ابی طالب میری امت کے امام اور ان کے درمیان میرے جانشین ہیں اور جو قائم ومنتظر زمین کو عدل وانصاف سے پر کریں گے وہ انہیں کی نسل سے ہوں گے [۳]۔

جن احادیث میں آنحضرت کا نسل حضرت زہراؑ سے ہونے کا تذکرہ ہے وہ تو بہت زیادہ ہیں مثلاً ابن داؤد کی حدیث جو ام سلمہ نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کی ہے کہ "المھدیّ مِنْ عِترتی مِنْ وُلد فاطِمة" [۴]۔ ترجمہ: مہدی(عج) ہمارے خاندان اور فاطمہ سؑ کی اولاد سے ہیں۔

شیعہ منابع میں بھی اس طرح کی احادیث نقل ہوئی ہیں، مثلاً شیخ صدوق اور شیخ طوسی نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے:

المَهدی رَجلٌ مِنْ وُلد فَاطمة [۵]۔

سید محسن امین مرحوم اس سلسلہ کی حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اعلم أن جمیع المسلمین متفقون علی خروج المھدی فی آخرالزمان وانه من ولد علی وفاطمه وان اسمه کأسم النبی، والاخبار فی ذالک متواترة عند الفریقین قدر وتهاثقاتهم [۶]۔

ترجمہ: آخری زمانہ کے مہدی(عج) کے خروج پر تمام مسلمان متفق القول ہیں اور فرزند علی وفاطمہ علیہما السلام ہونے پر اتفاق نظر رکھتے ہیں، ان کا نام وہی ہوگا جو پیغمبرؐ کا نام ہے، اس سلسلہ میں فریقین کی متواتر روایتیں موجود ہیں اور موثق راویوں نے اس کی روایت کی ہے۔

---

۱. سیوطی، جلال الدین، العرف الوردی، ص ۲۱۹۔

۲. طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفة الرجال، ص ۱۵۸، حدیث ۱۴۴۔

۳. حموئی، جوینی، ابراہیم، فرائد السمطین، ج ۲۔ ص ۳۲۷، ح ۵۸۹۔

۴. ابوداؤد، سلیمان، سنن ابی داود، حدیث ۴۰۸۶۔

۵. طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفة الرجال، ص ۱۸۷؛ صدوق، محمد بن علی بن بابویہ، عیون اخبار الرضا، ج ۴، ص ۸۰

۶. امین، سید محسن، اعیان الشیعة، ج ۴، ص ۲۴۰۔

خلق و خُلق میں امام مہدی (ع) پیغمبر اسلامؐ کے مشابہ ہیں، اس معنی کی روایتیں فریقین کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً شیخ صدوق نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

القائم مِنْ ولدی اسمُہ اسمی وشمائلُہ شمائلی[1]۔

ترجمہ: مہدی(ع) ہمارے فرزند ہیں ان کا نام ہمارے نام جیسا ہے اور ان کے شمائل ہمارے شمائل جیسے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر رسول خداؐ نے فرمایا:

المہدی من ولدی... اشبہ الناس بی خلقاً وخلقا [2]۔ ترجمہ: مہدی(ع) ہمارے فرزندوں میں سے ہیں اور ظاہری شکل اور اخلاق کے اعتبار سے وہ مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔

ابن حبان بھی اپنی صحیح میں رسول خداؐ سے یوں نقل کرتے ہیں:

یخْرُجُ مِنْ اھلِ بیتی یُواطِئُ اسمُہ اسمی وخُلُقہ خُلُقی[3]۔

ترجمہ: میرے اہل بیت، میں ایک شخص خروج کرے گا جو میرا ہمنام اور ہم خلق ہوگا۔

ابو نعیم[4] اور خطیب بغدادی[5] نے بھی رسول خداؐ سے اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے جس کی تعبیر اس طرح ہے:

"رجل من عترتی... یشبہ خلقہ خلقی وخلقہ خلقی یملا الدنیا قسطا وعدلا"۔ ترجمہ: ہماری عترت میں سے ایک شخص ہوگا جس کی شکل وشمائل واخلاق مجھ جیسے ہوں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فریقین کی روایتوں کے مطابق امام مہدی(ع)، عترت رسولؐ سے ہیں اور آپ کا نام اور اخلاق پیغمبرؐ کے نام اور اخلاق سے مشابہ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اوصاف سے مراد کیا ہے۔ شیعوں کا خیال ہے کہ ان علامتوں میں حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد میں سے کسی غیر معین انسان کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے بلکہ کسی خاص اور معین انسان کا ذکر ہے جو پروردگار کی طرف سے معصوم ومنصوب اور خاص اوصاف کا حامل ہے۔ متواتر شیعی روایتوں کی بناپر یہ بات ثابت ہے کہ امام مہدی(ع) فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام ہی ہیں۔ اس کے علاوہ لفظ اہل بیت

---

۱. عیون اخبار الرضا، ج ۲، حدیث ۲۵۷ و ۴۱۵۔

۲. ایضاً، ج ۱۔ حدیث ۲۸۶؛ طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال، ص ۱۸۹؛ نعمانی، محمد، کتاب الغیبۃ، ص ۲۱۴۔

۳. ابن حبان، صحیح ابن حبان بہ ترتیب ابن بلبان، ج ۵، حدیث ۲۳۷۔

۴. دیکھئے کنجی شافعی، محمد، البیان فی اخبار صاحب الزمان، ص ۷۱۔

۵. خطیب بغدادی، احمد، تاریخ بغداد او مدینۃ السلام، ج ۹، ص ۴۷۱۔

کے تجزیہ و تحلیل سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

اصطلاح اہل بیت کی شناخت

پہلے ہم اس لفظ کو «بیت نبوت» کے سلسلہ میں لغت میں تلاش کریں گے اور بعض اہل علم کی صحیح اور مکمل تحقیق نے ہمیں اس کی تفصیل سے بے نیاز کر دیا ہے۔

لغت میں "اہل" کے معنی شائستہ، سزاوار[1] اور مستوجب[2] کے ہیں۔ عرف میں بھی اس کے ظاہری معنی معنی یہی ہیں۔ جب یہ لفظ کسی شئے یا شخص کے ساتھ مضاف ہوتا ہے (اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے) تو مضاف الیہ کی مناسبت سے اس کے دوسرے معنی سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ محققین نے گھر میں رہنے والوں کو اہل بیت سمجھا ہے[3]۔ فیّومی نے "الاہل" کا معنی "اہل بیت" بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں اصل رشتہ داری ہے[4]۔ راغب نے بھی اہل بیت کے مجازی استعمال کا سہارا لیتے ہوئے اس کے بارے میں یہ بات کہی ہے کہ جسے نسبی تعلق حاصل ہے اسے اہل بیت کہتے ہیں[5]۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ لغت میں ہر اس شخص کو اہل بیت کہتے ہیں جو گھر میں ساکن ہو یعنی بیوی بچوں پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور رشتہ داری کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عرف میں بھی یہی معنی ہے۔

پیغمبرؐ خدا کا گھر چونکہ وحی کے نزول کی جگہ ہے اور بیت نبوت بھی ہے اس وجہ سے آپ کے گھر کے بارے میں دو طرح سے یہ لفظ استعمال ہوگا۔ کبھی اہل بیت پیغمبرؐ کہہ کر بیت سے محل سکونت مراد ہوگا تو ایسی صورت میں آپ کے لئے بھی اہل بیت کے وہی معنی ہوں گے جو دوسروں کے لئے مراد لئے جاتے ہیں یعنی خانوادہ کے معنی میں یا آنحضرتؐ کی مطلق رشتہ داری کے معنی میں اور کبھی محل نزول وحی اور بیت نبوت کی خصوصیت کے لحاظ سے لفظ اہل بیت کا استعمال ہوگا، ایسی صورت میں گھر میں رہنے والے، خانوادہ یا آنحضرتؐ کے مطلق رشتہ دار مراد نہیں ہوں گے بلکہ وہ افراد مراد ہوں گے جو علمی، عملی اور انسانی صفات کے اعتبار سے آپ کے گھر کے لئے مناسب افراد ہوں[6]۔ یہاں چند نکات پر توجہ ضروری ہے:

---

۱. انیس، ابراہیم، المعجم الوسیط، ص ۳۱۔
۲. ابن سیدہ، علی، المحکم، ج ۴، ص ۲۵۶۔
۳. فراہیدی، خلیل، ترتیب کتاب العین، ج ۴، ص ۸۹؛ ابن منظور، محمد، لسان العرب، ج ۱، ص ۲۵۳۔
۴. فیومی، احمد، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، ص ۳۳۔
۵. راغب اصفہانی، حسین، مفردات الفاظ القرآن، ص ۲۵۔
۶. بابایی، علی اکبر، روش شناسی تفسیر قرآن، ص ۶۷-۹۸۔

۱. اہل‌بیت کے دوسرے معنی کی تطبیق کے دائرہ میں وسعت اور تنگی کی گنجائش موجود ہے اس وجہ سے شارع کی طرف سے اس کے حدود کا معین ہونا ضروری ہے۔ اس تطبیق کے موقع پر پہلے معنی والے افراد کا اس مصداق میں داخل ہونا یا اس سے نکل جانا بھی ممکن ہے۔ مثلاً خداوند عالم نے نوح کے بیٹے کے لئے فرمایا: إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ[۱]۔ وہ بیٹا ضرور ہے مگر نوح کے اہل سے نہیں ہے۔

۲. اس معنی میں انتساب کی لیاقت کے کئی مراتب ہوں گے جو خاص ذاتی یا اکتسابی معیار کی بنیاد پر طے کئے جائیں گے۔ عرب اور غیر عرب صحابہ (مثلاً صہیب رومی و بلال حبشی) کے درمیان سلمان فارسی "منّا اهل البیت" کے اعزاز سے نوازے گئے یعنی سلمان ہم اہل‌بیت میں ہیں[۲]۔

اہل‌بیت نبوت کی طرف منسوب ہونے والے لیاقت کے بہت اعلیٰ نمونے کے چند مخصوص افراد کے لئے ہی پیغمبرؐ کی زبان پر اہل‌بیت کے دوسرے معنیٰ کی تطبیق ہوئی ہے اور اسے بطور اصطلاح یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب لفظ اہل‌بیت (اور کبھی لفظ "عترت" کے اضافہ کے ساتھ) استعمال ہوتا ہے تو انہیں افراد کی طرف انسان کا ذہن متوجہ ہوتا ہے۔

مختلف احادیث میں اس لیاقت کے اعلیٰ نمونے آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں، خاص کر حدیث ثقلین میں خدا نے ان کو قرآن کا ساتھی قرار دیا ہے:

"انّی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهلبیتی..." اس حدیث میں عصمت، مخصوص علم، ہدایت کی صلاحیت اور اسوہ ہونے جیسے اعلیٰ صفات کو اہل بیت اور خاص طور سے امام مہدی(ع) کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں:

۱. فرزندان علیؑ میں گیارہ معصومینؑ کے علاوہ آل عقیل، آل عباس، آل جعفر اور ازواج[۳] پیغمبرؐ میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ جن دو گراں قدر چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہم ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل بیت پیغمبرؐ یعنی آنحضرتؐ کے گھر کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ انہوں نے کیا ہو (حق یا باطل طور پر اثبات مدعا کے لئے)، لیکن قرآن کا ساتھی ہونے کا دعویٰ ان کی طرف سے کبھی نہیں ہوا کیونکہ وہ تمام معارف قرآن سے واقف نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی حد تک دوسروں سے اس سلسلہ میں کچھ حاصل کیا تھا۔

۲. اگر وہ سب قرآن کے برابر ہوتے اور انسان ان کی سیرت اور سنت سے تمسک کرکے گمراہی سے

---

۱. سورہ ھود، آیت ۴۶۔

۲. کلینی، محمد، الکافی، ج ۱، ص ۴۰۱؛ مزی، یوسف، نمبر ۳۸-۲۴۔

۳. حدیث ثقلین سے متعلق بعض روایتوں میں ازواج کو اہل بیت سے خارج کرنے کی صراحت موجود ہے (قشیری نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج ۴، حدیث ۲۴۰۸)۔

نجات پالیتا تو پھر ان میں آپس میں اختلاف کیوں ہوا؟ کیونکہ جو لوگ قرآن کے ساتھ ہوں گے ان میں قرآن کی طرح آپس میں اختلاف نہیں پایا جائے گا۔

۳. اہل بیت سے مراد کون افراد ہیں پیغمبرؐ نے اس حدیث میں اسے یقینی طور پر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ پیغمبرؐ ہدایت بشر کے راستہ کا تعارف کرارہے ہیں اور اگر یہاں مراد نہ بیان کریں گے تو حدیث کے بیان کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ اور اس بات کا امکان ہے کہ بیت پیغمبرؐ کی طرف منسوب دوسرے افراد اس بلند مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے طمع سے کام لیں۔ اسی وجہ سے بعض روایتوں میں یہ بات موجود ہے کہ جب رسول خداؐ نے حدیث ثقلین بیان فرمائیں تو کچھ اصحاب نے پوچھا کہ آپ کی عترت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "علی، حسن، حسین اور قیامت تک حسینؑ کی نسل میں پیدا ہونے والے امام ہیں"[۱] اس سلسلہ میں فریقین سے دوسری حدیثیں بھی نقل ہوئی ہیں[۲]۔ ان احادیث کے درمیان کوئی کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ فریقین کے مصادر میں رسول خداؐ سے کوئی ایسی حدیث موجود نہیں ہے جس کی اس حدیث کی تفسیر میں معصومین کے علاوہ کسی دوسرے کو پیش کیا گیا ہو۔

اگر اہل سنت صحیح السند حدیث "اثنا عشر خلیفہ[۳]" کے معنی کے سلسلہ میں حیرانی سے بچنا چاہتے ہیں تو اس حدیث پر حدیث ثقلین اور اہل بیتؑ کے سلسلہ کی دوسری حدیثوں کے ساتھ ملا کر غور وفکر کریں۔

صحیح اسناد کے ساتھ شیعی روایات میں[۴] اور اہل سنت کی بعض روایات میں امام جعفر صادقؑ سے پیغمبر اعظمؐ کی حدیث منقول ہے کہ ابو بصیر نے پوچھا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ علیؑ اور اہل بیتؑ کا نام کتاب خدا میں کیوں موجود نہیں ہے تو آپ نے فرمایا:

"قولوا لهم ان رسول الله نزلت عليه الصلاة ولم يسم الله لهم ثلاثاً او اربعا حتّى كان رسول

---

۱. عیون اخبار الرضا، ص ۹۰-۹۱، حدیث ۴؛ ایضاً، ج ۱، ص ۲۴۴؛ حر عاملی، محمد، اثبات الهداة بالنصوص والمعجزات، ج ۱، ص ۴۸۹-۴۹۹؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۱۲-۳۹۱۸؛ ابن عقدہ، احمد، کتاب الولایۃ، ص ۲۰۲۔

۲. عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۲۴۰، ص ۵۷؛ قندوزی حنفی، سلیمان، ینابیع المودہ، ص ۴۳۰؛ مجمع البیان لعلوم القرآن، ص ۵۷۳۔

۳. فریقین کے مصادر میں مختلف اسناد کے ساتھ یہ حدیث پیغمبر خداؐ سے منقول ہے ان میں عزت اسلام، قیام دین، امارت امت وغیرہ کو بارہ خلفاء میں منحصر بتایا گیا ہے۔ فریقین کے مصادر، اسناد اور اس حدیث کے معنی سے متعلق معلومات کے لئے علی اربلی، کشف الغمہ، ج ۱، ص ۱۱۳-۱۳۰ اور توجیہات اہل سنت کے لئے جلال الدین، تاریخ الخلفاء ص ۱۱-۱۳؛ علی آل محسن، مسائل الخلافیہ والرای الحق فیہ ص ۹-۴۳ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۴. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار الائمہ الاطہار، ج ۳، ص ۲۱۳۔

اللہ ھو الذی فسر ذالک..."[۱]۔

ترجمہ: ان سے کہو کہ قرآن میں نماز کا حکم رسول خداؐ پر نازل ہوا لیکن اس میں تین اور چار رکعت کا ذکر نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کی تفسیر لوگوں سے بیان کی۔ زکوۃ کا حکم نازل ہوا لیکن اس میں یہ نہیں لکھا تھا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوۃ واجب ہے، رسول اکرمؐ نے اس کی تفسیر بیان کی۔ آیت أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الامْرِ مِنكُمْ[۲]، علی و حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی اور (اسی وجہ سے) رسول خداؐ نے علیؑ کے بارے میں فرمایا میں جس کا مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ میں تم سے کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ میں نے خدا سے یہ کہا ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے یہاں تک کہ یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں، خدا نے مجھے یہ چیز عطا کی۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم انہیں کچھ تعلیم دینے کی کوشش نہ کرنا یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، یہ تمہیں ہدایت سے جدا نہیں کریں گے نہ گمراہ کریں گے، اس کے بعد امام نے فرمایا کہ اگر پیغمبرؐ خاموش رہ جاتے اور اپنے اہل بیتؑ کا (جو ان اوصاف کے حامل ہیں) تعارف نہ کراتے تو آل فلاں اور آل فلاں اپنے لئے یہ دعویٰ کر بیٹھتے لیکن خدائے متعال نے آیۃ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً[۳] کے ذریعہ اپنے رسولؐ کی تصدیق کی اور رسول خداؐ نے خانۂ سیدہ میں علی و حسن و حسین اور فاطمہ زہرا علیہم السلام کو ایک چادر کے نیچے لیکر فرمایا: "خدایا ہر پیغمبر کے اہل و ثقل ہیں یہ ہمارے اہل بیت اور ثقل ہیں"، ام سلمہ نے فرمایا کہ کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ حضرتؐ نے جواب دیا: تم خیر پر ہو لیکن یہ میرے اہل بیت اور ثقل ہیں...۔

امام ہادیؑ نے بھی حدیث ثقلین کو قرآن (کے سورہ مائدہ کی آیت ۵۵) سے ربط دیکر مذکورہ معنی میں لفظ اہل بیت کی صحت کی تائید کی ہے[۴]۔

۴. بیت رسالت کی طرف منسوب افراد کی زندگی کی واقعیت بھی یہی بتاتی ہے کہ صرف حضرت علیؑ اور آپ کے بعد گیارہ امام، تمام معارف قرآن سے واقف تھے اور جو جو علوم و معارف حضرت علیؑ نے

---

۱. کلینی، محمد، الکافی: ج۱، ص ۲۸۶-۲۸۷؛ عیاشی، محمد بن مسعود، تفسیر العیاشی، ج۱، ص ۴۰۸ و ۴۱۰؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۱۷، کتاب الولایۃ، ص ۲۰۲؛ حسکانی، عبید اللہ بن عبد اللہ، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ج ۱، ص ۱۹۱۔
۲. سورہ نساء، آیت ۵۹۔
۳. سورہ احزاب، آیت ۳۳۔
۴. بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار، ج ۲، ص ۲۵۵۔

رسول خداؐ سے حاصل کئے تھے وہ یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے رہے اسی وجہ سے ایسی کوئی بھی روایت نہیں ملتی جس میں یہ لکھا ہو کہ ان کے سامنے فلاں آیت پیش کی گئی تو انہوں نے کہہ دیا ہو کہ مجھے نہیں معلوم[۱]، یا دوسروں کے سامنے احتجاج کرتے وقت ان میں سے کوئی عاجز ہوگیا ہو[۲] یا کسی نے ان کی دلیل کا ابطال کر دیا ہو، حقیقت کی جستجو میں رہنے والے افراد نے ان ائمہ کے علوم کی بلندی اور حقائق قرآن کے انکشاف کے سلسلہ میں ان کی انفرادی خصوصیت کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے[۳]۔

۵. اگر علماء کے درمیان حدیث ثقلین میں مصداق "اہل بیت" کے سلسلے میں اختلاف بھی ہو تو ان کے تمام اقوال کے درمیان اتنا تو یقینی ہے کہ اصحاب مباہلہ کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا "اللھم ھٰؤلاء اھلبیتی"[۴] اصحاب کساء کے لئے بھی یہی تعبیر موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے وہاں بھی فرمایا: "اللھم ھؤلاء اھلبیتی وخاصتی..." (اور بڑے واضح الفاظ میں اپنی زوجہ ام سلمہ کو اس کساء سے الگ رکھا) لہٰذا اس مصداق[۵] میں یہ دو مفہوم داخل ہیں اور اس میں کوئی تردید نہیں ہے۔ اصحاب کساء کے لئے بھی اجماع ہے کہ حدیث ثقلین میں امام حسینؑ کی نسل سے آپ کی معصوم اولاد اہل بیت ہیں۔

٦. حدیث ثقلین میں جن اہل بیت کا ذکر ہوا ہے انہیں دنیا کا سب سے بلند انسان ہونا چاہئے .برخلاف صحابہ کے جن میں بعض کا مرتبہ بہت بلند ہے مگر صلوات میں حضور رسول اکرمؐ کے ساتھ صرف اہل بیتؑ کا ذکر آیا ہے۔ صحیح اسناد کے ساتھ معتبر کتابوں من جملہ صحیحین میں متواتر روایتوں کے حوالہ سے یہ تذکرہ موجود ہے کہ ابوسعید خدری، بشیر بن سعد، ابوہریرہ اور بریدۂ خزاعی جیسے اصحاب نے پیغمبرؐ سے پوچھا کہ کیف نصلی علیک؟ آپ پر ہم کس طرح درود پڑھیں تو آپؐ نے فرمایا: قولوا اللھم

---

۱. الکافی، ج ۱، ص ۲۸۴، ج ۸، ص ۳۹۰، حدیث ۵۸٦؛ شریف، رضی، نہج البلاغہ، خطبہ ۴۳۲، حکمت ۲۰٦۔

۲. ایضاً، ج ۱، ص ۲۸۴ و ج ۸، ص ۳۹۰۔

۳. مثلاً تابعین میں سے قتادہ نے امام محمد باقرؑ سے مناظرہ میں اس کا اعتراف کیا (حر عاملی، وسائل الشیعہ، ج ۲۷، باب ۱۳، حدیث ۳۵) اور امام رضاؑ سے مناظرہ میں علی بن الجہم نے بھی اعتراف کیا ہے، (محمد جواد محمودی، ترتیب الامالی، ج ۲، ص ۷ - ۱۱)۔

۴. قشیری نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۸۷۱، حدیث ۲۴۰۴؛ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، ج ۵، ص ۲۵۵؛ نسائی، احمد، خصائص امیر المومنین علی بن ابی طالب، ص ۳۳؛ مسند الامام احمد بن حنبل، ج ۳۔ ص ۱٦۰۔

۵. حدیث کساء اور آیہ تطہیر کے سلسلے میں احادیث نیز اہل بیت کے سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ کی تصریح کہ اس میں صرف علی، فاطمہ، حسن اور حسین شامل ہیں، اتنی زیادہ مروی ہیں کہ ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی صرف حاکم نیشاپوری نے پانچ طریقوں سے یہ حدیث بیان کی ہے اور ان کے اسناد کی صحت میں بخاری و مسلم یا کسی ایک کے شرط کی تصریح ہے (حاکم نیشاپوری، مستدرک، ج ۳، ۱۴٦۔۱۴۸)۔

صلی علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراهیم وآل ابراهیم انک حمید مجید وبارک علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراهیم وآل ابراهیم[۱]۔

سترہ اصحاب سے اس مضمون کی حدیث منقول ہے۔ بعض روایتوں میں پیغمبر اسلامؐ نے اصحاب کو ناقص صلوات پڑھنے سے منع فرمایا[۲] اور بعض سنی محققین کے قول کے مطابق "اللّھم صلی علی محمّد وآل محمد" کی شکل میں صلوات متفق علیہ ہے[۳]۔

محمد و آل محمدؐ کے ساتھ ابراہیم اور آل ابراہیم پر صلوات کا ضمیمہ شاید اس لئے شامل کیا گیا کہ آل ابراہیم کے درمیان تاریخ میں ایسے انبیاء و اوصیاء نظر آتے ہیں جنہوں نے ابراہیمی شریعت کو جاری رکھا اور آل محمدؐ بھی شریعت محمدیؐ کو ترویج دینے اور اس کے حقائق کو زندگی بخشنے والے ہیں اس مناسبت سے محمد و آل محمدؐ اور ابراہیم وآل ابراہیم پر صلوات کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

۷. حدیث ثقلین میں پیغمبرؐ کے قول کے مطابق اہل‌بیت انہیں افراد کو ہونا چاہئے جن میں خصوصی اوصاف مثلاً "کشتی نوح[۴]"، "امت کے اختلاف سے تحفظ کا ذریعہ[۵]"، ان سے جنگ پیغمبرؐ سے جنگ سے صلح پیغمبر سے صلح[۶] جیسے صفات پائے جاتے ہوں اور ہمیں یقین ہے کہ بیت نبوت کی طرف

---

۱. کیفیت صلوات از نگاه فریقین، ص ۳۷-۳۴۔

۲. کیفیت صلوات از نگاه فریقین، ص ۳۷-۳۴۔

۳. الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، ص ۲۳۴۔

۴. اثبات الهداة بالنصوص والمعجزات، ج ۱، ۵۵۷؛ حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۳۴۳، ج ۳، ص ۱۵۰؛ طبرانی، سلیمان، المعجم الصغیر، ج ۱، ص ۳۹؛ ابو نعیم اصفہانی، احمد، حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء، ج ۴، ص ۳۰۶؛ الصواعق المحرقہ، ص ۱۸۴ و ۲۳۴؛ شہرستانی عبد الکریم، مفاتیح الاسرار ومصابیح الانوار، ج ۱، ص ۱۹۹۔

۵. رسول خداؐ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ آسمان کے ستارے اہل زمین کے لئے امام ہیں ان کی بدولت زمین والے غرق ہونے سے محفوظ ہیں اور میرے اہل‌بیت بھی میری امت کے لئے امان ہیں ان کے ذریعہ اختلاف کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کسی قبیلہ نے ان سے اختلاف کیا تو وہ اپنے اندرونی اختلاف کی بناپر حزب شیطانی میں داخل ہوجائے گا۔ (حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، ج ۲، ص ۴۴۸، ج ۳، ص ۱۴۹ و ۴۵۷؛ الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، ص ۱۴۰ و ۱۴۱؛ حموینی، جوینی، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۴۵، ج ۲، ص ۲۵۲؛ طبری، احمد، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی، ص ۱۷)۔

۶. زید بن ارقم سے منقولؒ پیغمبرؐ کی اس حدیث میں ارشاد ہوا ہے: "انه، قال لعلی وفاطمةُ والحسن والحسین انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم" علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لئے فرمایا، تم جس سے صلح کروگے ہماری بھی اس سے صلح ہے اور جس سے تم جنگ کروگے ہماری بھی اس سے جنگ ہے، اس کے دوسرے مآخذ کی معلومات کے لئے احقاق الحق، مولفہ قاضی نوراللہ شوشتری، ص ۱۶۱-۱۷۴ ملاحظہ فرمائیں۔ (ترمذی، محمد بن عیسی، الجامع السنن، ج ۵، ص ۳۶۰، حدیث ۳۹۶۲؛ ابن ماجہ قزوینی، محمد، سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۵۲، حدیث ۱۴۵؛ حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۴۹)۔

منسوب ہونے والے ہر شخص میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے۔ ان اوصاف کے حامل صرف وہ افراد ہیں جن کا علم، سنت پیغمبرؐ اور کتاب خدا کے مطابق ہے اور قرآن کی طرح وہ بھی مقام عصمت پر فائز ہیں۔

اس بنا پر امام مہدی(ع) سے متعلق احادیث میں جو لفظ اہل بیت آیا ہے اس سے مراد یہی اصطلاحی معنی ہے اور ان افراد کو اہل بیت کہا جائے گا جو مخصوص اور منصوب ہیں اور سیرت نبی اسلامؐ میں جنہیں ہمیشہ ارجمند، بلند اور بافضیلت گردانا گیا ہے۔

اہل بیت کے اصطلاحی معنی کو جاننے اور دینی نظام میں ان کی حیثیت کو سمجھنے کے لئے ان احادیث کی تھوڑی سی توضیح کسی حد تک مددگار ثابت ہوگی جس میں رسول خداؐ نے اہل بیت کے اصطلاحی معنی بتائے ہیں اور وجود امام اور ضرورت معرفت امام کا ذکر کیا ہے اور فریقین نے انہیں نقل بھی کیا ہے۔ پیغمبرؐ اسلام ارشاد فرماتے ہیں:

مَن مَاتَ وليس عليه امام فميتَتُهُ ميتةٌ جاهلية[1]۔ ترجمہ: جو مر جائے اور اس کا کوئی امام نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

کلینی نے باب "من مات وليس له امام" میں اس حدیث کو دوسری حدیثوں کے ساتھ نقل کیا ہے، بعض شیعہ علماء مثلاً شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ق) کی نظر میں یہ حدیث متواتر ہے۔ اہل سنت کے متعدد مدارک میں بھی یہ حدیث منقول ہے۔ منجملہ ان کے مسند احمد بن حنبل اور صحیح ابن حبان میں رسول خداؐ سے مروی ہے:

من مات بغير امام مات ميتة جاهلية[2]۔ البتہ محققین مسند احمد اس حدیث کو "صحیح لغیرہ" جانتے ہیں[3]۔

اس انتخاب، منزلت اور ضرورت معرفت کی جڑیں قرآن سے ان کے خصوصی رابطہ میں پنہاں ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جنہیں حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھی کی حیثیت سے پہچنوایا گیا ہے۔ فریقین کے اتفاق نظر کی بنیاد پر امام مہدی(ع) کی تحریک، احیاء اسلام کی تحریک ہے، آپ کا مقصد احیائے دین ہے اور آپ انسانوں کو خالص توحید کی طرف بلانا چاہیں گے تاکہ تمام ادیان پر، دین حق کے غلبہ کا الٰہی وعدہ پورا ہو[4]۔

---

۱. الکافی، ج۱، ص۳۷۶۔

۲. مسند الامام احمد بن حنبل، ج۴، ص۲۱۹؛ ابن حبان، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، ج۱۰، ص ۴۳۹۔

۳. ایضاً، ص۲۹۱۔

۴. دیکھئے: قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر (المنسوب الی) القمی، ج۱، ص۲۸۹؛ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان لعلوم القرآن، ج۷، ص۲۴۰؛ رازی ابوالفتوح حسین بن علی، روض الجنان وروح الجنان، ج۴، ص۵۳؛ ابن شہر آشوب، محمد، مناقب آل ابی طالب، ج۲، ص۶۹؛ فیض کاشانی، محمد محسن، الصافی فی تفسیر القرآن، ج۲، ص۲۳۸-۲۳۹؛ مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج۷، ص

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ:

۳. ہم ان کو اسی اہل بیت میں سے سمجھیں جن کے اوصاف مخصوص ہیں اور حدیث ثقلین میں جنہیں قرآن کا ہم وزن قرار دیا گیا ہے۔

۴. انہیں یقین کی منزل میں خالص توحید سے آراستہ ہونا چاہئے تاکہ ایک طرف تو وہ بغیر کسی خطا کے دین کی معرفت رکھتے ہوں اور دوسری طرف بغیر لغزش وخطا کے اسے نافذ کریں تاکہ دین حق کے سلسلہ میں ارادۂ خدا پورا ہو، اور یہ وہی مقام ہوگا جسے مقام عصمت کہتے ہیں۔ حقیقت میں ایسی ہی شخصیت کی معرفت، انسان کو جہالت کی موت سے نجات دیتی ہے اور کسی دوسرے فرد کے لئے ایسی صلاحیت قابل اثبات نہیں ہے۔

امام مہدی(ع) اور اہل بیتؑ کے قرآن سے رابطہ کے آثار

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث ثقلین اور دوسری حدیثوں میں اہل بیت سے مراد مخصوص افراد ہیں اور امام مہدی(ع) انہیں میں سے ایک ہیں، تو امام مہدی(ع) اور اہل بیتؑ کے قرآن سے رابطہ کے آثار پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ امام مہدی(ع) کے بعض اوصاف معلوم ہو سکیں:

الف: میزان ہدایت: حدیث ثقلین کی بنیاد پر قرآن کے ساتھ ساتھ اہل بیت سے تمسک گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہوگا کیونکہ اہل بیتؑ، کتاب خدا کا دوسرا نسخہ ہیں اور ان کی فکر قرآن پر منطبق ہوتی ہے وہ قرآن جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے، اس کے علاوہ گمراہی ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن سے کسی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور ہدایت پاجاتا ہے تو اہل بیت سے بھی اتنا ہی بہرہ مند ہوگا[1]۔ اس کے علاوہ قرآن کے سلسلہ میں اہل بیتؑ جو کچھ بیان کریں گے اس میں خطا کا شائبہ نہیں ہوگا ورنہ قرآن کے ساتھ ان سے تمسک کے نتیجہ میں گمراہ نہ ہونے کی ضمانت نہ ہوتی۔

اہل بیتؑ کے سلسلہ میں اس رخ کو رسول اکرمؐ نے یوں بیان فرمایا ہے: ھم مع القرآن والقرآن معھم لایفارقونہ ولایفارقھم حتی یردوا علی الحوض[2]۔

۴۴۰، ۴۴۱، طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۱۵، ص ۱۵۲؛ ابن جریر، محمد، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، ج ۱۴، ص ۸۸؛ بغوی، حسین، معالم التنزیل، ج ۶، ص ۲۸، واحدی نیشاپوری، علی بن احمد، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، ج ۲۔ ص ۴۹۱؛ قرطبیؒ، محمد، الجامع لاحکام القرآن، ج ۸، ص ۱۲۱۔

۱. الکافی، ج ۱، ص ۵۱ و ۳۹۹۔

۲. ایضاً، ج ۱، ص ۱۹۱؛ کتاب الولایہ، ص ۱۹۹، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۱۴۔

ترجمہ: اہل بیت قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے، یہ قرآن سے جدا نہیں ہیں اور قرآن ان سے جدا نہ ہوگا یہاں تک یہ ہمارے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں۔

علم و عمل کے اعتبار سے اہل بیتؑ قرین قرآن ہیں۔ کتاب خدا کے تمام علوم ومعارف ان کے پاس موجود ہیں، اس وجہ سے یہ ہدایت کا نمونہ ہیں اگر انہیں قرآن کا کوئی حصہ سمجھ میں نہیں آئے گا تو وہ حصہ ان سے جدا ہوجائے گا اور پیغمبرؐ کی حدیث میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ حضرت علیؑ نے بڑے اچھے اور خوبصورت انداز سے اور معجزانہ الفاظ میں اس کی تعبیریوں پیش کی ہے:

فمضیٰ لسبیله وترک کتاب الله واهل بیته، امامین لایختلفان واخوین لایتخاذلان ومجتمعین لا یفترقان...[۱]۔

ترجمہ: پس پیغمبر خداؐ دنیا سے چلے گئے لیکن آپ نے ان دونوں کو امت کے درمیان چھوڑ دیا یہ دونوں ایسے پیشوا ہیں جو ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے۔ ایسے دو بھائی ہیں جو ایک دوسرے کو ذلیل نہیں کرتے یہ ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

لہٰذا صرف یہی افراد قرآن کے برابر اور اسوۂ ہدایت ہیں۔ ان کے بارے میں ہی پیغمبر اسلامؐ کی خاص وصیت ہے ورنہ پیغمبرؐ سے نسبی رابطہ رکھنے والے ہر مومن کا ایسے مقام ومرتبہ پر فائز ہونا ناممکن ہے کیونکہ یہ وحی، سنت اور سیرت رسول خداؐ کے خلاف ہے۔

ب: قرآن ناطق: امام مہدی(عج) اور اہل بیتؑ، قرآن ناطق ہیں۔ اس سلسلہ میں گذشتہ روایتوں کے علاوہ دوسرے منابع سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ نہج البلاغہ میں مولائے کائنات نے اہل بیت کے بارے میں حدیثیں بیان کی ہیں اور متعدد مقامات پر اہل بیت اور قرآن کے مرتبہ کو ظاہر کرکے قرآن سے متعلق ان کے خاص علوم سے پردہ ہٹایا ہے۔ مثلاً خطبہ ۱۴۷ میں آپ فرماتے ہیں:

واعلموا انکم لن تعرفوا الرشد حتی تعرفوا الذی ترکه ولن تاخذوا بمیثاق الکتاب حتّٰی تعرفوا الذی نقضه ولن تمسکوا به حتی تعرفوا الذی نبذه، فالتمسوا ذلک من عند اهله فاِنّهم عیش العلم وموت الجهل هم الّذین یخبرکم حکمهم عن علمهم وصمتهم عن منطقهم وظاهرهم عن باطنهم لایخالفوں الدین ولایختلفون فیه فهو بینهم شاهد صادق وصامت ناطق۔

ترجمہ: جان لو کہ جب تک تم ان لوگوں کو نہیں پہچانو گے جنہوں نے ہدایت کو چھوڑ دیا اس وقت تک

۱۔ ابن طاوس، علی، کشف المحجۃ لثمرۃ المہجۃ، ص ۲۳۸۔

ہدایت و نجات کو نہیں پہچان سکتے، جب تک قرآن سے عہد و پیان توڑ دینے والوں کو نہیں جانو گے اس وقت تک قرآن سے عہد و پیان مضبوط نہیں ہوگا اور جب تک قرآن کو پس پشت ڈال دینے والوں کو نہیں پہچانو گے اس وقت تک قرآن سے تمسک نہیں کر سکتے لہٰذا ان کے پاس ہدایت تلاش کرو جو اس کے اہل ہیں (وہ عترت پیغمبرؐ ہیں) ان کی بدولت علم کی زندگی اور جہل کی موت ہے۔ ان کا حکم ان کے علم سے تمہیں با خبر کرتا ہے، ان کی خاموشی ان کی گفتگو اور ان کا ظاہر ان کے باطن کی حکایت کرتا ہے۔ نہ وہ دین کے خلاف ہیں اور نہ اس سے ان کا کوئی اختلاف ہے۔ دین ان کے نزدیک گواہ صادق اور سکوت گویا ہے۔

جن افراد کو امام نے اس خطبہ میں علم کی زندگی اور جہل کی موت سے تعبیر کیا ہے وہ اہل بیت کے سوا اور کوئی نہیں ہیں اس بات پر آپ کے دوسرے خطبے بھی گواہ ہیں کہ جن میں صرف اہل بیت کے لئے ایسے اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (خطبہ ۲۳۹)

اہل بیتؑ کے ایسے صفات کا تذکرہ نہج البلاغہ میں اتنا زیادہ ہے کہ اگر اس کی صرف فہرست پیش کی جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے (نمونہ کے طور پر خطبہ ۲، ۸۷، ۹۳، ۹۴، ۱۲۰، ۱۴۴، ۱۵۴،... اور حکمت ۱۴، ۱۰۹ ملاحظہ فرمائیں)

صحیفۂ سجادیہ میں بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں ایسی تعبیریں موجود ہیں مثلاً چوتھی دعا میں ارشاد ہوتا ہے:

اللهم يا من خص محمداً وآله بالكرامة... وجعلهم ورثة الانبياء وعلّمهم علم ماكان ومابقى...[۱] ترجمہ: اے وہ خدا! جس نے آل محمدؐ کو کرامت سے مخصوص کیا اور انہیں وارث انبیاء قرار دیا... اور انہیں گذشتہ اور آئندہ کا علم عطا کیا۔

آپ دوسری دعا میں ارشاد فرماتے ہیں:

اللهم انك انزلته (اى القرآن) على نبيك محمد صلى الله عليه وآله مجملاً وألهمته علم عجائبه مكملاً وورثتنا علمه مفسراً... وقويتنا عليه لترفعنا فوق من لم يطق حمله (دعا،۴۲)

ترجمہ: خدایا تو نے اپنے پیغمبر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن بطور اجمال (بغیر شرح کے) نازل کیا اور عجائب اور راز کو تو نے ان پر مکمل طور پر الہام کر دیا اور ہمیں ان کے علم کی تفسیر و توضیح کا وارث بنایا اور جو اس کے علم سے آگاہ نہیں ہیں تو نے ہمیں ان پر برتری عطا کی اور علمی لحاظ سے تو نے ہمیں ان سے

---

۱. فیض الاسلام، صحیفہ سجادیہ، دعا نمبر ۴۔

قوی بنایا تاکہ ان سے برتر قرار دے جو اس کے بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ج: وارث معارف الٰہی: ان ادلہ کو دیکھنے کے بعد قرآن سے متعلق اہل بیتؑ اور خاص کر امام مہدیؑ کے علم کی کمیت اور کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امامؑ وارث علم اولین وآخرین ہیں کیونکہ قرآن میں تمام علوم موجود ہیں اور اہل بیت اور خاص کر امام مہدی(عج) تمام معارف قرآن سے واقف ہیں جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

انی لاعلم خبر السماء وخبر الارض وخبر ماکان وماھو کائن کانہ فی کفّی (ثم قال) من کتاب اللہ اعلم ان اللہ یقول: فیہ تبیان کل شئی[1]۔

ترجمہ: میں آسمان وزمین کی خبر سے واقف ہوں اور جو بھی تھا اور جو کچھ ہے اس سے آگاہ ہوں جیسے وہ سب میری ہتھیلی پر موجود ہے (پھر آپ نے فرمایا) یہ ساری باتیں ہمیں کتاب خدا سے معلوم ہیں۔ خدا (قرآن کے بارے میں) فرماتا ہے قرآن میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

چونکہ قرآن کریم کے معارف بے کراں ہیں اس بناپر اس حدیث پر ایجابی نظر ڈالی جائے اور غور وخوض کیا جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث بھی قرآنی معارف کی طرف اشارہ کرتی ہے:

من اراد علم الاولین والآخرین فلیثوّر القرآن[2]۔

ترجمہ: جو اولین وآخرین کا علم حاصل کرنا چاہے وہ قرآن کو کھنگالے (یعنی قرآن پر اچھی طرح غور کرے اور اس کے معارف کو پہچانے)

اس وجہ سے قرآن کے ظاہر، باطن، تاویل، تنزیل، محکم، متشابہ، ناسخ، منسوخ جیسے تمام معارف سے امام مہدی(عج) اور تمام اہل بیتؑ کو واقفیت ہے لہٰذا وہ کسی کے سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتے اور نہ ہی احتجاج کے موقع پر شکست سے دوچار ہوتے ہیں اس کے برخلاف دوسرے افراد نے نہ تو اس سطح پر کبھی کوئی ایسا دعویٰ کیا اور نہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

د: بے خطا علم: اہل بیتؑ اور امام مہدی(عج) پاک وپاکیزہ ہیں، قرآنی معارف کی بلندیاں اور مطالب کی گہرائیاں ان کی روشن اور تابناک فکر میں محسوس طریقہ پر موجود ہیں کیونکہ قرآن نے اسے ایک کبریٰ کلیہ کی شکل میں بیان کیا ہے:

---

۱. الکافی، ج۱، ص۲۲۹

۲. العرف الوردی، ج۵، ص۱۵۸؛ زرکشی، بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، ج۲، ص۱۵۴؛ آلوسی، محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، ج۴، ص۲۷۸۔۲۷۹۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ [۱]۔

ترجمہ: یہ (پیغام) یقیناً قرآن کریم ہے، ایک پوشیدہ کتاب میں موجود ہے پاک افراد کے علاوہ دوسرا کوئی اسے چھو بھی نہیں سکتا۔

خداوند عالم سورہ احزاب کی آیت ۳۳ میں اس قضیہ کو بعنوان صغریٰ بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اہل بیتؑ ہر رجس سے پاک ہیں:

اِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً۔ ترجمہ: اے اہل بیت پیغمبرؐ، خدا چاہتاہے کہ تم سے ہر طرح کے رجس کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

لہٰذا قرآن کے بارے میں علم اہل بیتؑ خطاؤں سے پاک اور یقینی ہے اس میں شک وشبہ اور تفسیر بالرای کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تمام افراد دوسروں سے بے نیاز ہیں اور دوسرے ان کے محتاج ہیں۔ انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیاہے۔ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ بلاواسطہ الہام خدا ہے یا انہوں نے اپنے جد رسول خداؐ کے ذریعہ میراث میں حاصل کیا ہے اس وجہ سے وہ دوسروں کی طرح نہیں ہیں۔ دوسرے افراد جس طرح سیکھنے اور یاد کرنے کے محتاج ہوتے ہیں اور ان کے علم میں خطا واختلاف ہوتا ہے اہل بیتؑ کا علم ویسا نہیں ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں خاص طور پر اور دین کے سلسلہ میں عام طور پر ان کے بیانات تناقض سے پاک ہیں۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: لایخالفون الدین ولا یختلفون فیہ [۲]۔

ترجمہ: وہ نہ تو دین کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف ہے۔

حضرت علی کی تعبیر کے مطابق: ھم عیش العلم وموت الجھل [۳]۔ ترجمہ: وہ علم کی زندگی اور جہالت کی موت ہیں (ان کے سبب، علم زندہ ہے اور ان کے نزدیک، جہل مردہ ہے)۔

اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف خدا اور اس کے رسولؐ سے حاصل کردہ ہے۔ علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

إنّا عن الله ورسوله نحدث ولا نقول قال فلان و فلان فيتنا قض كلامنا انّ كلام آخرنا

۱۔ سورہ واقعہ، آیت ۷۷۔۷۹۔
۲۔ نہج البلاغہ، رضی، خطبہ ۱۴۷، ص ۲۳۹۔
۳۔ ایضاً۔

مثل کلام اولنا وکلام اولنا مصادق لکلام آخرنا[۱]۔

ترجمہ: ہم صرف خدا اور رسولؐ کے کلام سے باتیں کرتے ہیں (دوسروں سے علم نہیں حاصل کرتے) اور یہ نہیں کہتے کہ فلاں نے اس طرح اور فلاں نے اس طرح باتیں کی ہیں تاکہ ہمارے کلام میں تناقض پیدا ہو جائے۔ ہمارے آخر کا کلام بھی ہمارے اول کے کلام جیسا ہے اور ہمارے اول کا کلام آخر کے کلام کا مصدق ہے۔

شیخ صدوق اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"اہل بیتؑ کے درمیان آپس میں اختلاف نہیں ہے ہاں کبھی انہوں نے حکم واقعی کا فتویٰ دیا اور کبھی تقیہ والا حکم صادر فرمایا ہے، لہٰذا اگر کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ کلمہ تقیہ ہے[۲]"۔

نتیجہ

تطبیقی طریقہ کے تقاضہ کے مطابق امام مہدی(عج) کی شناخت میں فریقین کے مشترکہ نکات پر تکیہ کیا جاسکتا ہے۔ فریقین کی کتابوں میں موجود امام مہدی(عج) کے اوصاف اور دین حق کے احیاء کے سلسلے میں امام کی ذمہ داری کا تجزیہ کرنے کے بعد امام کی شخصیت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ اہل بیت کے مرتبہ اور اوصاف کی شناخت کے ذریعہ امام مہدی(عج) کی متعدد خصوصیتیں آشکار ہوتی ہیں۔

پیغمبرؐ کی زبان پر لفظ اہل بیت کے خصوصی استعمال پر غور و فکر کرکے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص اصطلاح ہے اور اعلی لیاقت کی بنا پر مخصوص افراد کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اس لیاقت کا بہت نمایاں نمونہ حدیث ثقلین میں موجود ہے جس سے اہل بیتؑ اور امام مہدی(عج) کی معرفت واضح ہو جاتی ہے۔

جب ہم امام مہدی(عج) کو دین حق کا احیاء کرنے والے کے عنوان سے دیکھتے ہیں تو ان کی شخصیت کے دوسرے اوصاف کا بھی سراغ مل جاتا ہے۔ اس بات کے لئے پہلے ہمیں دینی تعلیمات کا کلی ادراک حاصل کرنا ضروری ہے۔ دین کے احیاء اور امام مہدی(عج) کے عصمتی مرتبہ کے ربط کو اسی طریقہ سے سمجھنے میں ہمیں مدد ملتی ہے۔

امام مہدی(عج) (اہل بیتؑ کے ایک فرد کے عنوان سے) اور قرآن کے رابطہ کے آثار پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد ان کی شخصیت کے دوسرے اوصاف مثلاً ان کا میزان ہدایت، قرآن ناطق، وارث

---

۱. طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال، ج ۲، ص ۲۹۰؛ الکافی، حدیث ا، ص ۱۵۳۔

۲. عیون اخبار الرضا، ص ۱۵۷۔

معارف وحی اور علم بے خطا کا مالک ہونا، نمایاں ہو جاتا ہے۔ فریقین کی کتابوں سے یہ اوصاف قابل اثبات ہیں۔ ان اوصاف کے ادراک سے کسی حد تک لزوم معرفت امام والی حدیثوں کا سمجھنا ممکن ہے۔

منابع و مآخذ

۱. آل محسن، علی، مسائل الخلافیہ والرای الحق فیھا، بیروت، چوتھا ایڈیشن، ۱۴۲۴ھ۔

۲. آلوسی، محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، محمد حسین العرب، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ۔

۳. انیس، ابراہیم وغیرہ، المعجم الوسیط، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۴۱۲ھ۔

۴. ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق اسعد محمد الطیب، المکتبہ العصریہ، بیروت، ۱۹۱۹ء۔

۵. ابن ابی شیبہ، عبد اللہ، کتاب المصنف فی الاحادیث والاخبار، تصحیح محمد عبد السلام شاہین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ۔

۶. ابن جریر، محمد، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (التفسیر طبری)، بیروت، ۱۴۰۸ھ۔

۷. ابن حبان، صحیح ابن حبّان بترتیب ابن بلبان، تحقیق: شعیب الأرنووط، موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ۔

۸. ابن حنبل، احمد، مسند امام احمد بن حنبل، طبع محقق باشراف شعیب الارنووط، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ۔

۹. ابن سیدہ، علی، المحکم، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

۱۰. ابن شہر آشوب، محمد، مناقب آل ابی طالب، تحقیق یوسف البقاعی، دار الاضواء، دوسرا ایڈیشن، ۱۴۱۲ھ۔

۱۱. ابن طاؤس، علی، کشف المحجۃ لثمرۃ المھجہ، تحقیق محمد الحسون، مکتب الاعلام الاسلامی، قم، ۱۴۱۲ھ۔

۱۲. ابن عقدہ، احمد، کتاب الولایۃ، جمع وترتیب: محمد حسین حرز الدین، انتشارات دلیل، قم، ۱۴۲۱ھ۔

۱۳. ابن ماجہ قزوینی، محمد، سنن ابن ماجہ، تحقیق، محمد فؤاد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت۔

۱۴. ابن منظور، محمد، لسان العرب دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

۱۵. ابو داؤد، سلیمان، سنن ابی داؤد، تعلیق محمد عبد الحمید، دار احیاء السنۃ النبویہ، بیروت۔

۱۶. ابو نعیم اصفہانی، احمد، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، پانچواں ایڈیشن، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔

۱۷. اصفہانی، محمد حسین، مجد البیان فی تفسیر القرآن، موسسۃ البعثہ، قم، ۱۳۶۶ش۔

۱۸. اکبر نژاد، مہدی، بررسی تطبیقی مہدویت در روایات شیعہ واہل سنت، موسسۂ فرہنگی انتظار نور، قم، بوستان کتاب، ۱۳۸۶ش۔

۱۹. امین، سید محسن، اعیان الشیعہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔

۲۰. بابایی، علی اکبر و دیگران، روش شناسی تفسیر قرآن، پژوهشکدہ حوزہ و دانشگاہ، قم، ۱۳۷۹ش۔
۲۱. بحرانی، سید ہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، موسسہ اسماعیلیان، قم۔
۲۲. بغوی، حسین، معالم التنزیل (تفسیر بغوی)، تحقیق خالد عبد الرحمٰن العک، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔
۲۳. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح (سنن الترمذی) تحقیق، احمد شاکر، بیروت۔
۲۴. تستری، قاضی نور اللہ بن سید، احقاق الحق و ازھاق الباطل، تعلیق آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی، انتشارات کتاب خانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم۔
۲۵. حاکم نیشاپوری، ابو عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق یوسف عبد الرحمٰن المرعشی، دار المعرفۃ، بیروت۔
۲۶. حر عاملی، محمد، اثبات الہداۃ بالنصوص والمعجزات، تصحیح سید ہاشم رسول، المطبعۃ العلمیہ، قم۔
۲۷. حموئی جوینی، ابراہیم، فرائد السمطین، تحقیق محمد باقر محمودی، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۵ھ۔
۲۸. خزاز قمی، علی، کفایۃ الاثر، تحقیق کوہ کمری، انتشارات بیدار، قم، ۱۴۰۱ھ۔
۲۹. خطیب بغدادی، احمد، تاریخ بغداد او مدینۃ الاسلام، مدینہ۔
۳۰. خوارزمی، موفق، مناقب علی بن ابی طالب، تحقیق مالک المحمودی، موسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۱ھ۔
۳۱. رازی، ابو الفتوح حسین بن علی، روض الجنان و روح الجنان، انتشارات کتابخانہ آیت اللہ مرعشی، قم، ۱۴۰۴ھ۔
۳۲. راغب اصفہانی، حسین، مفردات الفاظ القرآن، تحقیق عدنان داؤدی، الدار الشامیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ۔
۳۳. زرکشی، بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، دار المعرفۃ، بیروت۔
۳۴. زمانی، محمد حسن، کیفیت صلوات از نگاہ فریقین، مجلّہ طلوع، سال دوم، ش ۶، مدرسۂ عالی امام خمینیؒ، قم، تابستان، ۱۳۸۲ش۔
۳۵. شریف رضی، نہج البلاغہ، ضبط صبحی صالح، بیروت، ۱۳۸۷ھ۔
۳۶. سیوطی، جلال الدین، العرف الوردی' (ضمن الرسائل العشرۃ) دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ۔
۳۷. الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۳ء۔
۳۸. شہرستانی، عبد الکریم، مفاتیح الاسرار و مصابیح الانوار، تحقیق محمد علی آذر شب، ۱۳۷۶ش۔
۳۹. صدوق، محمد بن علی بن بابویہ، عیون اخبار الرضا، مکتبہ المصطفوی، قم۔
۴۰. کمال الدین و تمام النعمۃ، تصحیح علی اکبر الغفاری، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۵ھ۔
۴۱. معانی الاخبار، تصحیح علی اکبر الغفاری، انتشارات اسلامی، قم، ۱۳۶۱ش۔

۴۲. من لا یحضرہ الفقیہ، تعلیق سید حسن موسوی خرسان، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۹۰ش۔
۴۳. صفار، محمد، بصائر الدرجات فی فضائل آل محمد، تصحیح محمد کوچہ باغی، قم، ۱۴۰۳ھ۔
۴۴. طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، منشورات، جامعہ مدرسین، قم
۴۵. طبرانی، سلیمان، المعجم الصغیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
۴۶. طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان لعلوم القرآن، تحقیق: محلاتی و طباطبائی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۶ھ۔
۴۷. اعلام الوریٰ باعلام الہدی، قم، ۱۴۰۲
۴۸. طبری، احمد، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، تحقیق اکرم البوشی، مکتبہ التابعین، قاہرہ، ۱۴۱۵ھ۔
۴۹. طوسی، محمد بن حسن، اختیار معرفۃ الرجال، تصحیح میر داماد، استر آبادی، قم۔
۵۰. کتاب الغیبۃ، تحقیق عباد اللہ الطہرانی، موسسہ المعارف الاسلامیہ، قم۔
۵۱. عیاشی، محمد بن مسعود، تفسیر العیاشی (کتاب التفسیر) تصحیح ہاشم رسول محلاتی، تہران، المکتبۃ الاسلامیۃ۔
۵۲. فراہیدی، خلیل، ترتیب کتاب العین، تحقیق مہدی المخزومی و ابراہیم السامرائی، انتشارات اسوہ، قم، ۱۴۱۲ھ۔
۵۳. فیض الاسلام، صحیفہ سجادیہ، ۱۳۷۵ھ۔
۵۴. فیض کاشانی، محمد محسن، الصافی فی تفسیر القرآن، تصحیح الشیخ حسین الأعلمی، دار المرتضیٰ، بیروت۔
۵۵. فیومی، احمد، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، موسسہ دار الھجرۃ، دوسرا ایڈیشن، قم، ۱۴۱۴ھ۔
۵۶. قرطبی، محمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتاب العربی، القاہرہ، ۱۳۸۷ھ۔
۵۷. قشیری، نیشاپوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم۔
۵۸. قمی، علی بن ابراہیم، تفسیر (المنسوب الی) القمی، تصحیح السید طیب الموسوی، قم، ۱۴۰۴ھ۔
۵۹. قندوزی حنفی، سلیمان، ینابیع المودۃ، تحقیق سید علی جمال اشرف الحسینی، مطبعہ اسوہ۔
۶۰. کلینی، محمد، الکافی، تصحیح علی اکبر الغفاری، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۸۸ھ۔
۶۱. کنجی شافعی، محمد، البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق محمد کاظم محمودی، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ، قم، ۱۴۳۱ھ۔
۶۲. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار الائمہ الاطہار، المکتبۃ الاسلامیہ، تہران، ۱۳۹۷ھ۔
۶۳. مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول، دار الکتب الاسلامیہ، دوسرا ایڈیشن، تہران، ۱۳۶۳ھ۔
۶۴. محمد (نجار زادگان)، فتح اللہ، سلامۃ القرآن عن التحریف، نشر مشعر، تہران، ۱۳۸۲ش۔
۶۵. مزّی، یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، تحقیق بشار عواد معروف، ۱۴۱۳ھ۔
۶۶. مفید، محمد بن محمد، الافصاح فی الامامۃ، کنگرہ جہانی ہزارہ شیخ مفید، ۱۴۱۳ھ۔

٦٧. الارشاد، کنگرہ جہانی ہزارہ شیخ مفید، ١٤١٣ھ۔
٦٨. مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، دار الکتب الاسلامیہ، ٣٦واں ایڈیشن، تہران، ١٣٨٦ھ۔
٦٩. نسائی، احمد، خصائص امیرالمومنین علی ابن ابی طالب، تحقیق محمد کاظم محمودی، قم، ١٤١٩ھ۔
٧٠. نعمانی، محمد، کتاب الغیبہ، تحقیق علی اکبر الغفاری، تہران، مکتبہ الصدوق۔
٧١. ہیتمی، ابن حجر، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی البدع والزندقۃ، تخریج وتعلیق عبد الوہاب عبداللطیف، مکتبہ القاہرہ، قاہرہ۔
٧٢. حسکانی، عبید اللہ بن عبد اللہ، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، تحقیق محمد باقر محمودی، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیہ، قم، ١٤١١ھ۔
٧٣. واحدی، نیشاپوری، علی ابن احمد، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، تحقیق علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٥ھ۔
٧٤. اسباب نزول القرآن الکریم، تحقیق کمال بسیونی زغلول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ١٤١١ھ۔

تعلیم وتربیت اور تعلیمات مہدویت کا ربط

مولف: مجتبیٰ گودرزی
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

اس مقالہ میں تعلیم وتربیت پر مہدویت کی تعلیمات کے اثرات کے سلسلہ میں تحقیق پیش کی گئی ہے لہٰذا مقدمہ میں تعلیم وتربیت کے مفہوم کے بیان، ان دونوں کا رابطہ اور مہدویت کی تعلیمات میں جو اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے، ان کا مقام بیان کرنے کے بعد دو بنیادی تعلیمات یعنی معرفت امام عصرؑ اور انتظار ظہور پیش کر کے تعلیم وتربیت پر ان کے اثرات کی تحقیق کی گئی ہے۔ معرفت امام کی تعلیمات، شناخت خدا، دین کی حفاظت اور خلافت الٰہی کی پہچان میں ہمارے لئے مددگار ہے۔ ظہور کے انتظار کی تعلیمات بھی امید افزا، خود ساز اور دیگر ساز ہے۔ انسانوں کی تعلیم وتربیت پر ان تعلیمات کا بڑا اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔ تربیتی روش کے دامن میں نمونہ سازی، عملی مثالیہ اور وعظ ونصیحت کا جوہر پوشیدہ ہے اس میں انسانوں کے لئے کمال وسعادت کی ضمانت ہے۔ اس سے انسان اپنے مقصد تخلیق یعنی مقام قرب وعبودیت تک پہونچتا ہے۔ مہدویت کی تعلیمات میں انسان کی حقیقی اور فطری ضرورتیں موجود ہیں۔ مہدویت کی تعلیمات سے واقفیت اور اس پر عمل انسان کو منزل مقصود تک پہونچاتا ہے اس کے علاوہ دوسرے راستے گمراہی اور تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

جدیدیت کی پر فریب چمک دمک نے بہت سی چیزوں خصوصاً اخلاق، تعلیم وتربیت اور انسانی معاشرہ کو انحطاط اور سقوط کی منزل تک پہونچادیا ہے۔ آسمانی اور انسانی تعلیم واقدار ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف گامزن ہیں، علم کی طرف تیزی سے بڑھتے قدم ہدایت اور بچاؤ یعنی تربیت سے غافل ہیں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات خصوصاً مہدویت، قبول حق کے لئے آمادہ انسانی دلوں کے لئے نور افشاں ہے۔ البتہ بعض اسلامی ممالک کی قابل افسوس حالت اور بعض مسلمانوں کی ان تعلیمات سے ناواقفیت، ایک دردناک صورت حال ہے جو امام زمانہؑ کے حقیقی منتظرین کے لئے باعث تشویش ہے۔

مشرقی اور مغربی ممالک ہی نہیں بلکہ اسلامی معاشرہ میں بھی مختلف وجوہات مثلاً غفلت، شناخت اور بصیرت کا فقدان، عملی مرحلہ میں سہل انگاری وغیرہ کی بنا پر انتظار، معرفت امام عصرؑ، تعجیل فرج کے لئے

دعا، امامت و مہدویت کی بنیاد، منتظرین کے اوصاف وفرائض وغیرہ جیسی باتیں کم رنگ ہوگئی ہیں اور فقط اس کا ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے۔ مہدویت کے موضوع پر جس زاویہ سے بھی تحقیق ہو یہ در حقیقت خوش خبری، سعادت، معنویت، اخلاق عدالت و تقوی اور روشن مستقبل کی نوید ہے، اس کے علاوہ یہ موضوع الٰہی اور انسانی منشاء شمار ہوتا ہے۔

اس بناپر تعلیم وتربیت کے میدان میں مہدویت کی تعلیمات واثرات کی تحقیق، مہدویت کے محققین کی بڑی ذمہ داری ہے۔ ہمارے خیال میں مہدی موعود کی عالمی حکومت میں اسلامی تعلیم وتربیت اور عقل محوری کو معاشرہ میں رائج کرنا، آپ کا اصلی لایحہ عمل ہوگا، جس سے لوگوں کی علمی ظرفیت اور معرفت حد کمال تک پہنچ جائے گی۔ امام محمد باقرؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"جب قائم قیام کریں گے تو لوگوں کی عقلی صلاحیت کو مرکزیت بخشیں گے اور اپنے (الٰہی نوازشوں والا) ہاتھ لوگوں کے سروں پر رکھیں گے، عقل وخرد کو کمال کی منزل عطا کریں گے اور لوگوں کے علم کو وسعت عطا فرمائیں گے"[1]۔

حضرت (عج) کی حکومت میں فکری اور عرفانی قلّت نہ ہوگی، علم کے سرچشمہ سے تمام افراد سیراب ہوں گے یہاں تک کہ خاتون خانہ بھی اس سے بے بہرہ نہیں ہوگی۔

امام محمد باقرؑ کی روایت اس طرح ہے:

"مہدی (عج) کی حکومت میں سب لوگ علم وحکمت حاصل کریں گے یہاں تک کہ خاتون خانہ بھی کتاب خدا وسنت پیغمبرؐ کے مطابق فیصلہ کرے گی"۔

قرآن کریم نے حضرت مہدی (عج) کی تشبیہ[2] آب خوشگوار سے دی ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَعِينٍ[3]۔

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر تمہارے پینے کا پانی زمین میں چلا جائے گا تو تمہارے لئے آب رواں کون لائے گا۔

امام محمد باقرؑ نے آب حیات کو امام مہدی (عج) کے وجود اور لوگوں میں علم ومعرفت کی ترویج سے تعبیر کیا ہے۔

---

۱. محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، جلد ۵۲، ص ۳۳۶۔

۲. شیخ الصدوق، کمال الدین وتمام النعمہ، ج۱، ص ۳۲۵۔

۳. سورہ ملک، آیت ۳۰۔

تعلیم وتربیت، دین اسلام کی آسمانی تعلیم کا ایک رکن ہے اور خدا نے قرآن کریم میں تعلیم وتربیت کی علامت کے طور پر "قلم" کی قسم کھائی ہے اور اس کے ذریعہ انسان کو کرامت بخشی ہے[1]۔

رسول اکرمؐ نے بھی مسلمانوں پر حصول علم کو واجب قرار دیا ہے جس کے نتیجہ میں آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ کی کوششوں سے صدر اسلام میں معاشرہ کی شناخت تعلیم وتربیت سے وابستہ تھی اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔ تعلیمات مہدویت جو تعلیم وتربیت کے لئے خصوصی محرک ہے وہ تعلیم وتربیت کے باب میں اسلام کا ایک بہت ہی مستغنی سرچشمہ ہے جو ماضی سے زیادہ آج اس کی پشت پناہی میں مصروف ہے اس بناپر اس عظیم سرچشمہ تک ہماری رسائی ان تعلیمات کی علمی اور عملی وسعت کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔

اسلامی تعلیمات احکام، عقائد اور اخلاق پر مشتمل ہے اور تعلیم وتربیت کی بحثیں اخلاق کے زمرہ میں شامل ہیں اس وجہ سے ہماری ذمہ داری بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ قوانین پر عمل درآمد میں سہل انگاری اور مہدویت کی قیمتی تعلیم سے غفلت، اخلاق کے رکن کو منہدم کرنے اور تدریجی ترقی کے راستے سے ہٹنے کے برابر ہے۔ اس میں اسلامی معاشرہ خصوصاً شیعہ سماج اور سچے منتظرین کے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے۔ مہدویت کی تعلیم کی تبیین اور شناخت اور تعلیم وتربیت پر اس کے اثرات کے سلسلہ میں خصوصی طور پر یہ مقالہ تحریر کیا جارہا ہے۔ اس کے مطالب تین موضوعات پر مشتمل ہیں:

۱. تعلیم وتربیت کے معنی اور دونوں کا باہمی ربط اور اس کی اہمیت۔
۲. اسلام میں تعلیم وتربیت کی اہمیت اور اس کے سایہ میں تدریجی ترقی۔
۳. تعلیمات مہدویت میں سے چند نمونوں کا انتخاب مثلاً امام عصرؑ کی معرفت، انتظار اور تعلیم وتربیت پر ان کا اثر۔

الف: تعلیمات مہدویت اور تعلیم وتربیت

۱. **تعلیم:** لفظ تعلیم باب تفعیل کا مصدر ہے یہ اپنے مادہ "ع ل م" سے مشتق ہے جو اصطلاح میں سکھانے کے معنی میں بولا جاتا ہے (سکھانے والے کا سیکھنے والے کی طرف معلومات منتقل کرنا[2])

---

۱. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، ترجمہ: پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے وہی جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔ انسان جو نہیں جانتا تھا اس نے اس کا بتدریج علم عطا کیا (سورہ علق، آیت ۳-۵)۔
۲. سید مہدی صانعی، پژوہشی در تعلیم وتربیت اسلامی، ص ۱۴۔

راغب نے مفردات میں لکھا ہے مکرر بتانے کو تعلیم کہا جاتا ہے اس طرح کہ متعلّم کے ذہن میں اس کا اثر مرتب ہو[۱]۔ بعض کہتے ہیں کہ فکری توانائی میں ابتکار اور خلاقیت پیدا کرنا[۲] یا فکری توانائی اور انسانی عقلی پہلو کی پرورش کرنا تعلیم[۳] ہے۔ بہر حال فکری مسائل سے مرتبط ایک حصہ کو تعلیم اپنے دامن میں سمیٹتی ہے اور اس کا براہ راست عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسے ریاضیات وفلسفہ۔ دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو تعلیم کا تعلق انسان اور حیوان سے مخصوص ہے کیونکہ جس طرح ارادہ، حافظہ اور تفکر کی طاقت انسان میں ہوتی ہے ویسے ہی یہ توانائی تھوڑی بہت غریزی صورت میں حیوان کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ کلی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف طریقوں مثلاً آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ علم کو دوسروں تک منتقل کر دینے کا نام تعلیم ہے۔ یہ علم چاہے رشد[۴] وہدایت کا سبب بنے یا ظلم وفساد[۵] کا، چاہے انسان[۶] کے لئے ہو یا حیوان[۷] کے لئے، کلام[۸] کے ذریعہ منتقل ہو یا الہام ووحی[۹] کے توسط سے۔ اس مقالہ میں جس تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے وہ انسان سے متعلق ہے اور وہ تعلیم مراد ہے جو رشد وہدایت کا سبب ہو جس کا سرچشمہ کلام وحی، معصومینؑ کی باتیں اور مہدویت کی تعلیم ہے۔

۲. **تربیت:** لفظ تربیت، عربی ہے اور باب تفعیل کا مصدر ہے۔ یہ لفظ کبھی غذا دینے، کبھی تہذیب اور اخلاق کو آلودگی سے پاک کرنے یا رشد وہدایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ راغب اصفہانی نے مفردات میں لفظ "رب" کے ذیل میں بیان فرمایا ہے کہ اپنے کمال[۱۰] کی آخری حد تک ایک حالت

---

۱. راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مادہ علم۔

۲. محمد علی سعادت، اخلاق اسلامی، ص ۹۔

۳. محمد حسن رحیمیان، اخلاق وتربیت اسلامی، ص ۱۷۔

۴. هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ ترجمہ: علم جو آپ کو ملا ہے اس سے آپ مجھے بھی تعلیم دیں گے کیا میں اس شرط کے ساتھ آپ کی پیروی کروں۔ (سورہ کہف، آیت ۶۶)۔

۵. فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ۔ ترجمہ: وہ لوگ ان دوفرشتوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جو شوہر اور زوجہ کے درمیان جدائی ڈال دیتی تھی۔ (البقرہ، آیت ۱۰۲)۔

۶. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ ترجمہ: انسان جو نہیں جانتا تھا اس نے اسے (بتدریج) یاد دلایا ہے۔ (علق، آیت ۵)۔

۷. وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ ۔ ترجمہ: جن کتوں کو تم نے خدا کے دئے ہوئے علم سے تربیت دی اور سدھایا ہے تمہارے اوپر ان کا شکار حلال ہے۔ (سورہ مائدہ، آیت ۴)۔

۸. وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ترجمہ: وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، (سورۂ جمعہ، آیت ۲)۔

۹. وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ترجمہ: اور جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ (مائدہ، آیت ۱۱۰) ۔

۱۰. الرب فی الاصل التربیۃ وھو انشاء الشئی حالاً فحالاً الی حذا۔

سے دوسری حالت کی طرف کسی چیز کی تدریجی تحریک کا نام تربیت ہے، دہخدا نے اپنے "لغت نامہ" میں تربیت کا مطلب پرورش کرنا، تربیت کرنا اور سکھانا بیان کیا ہے۔

رُشد عطا کرنا، رشد وہدایت کی زمین ہموار کرنا، استعداد کو ابھارنے کا موقع فراہم کرنا اور کسی موجود کی پوشیدہ قوتوں کو فعلیت کے مرحلہ[۱] میں لانا، تربیت کے اصطلاحی معنی ہیں۔ کمال کے راستہ میں صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے موانع ختم کرنا اور مقتضیات فراہم کرنا تربیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ انسان کی اندرونی توانائیوں اور استعداد کو ابھارنے کا انتظام، تربیت ہے[۲]۔

پہلی تعریف میں دوسری تعریف کی بہ نسبت زیادہ عمومیت پائی جاتی ہے تربیت کی پہلی تعریف میں تمام موجودات شامل ہیں مثلاً سیب کے بیج میں شرائط واسباب جمع ہو جانے کے بعد، سیب بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اس وجہ سے کہاجاتاہے کہ سیب کے بیج میں سیب موجود ہے اسی طرح انسان کے اندر بھی تمام صلاحیتوں کو ابھارنے کے لئے حالات پیدا کرنا تربیت ہے۔

جنین کی حالت سے بلوغ تک، رشد انسانی کی طبیعی حالت میں روحانی اور اخلاقی استعداد کی پرورش کو معارف اسلامی میں تربیت کہتے ہیں۔ تربیت کے سلسلہ میں انسان کی ماہیت، اختیار کی بنیاد پر استوار ہے اسی وجہ سے علم اخلاق میں کہاجاتاہے کہ صاحب اختیار ہونے کی بناپر انسان مختلف ماہیتوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حالانکہ دوسرے موجودات مثلاً حیوانات اور نباتات کے سامنے صرف ایک ماہیت ہوتی ہے مثلاً سیب میں صرف سیب بننے کی ماہیت پائی جاتی ہے، مرغ کے چوزہ میں صرف مرغ بننے کی ماہیت پوشیدہ ہوتی ہے لہٰذا انسانوں میں مختلف اور متناقض ماہیت اور شخصیت والے افراد پائے جاتے ہیں۔

انسان کی انسانیت، انسانی ماہیت کی رہین منت ہے لیکن جب اس کی پرورش اعتدال کی حد میں اندرونی صلاحیتوں اور روحانی وفطری پہلوؤں کے ساتھ کی جائے تب انسانیت کو ابھر کر سامنے آنے کا موقع ملتاہے۔ اس کے اندر بڑی گراں قدر اور حیرت انگیز صلاحیتیں موجود ہیں، پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ "انسان سونے اور چاندی کے معدن کی طرح ہے"[۳]۔ ایسی بامعنی تعبیر کے سایہ میں انسان کو تربیت کرنے کی کوشش کرنی کرنی چاہئے تاکہ اپنی صلاحیتوں کے شکوفا ہونے کی راہ میں موجود موانع بر طرف ہو جائیں اور مساعد زمین ہموار ہو جائے اس طرح صلاحیتں ابھر کر سامنے آجائیں گی اور انسان الٰہی عطا کردہ صفات وکمالات سے

---

۱. امیر حسین بانکی پور واحمد قماشچی، تعلیم وتربیت از دیدگاہ مقام معظم رہبری، ج۱، ص ۵۳۔

۲. مجید رشید پور، آشنایی با تعلیم وتربیت اسلامی، ج ٦، ص ۱۱۔

۳. محمد باقر مجلسی، سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۱٦۸، مادہ عدن۔

متصف ہو جائے گا۔

ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ کیا دینی تربیت (جو کہ ہمارا موضوع بحث ہے)انسان کے اندر کوئی ایسی چیز ایجاد کرتی ہے جو اس کے اندر موجود نہیں تھی یا یہ کہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کی بنیاد اس کے اندر موجود ہے؟ تربیت کی دوسری تعریف سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تربیت کی بنیاد فطری ہے۔ اس میں کوئی تردید ہی نہیں کہ انسان موضوع تعلیم وتربیت ہے اور اس کے اندر فطری خصوصیت موجود ہے۔ دینی تعلیم بھی انہیں فطری باتوں پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ منشائے تربیت، وحی اور کلام الٰہی ہے جو صلاحیتوں کو ابھارنے اور کامل تربیت کا باعث بنتی ہے"[1]۔

اس بنا پر اس تحقیق میں تربیت سے مراد وہ اسلامی تربیت ہے جس کا سرچشمہ وحی الٰہی اور تعلیمات انبیاء ومعصومین علیہم السلام ہیں۔

۳. **تعلیم وتربیت کا رابطہ اور فرق:** تعلیم وتربیت کی تعریف پر غور کرنے کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ تعلیم، تربیت ہی کا ایک حصہ ہے کیونکہ تعلیم، انسان کے فکری پہلو کی طرف پلٹتی ہے اور وجود انسانی کی صلاحیتوں کی شگفتگی کا نام تربیت ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ہر میدان میں تربیت مستلزم تعلیم ہے کیونکہ تربیت دینے والا تربیت حاصل کرنے والے کو حقائق اور مطالب سے آگاہ کرتا ہے تا کہ وہ علم وعمل کے ساتھ سکھائے ہوئے میزان کے مطابق روحانی اور معنوی پہلو کی پرورش کرسکے۔ اس بنا پر تربیت کے لئے تعلیم لازمی شرط ہے اور تربیت کے لئے تعلیم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ تربیت کی بہ نسبت تعلیم کو عمومیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے قوانین کے اجرا کے لئے یہ وسیلہ ہے۔ یہ اس کے عملی وسائل کا جزء شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ صلاحیتوں کی پرورش کے لئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور تعلیم ایک وسیلہ ہے لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ان دونوں کے درمیان "عام وخاص مطلق" کی منطقی نسبت پائی جاتی ہے یعنی تعلیم، مصداق تربیت ہے لیکن ہر تربیت مصداق تعلیم نہیں ہے[2]۔

تعلیم کا مقصد تربیت کے مفہوم کی بہ نسبت محدود ہے، تعلیم کا فریضہ متعلّم کے ذہن کو آمادہ اور غنی کرنا ہے اور تربیت کا فریضہ، تربیت پانے والے فرد کے فطری میلانات اور متنوع استعداد کو آگے بڑھانے کا

---

۱. غلام رضا غیاثی، تعلیم وتربیت در اسلام، ج۱، ص ۲۷۔

۲. پژوہشی در تعلیم وتربیت اسلامی، ج۱، ص ۱۶۔

اہتمام ہے اسی وجہ سے آیات واحادیث میں تربیت پہلے مرتبہ پر ہے[۱]۔ یعنی اہمیت کے اعتبار روحانی اور معنوی معنوی تربیت، فکری تعلیم پر مقدم ہے کیونکہ تربیت کے بغیر تعلیم کا نتیجہ منفی ہوتا ہے اور اس کا غلط استعمال ہوتا ہے اس بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ تعلیمات مہدویت سے استفادہ کرنے کی بنا پر فکری ہدایت اور سعادت کی راہ میں آگاہی کے ساتھ ساتھ اپنی تربیت کے سلسلہ میں قدم اٹھانے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح آخری مقصد (قرب الٰہی) تک پہونچا جا سکتا ہے۔

۴. **تعلیمات مہدویت سے کیا مراد ہے؟**: مہدویت کی تعلیمات سے مراد مہدویت سے مربوط موضوعات جیسے حضرت مہدیؑ اور آپ کے ظہور و قیام کا عقیدہ ہے۔ اس کے علاوہ اصل امامت ومہدویت، امام کی معرفت، امام عصر(ع) کے وجود کے اثبات کی دلیلیں، آپ سے ملاقات کے امکانات، انتظار، دعائے فرج اور منتظرین کے فرائض وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اور اس مقالہ میں بحث کا موضوع بھی یہی ہے البتہ اس تحقیق میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مہدویت کی مختلف تعلیمات کے درمیان سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ امام عصر(ع) کی معرفت اور انتظار اور تعلیم وتربیت کے مختلف پہلوؤں پر اس کے اثرات کی تحقیق کی جائے جس کے نتیجہ میں ایک مستند اور معقول نتیجہ سامنے آئے۔

علمائے اخلاق تو تربیت کے موضوع پر ہمیشہ گفتگو کرتے ہیں اور خواجہ نصیر الدین طوسی نے اخلاق ناصری میں اور امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے جس سے اس موضوع کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ علم نفسیات اور تعلیم وتربیت کے ماہرین نے بھی اس موضوع اور تربیت کے عوامل پر بڑی بحث وگفتگو کی ہے اس کے علاوہ آج کی متمدن قومیں بھی تعلیم وتربیت کو بڑی اہمیت دیتی ہیں اور اسے انفرادی واجتماعی زندگی کے لائحہ عمل کا عنوان قرار دیتی ہیں اس لئے کہ انہیں یہ بات معلوم ہے کہ آرام وآسائش، مہارت وتخصص اور انسان کی سعادت وکمال اور صحیح سمت میں اس کا سفر، تعلیم وتربیت کے بغیر ناممکن ہے۔

انسانی زندگی میں تربیت بڑا مشکل عمل ہے۔ کیونکہ انسان بڑی پیچیدہ خصوصیتوں، علائق، احساسات، ضرورتوں اور میلانات جیسے ناشناختہ چیزوں کا حامل ہے اور معنوی توانائی، عقل، منطق اور فطرت جیسی چیزوں کی بنیاد پر پرورش قبول کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بے پناہ صلاحیت اور حیرت انگیز توانائی بھی رکھتا ہے، انہیں تمام باتوں کی بنا پر انسان کی تربیت ایک مشکل موضوع اور ضروری مسئلہ ہے۔ نہ صرف

---

۱. دیکھئے، سورہ جمعہ، آیت ۲؛ سورہ بقرہ آیت ۱۵۱؛ سورہ آل عمران آیت ۱۶۴۔

اسلامی اور مشرقی دنیا میں اس کی ضرورت محسوس کی گئی ہے بلکہ یہ امر مغربی دانشوروں کی نظر سے بھی مخفی نہیں ہے اس سلسلہ میں کانٹ کا کہنا ہے:

"انسان جن مشکل اور اہم مسائل سے دوچار ہے، تعلیم وتربیت انہیں میں سے ایک مشکل مسئلہ ہے...انسان کے لئے دو مسائل بہت زیادہ مشکل ہیں ایک انسانوں پر حکومت کی نفی کا مسئلہ اور دوسرا انسان کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ"[1]۔

جب تعلیم وتربیت کا اثر قبول کرنے کے لئے انسان میں کسی طرح کی زمین ہموار نہ ہو تو اس وقت تعلیم وتربیت کی ضرورت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انسان، حیوان کی مکمل شبیہ بن جائے گا اور تعلیم وتربیت نیز اس سے حاصل ہونے والی چیزوں جیسے ہنر، ادب، معنویت، فضیلت، اجتماعی رسوم اور انسانیت سے گریز ہوگا۔ دوسری طرف تعلیم وتربیت کے بغیر انسان اپنی حقیقی شخصیت سے غافل اور اپنی مستقل حیثیت وحقیقت سے ناآشنا رہ جائے گا۔ اس بناپر تعلیم وتربیت انسان کی ملکوتی روح کو اوج کمال تک پہونچاتی ہے اور اس کے حقیقی چہروں کو نمایاں کرتی ہے لہٰذا دینی اور الٰہی مفہوم کے ساتھ تعلیم وتربیت انسانی شخصیت اور اس کی حقیقی حیثیت کو زندگی عطا کرتی ہے اس وجہ سے دینی اور الٰہی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔

۵. **اسلام میں تعلیم وتربیت کا مقام:** اسلام کے ظہور کے ساتھ ساتھ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعادت اور کمال بشر کا آخری لائحہ عمل پیش کردیا۔ جب لوگ جہالت اور بے ادبی کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے اس وقت آپ نے انہیں کسب علم وفضائل کی دعوت دی اور ہر مسلمان کے لئے حصول علم کو واجب قرار دیا[2]۔ جو تعلیم وتربیت سے بے بہرہ ہے وہ اسلام کی نظر میں خشک بیابان میں بھٹکنے والے اس انسان کی طرح ہے جس کا انجام ہلاکت ہے[3]۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ پیغمبرؐ انسان کے تزکیہ اور تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تاکہ انہیں آیات خدا اور حکمت کی تعلیم

---

۱. لہ تان، خوی، آموزش وپرورش فرہنگ ہاوجوامع، مترجم محمد یمین دوزی سرخابی، ج۱، ص۱۱ ۔

۲. محمد بن یعقوب کلینی، اصول کافی، باب فرض العلم۔

۳. وَنُرَدُّ عَلَى أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الأَرْضِ حَيْرَانَ ۔ترجمہ: خدا نے ہماری ہدایت کی کیا اس کے بعد ہم اپنے عقیدہ سے پلٹ جائیں اس شخص کی طرح جس کو شیطانوں نے بیابان میں بھٹکادیا ہے اور وہ حیران ہوکر رہ گیا ہے۔ (سورہ انعام، ۷۱)۔

دیں[۱]۔امام زین العابدین علیہ السلام بھی اپنے فرزند کی تادیب، تربیت اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے سلسلہ میں خدا سے دست بدعا ہیں[۲]۔ایک طرف اگر تعلیم وتربیت سے مقصد کا تعین ہوتا ہے تو دوسری طرف اسلام میں اس کی بنیادیں وحی پر استوار ہیں لہٰذا مقاصد بھی بہت بلند ہوتے ہیں اور وہ انہیں معارف اور بنیادوں کی دین ہوتے ہیں ان مقاصد میں بڑی جامعیت ہوتی ہے ان میں باہمی ربط بھی ہوتا ہے۔ اعتقاد، معنویت، اخلاق، علم، تہذیب اور اجتماع وغیرہ کے محور پر اس کی تحقیق کی جاسکتی ہے۔ خداوند یگانہ کی پرستش کے مشترک محور ان مقاصد کی بنیاد ہیں یہ وہی چیز ہے جو جن وانس کی خلقت کا مقصد ہے[۳]۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندگی کے ذاتی اور عمومی تمام شعبوں میں انسان کی عبودیت ہی فطرت کی راہ میں قدم رکھنے کا باعث ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اسلام میں تعلیم وتربیت کا آخری مقصد، معرفت الٰہی کے سایہ میں قلبی درجات ومراتب میں اضافہ ہے تاکہ انسان تقرب خدا کی لیاقت پیدا کرے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام میں اصلی مقصد قرب الٰہی ہے تو مہدویت کی تعلیم جو قرآن وروایت کا منشاء ہے اس کا بھی یہی مقصد ہے اور ان دونوں میں عام وخاص مطلق کی منطقی نسبت پائی جاتی ہے۔ مہدویت کی تعلیم جس کا نمونہ ہم پیش کریں گے در حقیقت وہ اسلامی تعلیم وتربیت کا ایک حصہ ہے اور دونوں کا مشترک مقصد، قرب الٰہی ہے۔

مہدویت کی تعلیمات اور تعلیم وتربیت کا دوسرا اشتراک، مدارک وماٰخذ کا اشتراک ہے دونوں کا مدرک قرآن، سنت پیغمبر اور عقل ہے[۴] دونوں کا موضوع انسان ہے دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ مہدویت کی تعلیمات کے خواہاں منتظر اور تعلیم وتربیت کے خواہاں یعنی تربیت حاصل کرنے والے (متربی) کہے جاتے ہیں، ہاں یہ ممکن ہے کہ اسلامی اور مہدویت کی تعلیمات میں یہ دونوں ایک ہوں۔

ب: تعلیم وتربیت پر مہدویت کی تعلیمات کا اثر

---

۱. هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ ترجمہ: وہ جس نے انہیں کے درمیان اپنا رسول بھیجا تاکہ ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ انہیں پاک کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے (سورہ جمعہ، آیت ۲)۔

۲. واعنی علی تربیتھم وتادیبھم وبرھم، صحیفۂ سجادیہ، دعا۲۵۔

۳. وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ ترجمہ: ہم نے جن وانس کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (سورہ ذاریات، آیت ۵۶)۔

۴. علامہ محمد تقی جعفری، تعلیم وتربیت اسلامی جلد۱، ص ۱۳ ۔

مہدویت کی تعلیمات، اسلامی تعلیم وتربیت میں بہت موثر بلکہ اس کا ایک حصہ ہیں، انسان کی بلندی، رشد، ہدایت، انتہائی کمال اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، انسان کی ذہنی اور فکری پرورش کے لئے اس تعلیم الٰہی میں آسمانی رہنما، واسطہ اور وسیلہ ہیں جو درحقیقت خدا کے اسماء وصفات کا مظہر اور اس کے بندوں کی ہدایت کا چراغ ہیں۔

یوں تو مہدویت کی تعلیمات بہت زیادہ ہیں لیکن اس مقالہ میں فقط دو تعلیمات (معرفت امام عصرؑ اور انتظار) پر ہم روشنی ڈالیں گے اور دونوں باتیں بہت مفید نیز بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ اس کے بعد ہم تعلیم وتربیت پر ان کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔

۱. **امام عصر(ع) کی معرفت:** انسان اور جنات کی خلقت کا مقصد خدا کی پرستش اور عبودیت ہے۔ اس کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ انسان اپنے اختیاری عمل عبودیت کی بنا پر فضیلت کا حامل بنتا ہے اور یہی آخرت میں مستحق ثواب وعقاب بناتا ہے۔ انسان اپنی عقل سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے اپنے خدا اور منعم کا بندہ ہونا چاہئے۔ عقل ہی بتاتی ہے کہ بندگی کا سلیقہ خدا ہی سے سیکھنا چاہئے خاص کر جب وہ یہ جانتی ہے کہ خدا نے ہمیں اپنے حال پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس نے اپنے رسولوں کو آئین بندگی سکھانے کے لئے ہمارے پاس بھیجا ہے۔

انبیاء اور ائمہ علیہم السلام انسانوں کو خداوند عالم کی صحیح بندگی کا راستہ بتائیں، یہی نبوت وامامت کا سب سے اہم فلسفہ ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندوں اور رسولوں میں پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت کرامؑ اس سلسلہ میں خصوصی مرتبہ اور مقام کے حامل ہیں[۱]۔ روایتوں میں ملتا ہے کہ ہر بشر کو جو امتیاز حاصل ہے وہ اسی خصوصیت (فضیلت اہل بیتؑ کی معرفت اور اقرار) کی بنا پر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"نبوت تک کوئی پیغمبر نہیں پہونچا مگر اس وقت جب اسے ہمارے حق کی معرفت ہو گئی"[۲]۔

جب نبوت جیسا الٰہی منصب اس معرفت کے سبب حاصل ہو تو دوسرے امتیازات بطریق اولی اسی طرح حاصل ہوں گے[۳]۔ اسی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"جو اپنے امام کی معرفت کے بغیر دنیا سے اٹھ جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے، جاہلیت بھی کفر ونفاق اور ضلالت کی جاہلیت"[۱]۔

---

۱. بحار الانوار، ج۲۶، ص۲۷۳ و۳۱۵؛ کمال الدین وتمام النعمۃ، ج۴، باب ۲۳۔

۲. ما نبی نبی قط الا بمعرفۃ حقنا وبفضلنا علی من سوانا (بحار الانوار، ج۲۶، ص۲۸)۔

۳. بحا الانوار، ج۴۰، ص۹۶ وج۲۴، ص۲۰۱۔

اسی طرح معرفت صرف ظاہری پہچان نہیں ہے بلکہ آسمانی رہنما اور امام کی صحیح، عمیق اور ہر پہلو کی معرفت ہے چاہے وہ سیاسی رہنمائی کی معرفت ہو یا قضاوت، دینی مرجعیت، معنوی، تکوینی اور تشریعی ولایت وغیرہ کی معرفت ہو، امام کی معرفت اور ولایت کی قبولیت کے بڑے انسان ساز اثرات ہیں اس سے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

احادیث پیغمبرؐ کو دیکھنے کے بعد امام کی شناخت کے مصداق معین ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں امام کی دونوں غیبتوں کی تشریح موجود ہے[۲]۔ قطعی دلیلوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عصر غیبت میں معرفت امام سے مراد، امام عصر(ع) کی معرفت ہے جو انسان کی تعلیم وتربیت پر بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے۔

۲. **امام کی معرفت کا اثر تعلیم وتربیت پر:** تعلیم کا ربط انسان کی ذہنی اور فکری پہلو سے ہوتا ہے لیکن تربیت سے انسان کی اندرونی صلاحیتیں نکھرتی ہیں۔ منطق کی زبان میں ان میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ تعلیم، تربیت ہی کا ایک حصہ ہے۔ ذہنی اور علمی تجزیہ کے مقام پر یہ دونوں مستقل اور الگ الگ تعریفیں ہیں لیکن اخلاق اسلامی میں یہ الگ الگ نہیں ہیں بلکہ دونوں مل کر پر معنی بنتے ہیں۔ تعلیم میں وہ مثبت اثر ہوتا ہے جو تربیت کو بھی اپنے ساتھ ساتھ لاتا ہے اسلامی معارف میں بغیر تربیت کی تعلیم کو ضرر رساں بتایا گیا ہے۔ اس کے اثرات منفی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہی تعلیم بااثر ہے جس کے ساتھ تربیت بھی ہو اور وہ تربیت بافضیلت ہے جو علم وآگہی اور بصیرت کے زیر سایہ ہو اس وجہ سے معارف اسلامی میں لفظ تعلیم وتربیت ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس مقالہ میں تعلیم وتربیت پر امام کی معرفت (جو کہ مہدویت کی تعلیمات ہی کا ایک حصہ ہے) کے اثرات پر تحقیق کی گئی ہے۔ اس میں ایک مرتبہ علم ونظر کے اعتبار سے پھر عمل کے اعتبار سے گفتگو ہوئی ہے۔ متعدد راستوں سے امام کی معرفت، تعلیم وتربیت پر اثر انداز ہوتی ہے ہم اس میں سے صرف تین راستوں یعنی معرفت خدا، حفظ دین اور خلافت الٰہی کے بارے میں بحث کریں گے۔

۱. معرفت خدا

---

۱. من مات و لایعرف امامہ، مات میتۃ جاھلیۃ، قال نعم قلت جاھلیۃ جھلاء او جاھلیۃ لایعرف امامہ؟ قال جاھلیۃ کفر ونفاق وضلال (اصول کافی، ج ۲، باب من مات ولیس لہ الامام (تیسری روایت) اسی طرح فرمایا: "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیہ" (قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ، باب ۲۹، ص ۱۳۷، انتشارات حیدریہ، نجف)۔

۲. اصول کافی، ج ۲، باب ۹۳، ص ۱۶۱؛ کمال الدین وتمام النعمۃ، ج ۱، باب ۲۸، ص ۳۱۳۔

روایات واحادیث کے مطابق خدا کی صحیح معرفت بڑی اہمیت کی حامل ہے چونکہ تمام چیزیں اسی مرحلہ تک پہونچنے کا مقصد ہیں اس وجہ سے معرفت یا حضوری ہے یا حصولی۔ حضوری یا شہودی مرحلہ وہ مرحلہ ہے جسے انسان کسی واسطہ کے بغیر اپنے اندر خدا کی رضا کو پہچان لیتاہے یہاں تک کہ شہود کے ذریعہ خدا کی صفات کی شناخت بھی ممکن ہے البتہ حصولی معرفت کا تعلق واسطہ سے ہے اور یہ واسطہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسے علم وقدرت وحکمت یا پھر دوسرے ذرائع مثلاً نظم کائنات اور طبیعت وغیرہ کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے یا پھر اس کے جانشینوں کے وسیلہ سے پروردگار کی شناخت ہوتی ہے جو صفات الٰہی کی تجلی گاہ ہیں۔ مثلاً انبیاء اور ائمہ علیہم السلام اور انہیں میں امام عصر(ع) بھی شامل ہیں اس بناپر امام عصر(ع) کی معرفت میں نظری نقطہ نظر سے خدا کی صحیح معرفت شامل ہے۔ یہ امر انسان کے نظریہ کائنات کے ارکان واصول میں شمار کیاجاتاہے کیونکہ اس پر تربیت کے بہت سارے آثار مرتب ہوتے ہیں۔ ہم معرفت کی درخواست کی مشہور دعا میں کہتے ہیں:

"خدایا تو مجھے اپنی معرفت عطا کر اگر تو ایسی معرفت نہیں عطا کرے گا تو میں تیرے رسولوں کو بھی نہیں پہچانوں گا۔ پالنے والے! تو اپنے رسولوں کی معرفت عطافرما، اگر ان کی معرفت نہیں عطا کرے گا تو میں تیری حجت کو بھی نہیں پہچانوں گا، خدایا تو اپنی حجت کی معرفت عطا کر اگر حجت کی معرفت نہیں عطا کرے گا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا"[1]۔

یہ دعا خدا کی حضوری معرفت پر بھی دلالت کرتی ہے اور حصولی معرفت پر بھی کیونکہ اگر کوئی خدا کو اسماء اور صفات کمال وجلال کے ذریعہ پہچانے تو یہ اس کی معرفت کا ایک راستہ ہے اگر وہ اس کی حکمت کے بارے میں معلوم کرتاہے تو یہ ہدایت بشر کے لئے انبیاء کا واسطہ ڈھونڈھتاہے تو یہ افراد خدا کے بندوں کے درمیان راہ سعادت کی نشاندہی کرنے والے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو خدا کی معرفت حاصل نہ ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ ذات وصفات کے اقتضاء کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی معرفت اس کے برگزیدہ بندوں کی معرفت کی طرف پلٹتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی حجت خدا کو نہ پہچانے تو اپنے دین کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ اب جب حضرت مہدیؑ زمین پر حجت خدا اور خلیفۂ خدا ہیں تو جو

۱۔ اللهم عرفنی نفسک فانک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف رسولک اللهم عرفنی رسولک فانک ان لم تعرفنی رسولک لم اعرف حجتک اللهم عرفنی حجتک فانک ان لم تعرفنی حجتک ضللت عن دینی (اصول کافی، کتاب الحجہ باب فی الغیبۃ، پانچویں روایت) جب زرارہ نے یہ سوال کیا تھا کہ اگر میں نے غیبت کا زمانہ درک کیا تو اس وقت میرا فریضہ کیا ہوگا، تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے زرارہ کو یہ دعا تعلیم دی تھی۔

ان کی معرفت نہ حاصل کرے وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا اسی بناپر خدا کی معرفت حضوری معرفت ہے جو کہ امام کی معرفت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام دوسروں کا ہاتھ تھام کر صحیح راستہ سے مقصد تک پہونچاتے ہیں (ایصال الی المطلوب) اس وجہ سے امام محمد باقر علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"ہمارے ذریعہ خدا کی بندگی ہوتی ہے اور ہمارے وسیلہ سے وہ پہچانا جاتاہے ہمارے ذریعہ خدا کی توحید متحقق ہوتی ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجاب خدا ہیں"[۱]۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"پیغمبرؐ کے اوصیاء خدا کی طرف رخ کرنے کا دروازہ ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو خدا نہیں پہچانا جاتا۔ خدا نے ان کے وسیلہ سے مخلوق پر اپنی حجت تمام کی ہے"۔

تو معلوم ہوا کہ امام کی معرفت واجب ہے، یہ تعلیمات مہدویت کا ایک جزء اور خدا کی معرفت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام خلیفۂ خدا ہوتا ہے، اس کے اسماء وصفات کا مظہر ہوتا ہے وہ لوگوں کے سامنے معرفت کی صحیح تصویر پیش کر سکتا ہے تاکہ لوگ گمراہی اور غلط عقیدہ کا شکار نہ ہو جائیں، امام کی معرفت تعلیمات مہدویت کا ایک اثر ہے۔

علمی اور تربیتی رخ سے یہ کہنا چاہئے کہ اس طرح کی صحیح معرفت، غیبت امام کے زمانہ میں انحراف اور بدبینی سے بچاتی ہے، ولایت وامامت کو عملی شکل میں قبول کرنے کے سلسلہ میں ثبات قدم عطا کرتی ہے اور اس ثبات ومعرفت کے نتیجہ میں انسان آگاہانہ عمل کرتا ہے۔ امام زین العابدینؑ نے ابو خالد کابلی سے فرمایا:

"ہم اہل بیت سے قیام کرنے والے کی دو غیبت ہے، اس میں سے ایک کی مدت طولانی ہوگی اتنی طولانی کہ ان (حضرت مہدیؑ) کی امامت پر ایمان رکھنے والے زیادہ تر لوگ اس امر سے پھر جائیں گے، ثابت قدم صرف وہ رہے گا جس کا یقین محکم اور معرفت صحیح ہو، اس کے لئے ہمارے احکام کا قبول کرنا سخت نہ ہو اور وہ ہم اہل بیت کا فرمانبردار ہو"[۲]۔

---

۱. بناعبد اللّٰہ وبنا عرف اللّٰہ وبنا وحد اللہ تبارک اللّٰہ تعالیٰ ومحمد حجاب اللّٰہ تبارک وتعالیٰ اصول کافی (کتاب التوحید، باب النوادر (دسویں روایت) اس حدیث میں حجاب، واسطہ کے معنی میں ہے۔

۲. ان للقائم مناغیبتین احدھما اطول من الاخری فیطول امدھا حتی یرجع عن ھذ الامرا کثر من یقول بی فلایثبت الا من قوی یقینہ وحت معرفتہ ولم یجف فی نفسہ حرجا مما قضینا وسلم لنا اھل البیت (کمال‌الدین وتمام النعمۃ، باب ۳۱، آٹھویں روایت)۔

لہٰذا صحیح راستہ بتائے جانے کے بعد ان کے اقوال کی صحیح معرفت، انسان کو میدان عمل میں اس طرح ثابت قدم رکھتی ہے کہ وہ اسلام کے نورانی احکام پر عمل کرنے میں خستگی نہیں محسوس کرتا بلکہ علم وآگہی کی بناپر وہ آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۲. حفظ دین

اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیغمبروں پر قوانین کا مجموعہ یعنی دین نازل کیا، ان کے اوصیاء بھی دین کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ رسول خداؐ پر نازل ہونے والا دین اسلام بھی آپ کے اوصیاء (بارہ امام) کے ذریعہ محفوظ ہے لہٰذا امام کی معرفت، محافظین دین کی معرفت ہے اور یہ محافظین، دین کے معلم اور ترجمان ہیں بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دین کے محافظین (امام) کی معرفت ہی دین کی معرفت ہے جنہیں نہ پہچاننے کی صورت میں گمراہی اور ضلالت دامن گیر ہو جاتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے زرارہ سے معرفت کی دعا کرنے کی تاکید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ زرارہ اس طرح دعا کرو:

"خدایا! اگر تو اپنی حجت کی معرفت نہیں عطا کرے گا تو میں دین سے گمراہ ہو جاؤں گا"[۱]۔

یہ گمراہی صرف اس لئے نہیں ہے کہ امام کی معرفت نہ ہونے کی بناپر انسان، احکام دین کی معرفت حاصل نہ کر سکے گا اور دین کو نہیں سمجھ پائے گا۔ یہ امر تو مسلم ہے کہ احکام (فروع) دین کو صرف اہل بیتؑ سے حاصل کرنا چاہئے لیکن اس سے اہم شئے اصول دین اور اعتقاد کا مسئلہ ہے۔ امام کی معرفت، اعتقادات کا محور اور ان کا نچوڑ ہے۔ کیونکہ امام کے وجود ہی کی بناپر انسان کو تمام صحیح عقائد مل سکتے ہیں۔ عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں کہ غیبت امام کے زمانہ کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بتایا ہے کہ:

"تم مستقبل میں شبہات میں مبتلا ہو جاؤ گے اور کسی نشانی اور ہدایت کرنے والے امام کے بغیر رہ جاؤ گے۔ ایسی صورت میں نجات اسی کو ملے گی جو دعائے غریق پڑھتا رہے گا... اور وہ دعا اس طرح ہے۔ اے خدا، اے رحمان، اے رحیم، اے دلوں کو منقلب کرنے والے، ہمارے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ"[۲]۔

---

۱. اللهم ان لم تعرفنى حجتک ضللت عن دينى (اصول کافى، کتاب الحجة، باب فى العينہ, پانچویں روایت)۔

۲. تصيبكم شبهة فتبقون بلا علم ولا امام هدىٰ لاينجو منها الا من دعا من بدعاء غريق... يا الله يا رحمن يا رحيم يا مقلب القلوب ثبت قلبى على دينک۔ (بحار الانوار، جلد ۲، ص ۱۴۹)۔

اس دعا کا نام بھی غور طلب ہے ڈوبنے والے کی دعا۔ یعنی جو شخص عصر غیبت(ع) میں فتنہ، شبہ اور بلاؤں میں مبتلا ہے اور جسے کسی نجات دینے والے کے بغیر اپنے بچنے کی امید نہیں ہے وہ غریق ہے۔ اس دعا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس موقع پر کس سے مدد حاصل کرنی چاہئے، عصر غیبت میں، ظاہری طور پر امام زمانہ(ع) ہمارے درمیان نہیں ہیں جس کی وجہ سے انسانوں کو متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے وہ حیران وسر گردان ہو جاتا ہے، ایسے مواقع پر اسے صرف اور صرف اللہ سے مدد مانگنی چاہئے۔ ایسے وقت میں سنت الٰہی کی بنا پر مظہر تعلیمات الٰہی، نبوت وامامت کے ذریعہ سے الٰہی امداد کا چشمہ جاری ہو کر انسانوں تک پہونچتا ہے۔ اس کے علاوہ، اس وقت احکام دین پر عمل کر کے اوران کی پناہ میں جانے سے ثبات قلب کا جوہر پیدا ہوتا ہے حالانکہ دین کے مفسر اور بیان کرنے والے امام، رہنما اور ہادی بھی ائمہ ہی ہیں۔

بعض روایات کی بنا پر غیبت کے زمانہ میں دین کی حفاظت بہت مشکل ہے لیکن معرفت امام کی بدولت اور ہدایت امام کے سایہ میں دینداری ممکن ہے اور یقیناً کچھ ایسے لوگ بھی ہیں[1]۔

رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب کے مجمع میں دعا فرمائی:

"خدایا ہمارے بھائیوں کو ہمارا دیدار کرا دے!

اصحاب نے تعجب سے پوچھا کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں تم ہمارے اصحاب ہو، وہ آخر زمانہ میں ہمیں دیکھے بغیر ایمان لائیں گے۔ ماں کے رحم اور باپ کے صلب سے خارج کرنے سے پہلے خدا نے ہمیں ان کے آباء واجداد کے نام بھی بتا دیئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنے دین پر ثابت قدم رہنا رات کی تاریکی میں قتاد کی خاردار جھاڑی کاٹنے سے زیادہ سخت ہے یا غضا[2] درخت کی لکڑی کا انگارہ ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔ یہ تاریکی کو روشن کرنے والے چراغ کی مانند ہیں خدا انہیں ہر تیرہ وتار فتنہ سے نجات دے گا؟"[3]۔

---

۱. اس سلسلہ میں پیغمبرؐ سے منقول ہے کہ "یا علی واعلم ان اعجب الناس ایماناً واعظمھم یقیناً قوم یکونون فی آخر الزمان لم یلحقوا النبی وحجتھم الحجہ فامنوا بسواء علی بیاض" (کمال الدین تمام النعمہ، باب ۲۵، آٹھویں روایت)۔

۲. غضاء ایک ایسے درخت کا نام ہے جس کی لکڑی جلانے سے اس میں دیر تک حرارت موجود رہتی ہے اسی وجہ اس کا کوئلہ اچھے قسم کا مانا جاتا ہے۔

۳. اللھم لقنی اخوانی گ لاانّکم اصحابی واخوانی قوم فی آخر الزمان آمنوا ولم یرونی لقد عرفنیھم اللہ باسمائھم واسماء آبائھم من قبل ان یخرجھم من اصلاب آبائھم وارحام امھاتھم لاحد ھم اشد بقیۃ علی دینہ من خرط القتاد فی الیلۃ الطلماء او کالقابض علی حمر الغضاء اولئک مصابیح الدجیٰ۔ ینجیھم اللہ من کل فتنۃ غبراء مظلمۃ (بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۲۴)۔

مشقتوں اور طاقت فرسا سختیوں کے ساتھ دین اور دینداری کا تحفظ آخرت کے اجر کا باعث ہے اور یہ امام عصر کی معرفت اور عملی ولایت قبول کئے بغیر ناممکن ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں خصوصاً سچے منتظرین کے لئے اس مسئلہ کا علم، راہ سعادت متعین کرنے اور راہ گشائی کا باعث ہے۔ یہ چراغ ہمارے درمیان موجود ہے اور انسان اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اور اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ، ان تعلیمات سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور ان پر عمل کر سکتا ہے۔

البتہ جن افراد میں علم و معرفت کا پہلو زیادہ ہوتا ہے، یہ علم انہیں عمل کی ہدایت کرتا ہے اور صلاحیتوں کو ابھارنے کی دعوت دیتا ہے لہٰذا غیبت کے زمانہ میں امام عصر(ع) کی معرفت اسے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ تحفظ دین، فقط امام کی معرفت کے ذریعہ ہی ممکن ہے مقام تربیت میں بھی اس سے دیندار اور ثابت قدم انسان بنتے ہیں کیونکہ دینداری معرفت اہل بیتؑ اور ان کی ولایت قبول کرنے کے سوائے کچھ اور نہیں ہے۔ اس وجہ سے امام محمد باقر علیہ السلام نے "إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللهِ الإِسْلَامُ"[۱] کے ذیل میں دین اسلام کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی باتوں کا ماننا اور آپ کی ولایت کا تسلیم کرنا ہی اسلام ہے[۲]۔

البتہ اس کا نتیجہ خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے کیونکہ تسلیم اور بندگیٔ خدا کی روح پر دینداری کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ خارجی عمل ہے اور اسی روح وحقیقت کی بنیاد پر عمل میں قدر و قیمت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ خلافت الٰہی

امام عصر(ع) کی معرفت کی راہ میں انسان کو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ائمہ معصومینؑ زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں اور ذات باری سے وہ مرتبط ہیں اور دوسرے افراد خدا کی رضا اور ناراضگی نیز قرب الٰہی کے لئے بندگی کا راستہ بھی حقیقی خلفاء کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں اور یہی خدا کی مرضی ہے۔ "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں"[۳]۔

۱۔ خدا کے نزدیک حقیقت دین تو اسلام ہے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۹)۔

۲۔ التسلیم علی بن ابی طالب بالولایہ، سید ہاشم بحرانی، تفسیر برہان، ج ۱، ص ۲۷۴۔

۳۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ (سورہ بقرہ، آیت ۳۰)۔

جانشین وہ ہے جو کسی کی غیبت میں اس کے تمام امور انجام دے لہٰذا ائمہؑ خلیفۂ خدا اور حدود و احکام الٰہی بیان کرنے والے ہیں اور فہم کلام الٰہی کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ ان کو نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے بغیر سعادت کا راستہ طے ہو سکتا ہے لہٰذا ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے اور یہ محض طریقت نہیں ہے بلکہ ان کے ذریعہ دستور الٰہی کو حاصل کرنا موضوعیت رکھتا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے اسماء وصفات بیان کر کے درحقیقت انسانوں کو اپنی طرف بلایا ہے[1] اور وہ انہیں مسافر سمجھتا ہے جو آخرت میں اس سے ملاقات کریں گے[2]۔ اسماء وصفات کی طرف جادہ پیمائی یعنی علم وحکمت اور قسط وعدل وغیرہ کی طرف بڑھنا جو حقیقتاً خدا کی طرف جانا ہے۔ اس ملکوتی سفر میں جو جتنی زیادہ کوشش کرے گا خدا سے اس کا تقرب اتنا ہی زیادہ ہوگا[3]۔

اولیاء خدا اور پیغمبروں نے اطاعت کے ذریعہ حیات حقیقی اور ان صفات سے متصف ہونے کے لئے قدم آگے بڑھائے پھر وہ طاقت، علم وعدل جیسے صفات سے متصف ہوگئے۔ انہوں نے تعلیم اسمائے الٰہی اور ان پر عمل کر کے دوسروں کی ہدایت کا بھی بیڑا اٹھایا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ خلیفہ بھی تھے اور خلیفہ پرور بھی۔ اسی وجہ سے امام کی شناخت کا ایک مرحلہ مقام خلافت الٰہیہ کی معرفت کا مرحلہ بھی ہے اور اس میں تعلیمی پہلو بھی ہیں۔ ائمہ کے اقوال سے استفادہ اور ان کی اطاعت (ولایت عملی کی قبولیت) اور اولیائے خدا کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا درحقیقت دستور الٰہی کی پابندی ہے۔ اس طرح تربیت پانے والے خود بھی خلیفۂ خدا ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عام انسانوں اور معصوم میں بہت فاصلہ ہے اور قابل مقایسہ نہیں ہیں لیکن اوصاف الٰہی سے متصف ہو جانا تمام انسانوں کے لئے ممکن ہے اور اپنی روحانی ومعنوی توانائی کے بقدر ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے لہٰذا اس راہ میں ولی خدا یعنی امام عصرؑ کی معرفت انسان کو تعلیمی اعتبار سے مقام خلافت الٰہی سے آشنا کر دیتی ہے اور وہ یہ سمجھ جاتا ہے کہ اسماء وصفات الٰہی کی تعلیم اور اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے یہ خلافت حاصل ہوتی ہے۔

---

۱. وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ ترجمہ: خدا نے آدم کو تمام اسماء (معانی) سکھادئے (سورہ بقرہ، آیت ۳۱)۔

۲. يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ۔ ترجمہ: اے انسان تو اپنے رب کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے اور تو اس سے ملاقات کرے گا۔ (سورہ انشقاق، آیت ۶)۔

۳. عبد اللہ، جوادی آملی، تفسیر موضوعی قرآن کریم، ج ۱۴، ص ۲۸۰، انتشارات اسراء۔

اس طرح وہ احکام واقعی اور فریضۂ بندگی پر عمل کر کے اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے اور آخر کار وہ الٰہی اور نورانی انسان روئے زمین پر خدا کا نمائندہ ہوتا ہے اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقام و منصب الٰہی کی معرفت ہی معرفت امام ہے اور خلافت الٰہیہ بھی ایک منصب ہے جو دوسروں کی تعلیم وتربیت میں بہت موثر ہے، آیات وروایات میں اس منصب پر بہت ساری دلیلیں موجود ہیں[۱]۔ ان میں سے ایک نمونہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"امام، خدا کی مخلوق کے درمیان اس کا امین ہے، بندوں پر حجت ہے، زمین پر اس کا خلیفہ ہے، اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہے، حرمت خدا کا دفاع کرنے والا، گناہوں سے پاک، عیوب سے مبرا، سارے علوم اس سے مخصوص ہیں، اور حلم کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے دین کا نظام اور مسلمانوں کی عزت وسربلندی کا باعث ہے اسے دیکھ کر منافقین غضبناک اور کافرین نیست و نابود ہوتے ہیں"[۲]۔

اس حدیث میں امام کی بعض خصوصیات جیسے علم، حلم، برائیوں سے مبرا ہونا وغیرہ کے ذریعہ مقام حجت خدا اور خلافت الٰہیہ کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث علم وعمل کے سلسلہ میں ہمارے فریضہ کو دوچند کر دیتی ہے کیوں کہ جو شخص خلافت الٰہیہ کے راستہ پر گامزن ہے وہ چاہے مقصد تک پہونچ کر کامل ہو گیا ہو یا راستہ میں ہو دونوں صورتوں میں انسان کو مسلسل جہاد بالنفس کے ذریعہ صفات الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے[۳]۔

ج: انتظار کا اثر تعلیم وتربیت پر

تعلیمات مہدویت کی اہم ترین بنیاد انتظار ہے اور تعلیم وتربیت پر اس کا بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔ روایات میں انتظار بہ معنای خاص یعنی امام عصر (عج) کی آمد کا انتظار بڑی عبادتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"انتظار فرج سب سے افضل عبادت ہے"[۴]۔

---

۱. اصول کافی، کتاب الحجۃ، باب ان الائمہ خلفاء اللّٰہ عزوجل (سورہ مائدہ، آیت ۵۵ و ۵۶، سورہ احزاب، آیت ۶، سورہ حشر، آیت وغیرہ)۔

۲. الامام امین اللہ فی خلقہ وحجۃ علی عبادہ وخلیفتہ فی بلادہ والداعی الی اللہ والذاب عن حرم اللہ۔ الامام المطہر من الذنوب والمبراء عن العیوب، المخصوص بالعلم، الموسوم بالحلم، نظام الدین وعز المسلمین وغیظ المنافقین وبوار الکافرین (اصول کافی، کتاب الحجہ، باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ، پہلی روایت)۔

۳. تفسیر موضوعی قرآن کریم، ج ۱۵، ص ۲۸۷۔

۴. افضل العبادۃ انتظار الفرج (لطف اللہ صافی گلپایگانی، منتخب الاثر، فصل ۱۰، باب ۳، سولہویں روایت)۔

اس کے علاوہ انتظار کی خاص فضیلت ہے۔ امام غائب (حضرت مہدی) کے ظہور کا انتظار کرنے والے ہر زمانہ کے سب سے بافضیلت افراد ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے ابو خالد کابلی سے فرمایا:

"اے ابو خالد! ان (حضرت مہدی) کی غیبت کے زمانہ میں ان کی امامت پر عقیدہ رکھنے والے اور ان کے ظہور کا انتظار کرنے والے ہر عہد کے لوگوں سے برتر اور بافضیلت ہیں"[۱]۔

انتظار ظہور کی اتنی اہمیت اور فضیلت ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں دنیا سے گذر جائے تو وہ گویا حضرت(ع) کے ساتھ ایک ہی خیمہ میں رہا ہو یا اس نے آپ کے ساتھ مل کر تلوار چلائی ہو بلکہ اس سے بھی بالاتر کہ گویا اس نے رسول خداؐ کے رکاب میں لڑتے لڑتے شہادت حاصل کی ہو[۲] چونکہ یہ افراد درحقیقت امام غائب پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کے ظہور کا انتظار بھی کر رہے ہیں۔ اس عقیدہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہ انتظار ایسا انتظار ہے جو تحریک کی کیفیت طے کرتا ہے تاکہ اس سے خدا کی بندگی کا سب سے کامل جلوہ نمایاں ہو۔ ایسے اشخاص کے تمام فضائل اور درجات انتظار کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا انتظار کمال و ارتقاء عطا کرتا ہے۔ اس لفظ کے متعدد زاویے اور بہت ہی لطیف، دقیق اور عمیق معنی ہیں جس میں ہر معنی، انتظار کا ایک شعبہ ہے۔ کلی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ فرہنگ مہدویت میں حقیقت انتظار کو موعود، انسان کامل وامام معصوم کی شدت سے ضرورت ہے جو خداوند عالم کی اجازت سے اور وحی کے ذریعہ عالمی عادلانہ حکومت تشکیل دے اور دنیا کو غایت مطلوب تک پہنچائے لہٰذا یہاں انتظار سے مراد وہی انتظار فرج ہے۔

اسلام کی قدرت، ظہور امام اور آپ کی عالمی حکومت کا انتظار ہے[۳]۔ اس انتظار کے دو اہم مقاصد ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کے یہاں بھی یہ دونوں مقاصد پائے جاتے ہیں۔ خالق اور بندہ[۴] کے درمیان صحیح رابطہ پیدا کرنا اور دوسرا معاشرہ کے افراد کے درمیان نیک رابطہ قائم کرنا[۵] اسی بنیاد پر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا انتظار پہلی منزل میں استقرار عدالت کا انتظار ہے۔

---

۱. یا اباخالد ان اهل زمان غیبته القائلین بامامته والمنتظرین لظهوره افضل من اهل کل زمان (کمال الدین و تمام النعمة، ج ۱، باب ۳۱، دوسری روایت؛ طبرسی، الاحتجاج، ج ۲، ص ۵۰)۔

۲. امام صادقؑ نے فرمایا من مات منکم وهو منتظر لهذا الامر کمن هو مع القائم فی فسطاطه... لا بل کمن فارع معه بسیفه... لا والله الا کمن الستشهد مع رسول الله (بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۱۲۶، روایت ۱۸)۔

۳. امام خمینی نے فرمایا انتظار فرج اسلام کی قدرت کا انتظار ہے (صحیفۂ نور، ج ۲۰، ص ۱۹۶)۔

۴. یٰاَیُّهَا النَّبی اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَاهِداً وَّمُبَشّراً وَّنَذِیْراً وَدَاعِیاً اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِیراً (سورہ احزاب، آیت ۴۶،۴۵)۔

۵. لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِیزَانَ لِیَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (سورہ حدید، آیت ۲۵)۔

بہر حال صحیح، مثبت اور معاشرہ ساز انتظار، انسان کے لئے تعلیم وتربیت کے نئے پہلو پیش کرتا ہے اور پھر اس کی پرورش کر کے سعادت کی منزل تک پہونچاتا ہے۔ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تمام شعبوں میں انتظار رشد واصلاح، مقاومت وترقی، بیداری وبقائے معاشرہ اور تحریک قیام کا سبب ہے۔ دراصل امام مہدی(ع) کے عالمی قیام کی اصل بنیاد یہی ہے اس سلسلہ میں انتظار کے بہت سے آثار ہیں اس وقت صرف تعلیم وتربیت سے مربوط چند نمونے پیش کئے جارہے ہیں:

۱. امید افزا

موجودہ حالت سے ناراضگی اور نئی حالت کی امید کا نام، انتظار ہے اس سے انسان کے اندر مستقبل کے لئے اعتماد اور امید کی لہر زندہ ہو جاتی ہے۔ انتظار ہی راہ خیر وصلاح میں مبارزہ کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے اور دل سے خوف نکال دیتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ انتظار وامید کو گوندھ کر انسان کی ماہیت تیار کی گئی ہے اس کے بغیر زندگی کا کوئی مفہوم نہیں رہ جاتا۔ مستقبل کے لئے اس کے بغیر زندگی کی رونق چھن جاتی ہے۔ بے امید کل کی طرف قدم بڑھانا ممکن نہیں ہے۔ انتظار امید عطا کرتا ہے اور ناامیدی کے حوصلہ شکن اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ تعلیمی پہلو سے انتظار کی بنا پر لوگ روشن مستقبل، نفاذ عدالت، عالمی اسلامی حکومت اور ایک الٰہی طاقت کی حامل شخصیت کے ظہور کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور تربیتی پہلو سے انفرادی اور اجتماعی تمام شعبوں میں مکمل تیاری، حقیقی زندگی کی تلاش جس سے آخرت سنور جائے، اسلامی تعلیمات پر عمل اور امام(ع) کی رضا کا حصول (جو رضائے الٰہی کا حصول ہے) انتظار کی دین ہے۔ حضرت امام مہدیؑ کی مخصوص زیارت میں ہم صبح وشام پڑھتے ہیں کہ:

"ونصرتی معدة لکم" میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔

انتظار، امام غائب کی معرفت، علم وآگہی اور وعدہ الٰہی کی فرع ہے۔ اس طرح کی باتوں نے امید کی روح کو زندہ رکھا ہے، اس سے معاشرہ کے افراد کی تعلیم وتربیت میں بہت مدد ملتی ہے۔ تعلیمی نقطہ نظر سے پر امید افراد توحیدی نظریہ کے حامل ہیں۔ ان کی نگاہ میں دنیا کے تمام امور زیر فرمان الٰہی ہیں، سخت اور متزلزل کر دینے والے حالات میں انہیں وعدہ خداوند عالم کا مکمل یقین ہوتا ہے۔ ان کی نظر میں زمین کی حکومت اس کے حقیقی وارثوں سے مخصوص ہے[۱]۔ اور اس بات کا یقین ہے کہ انہیں کو کامیابی ملے گی[۱]۔ اسے یہ بھی

---

۱. وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَي الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الأَرْضِ۔ (سورہ قصص، آیت ۵-۶)۔

معلوم ہے کہ سنت الٰہی کیا ہے اور اس کے لئے کیونکر مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں میں موجودہ صورت حال بدلنے کی خواہش نہیں ہے اور انہیں کامیابی کی امید نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی حالت کو نہیں بدلے گا[۲]۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ امکانی حد تک تمام شعبوں میں انسان کو آمادہ اور تیار رہنا چاہئے[۳]۔

۲. اپنی اصلاح

انتظار ایک ایسا لفظ ہے جس میں اُبوّت کی طرح دو پہلو ہوتے ہیں۔ ابوت یعنی باپ ہونا اس میں جب تک بیٹے کا تصور نہیں آئے گا باپ ہونا سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اسی طرح لفظ انتظار کے بعد منتظِر (انتظار کرنے والا) اور منتظَر (جس کا انتظا کیا جائے) کا تصور خود بخود پیدا ہوتا ہے اس لفظ پر غور وفکر کرنے سے انسان کو مثبت نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے ہم یہ بات پیش کر چکے ہیں کہ انتظار کی حالت نفی واثبات سے مرکب ہے۔ نفی یعنی فساد، ظلم، انحطاط اور اختلال کی بیخ کنی۔ اثبات یعنی اصلاح معاشرہ اور اسلامی اخلاق اور اقدار کی کارفرمائی، لہٰذا جو شخص دنیا کے سب سے برتر انسان یعنی معصوم اور حجت الٰہی کے انتظار میں ہے اسے اپنی اصلاح کے بعد عمل کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے، دینی احکام وقوانین پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ایک روز امام مہدی(عج) کا ظہور ہوگا اور عدل وانصاف پر مبنی عالمی حکومت کی تشکیل ہوگی اور کچھ باصلاحیت افراد آپ کی مدد کریں گے، اس بات کا علم انتظار کرنے والے میں جذبہ پیدا کرتا ہے اور اس کے عزم میں پختگی لاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے امام کے زیر تربیت اپنی اندرونی صلاحیتوں اور روحانی طاقتوں میں مزید شگفتگی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس طرح یہ لوگ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ آنحضرت(عج) کے ظہور کے لئے بھی زمین ہموار کریں گے۔ انتظار کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ انسان احکام الٰہی کی پابندی اور گناہوں سے پرہیز کے ذریعہ اپنے نفس کو سنوارے، اپنے کردار وگفتار پر نظر رکھے اور روز بروز امام(عج) سے اپنے تعلق کو مضبوط کرے اور خود کو ظہور امامؑ کے لئے آمادہ کرے۔ اس کے علاوہ اس بات کا معلوم ہونا کہ امام کا ظہور ناگہانی ہے اور بعد میں

---

۱. كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَ رُسُلِي... (سورہ مجادلہ، آیت ۲۱)۔
۲. إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّي يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ (سورہ رعد، آیت ۱۱)۔
۳. وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ (سورہ انفال، آیت ۶۰)۔

خودسازی اور اصلاح کا موقع نہیں ملے گا،انسان کو مذکورہ تعلیمات پر بھرپور عمل کرنے کی طرف راغب کرے گا۔امام زمانہ (ع) ارشاد فرماتے ہیں :

"جو چیزیں ہماری دوستی کا موجب ہیں تم انہیں اختیار کرواور جو ہماری ناراضگی کاسبب ہیں ان سے دور رہو کیونکہ ہمارا حکم یک بیک پہونچے گا، اس وقت توبہ کسی کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا اور گناہوں سے پشیمانی اس وقت کسی کو ہماری سزا سے نہیں بچائے گی"[۱]۔

اس بناپر انتظار بذاتہ انفرادی تعلیم وتربیت، خودسازی اور اپنی اصلاح میں بہت موثر ہے۔

۳. دوسروں کی اصلاح

انتظار کاایک دوسرا تربیتی اثر دوسروں کی اصلاح یعنی معاشرہ کی اصلاح بھی ہے۔ معاشرتی اور ذاتی سطح پر ہر اصلاح، ظہور وقیام امام (ع) کے لئے زمین ہموار کرتی ہے چونکہ ظہور کی شرط یہ ہے کہ لوگ ہر جہت سے آمادہ ہوں اور عوام الناس کی تعلیم وتربیت اس کی ایک جہت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ تعلیم وتربیت کا نتیجہ بندوں کا صالح بن جانا ہے جس کے بارے میں قرآن کہتاہے :

"ہمارے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے"[۲]۔

انتظار کی بناپر معاشرہ کے افراد دوسروں کی اصلاح بھی کریں گے جس کی وجہ سے اخلاق وفضائل کی ترویج ہوگی اور اس طرح معاشرہ ایک نمونہ مہدوی معاشرہ بنے گا اس لئے کہ وہ ایسے شخص کاانتظار کررہے ہوں گے جس کی حکومت وعدالت عام ہوگی اسی وجہ سے ایسے معاشرہ میں اسلامی تعلیمات مثلاًامر بالمعروف ونہی عن المنکر، گناہوں سے پرہیز، فساد کی روک تھام، عزت وسربلندی، مومنین کے سامنے فروتنی، وعظ ونصیحت کی توسیع، اخلاقی اقدار اور فضائل انسانی کی تقویت وغیرہ کو رونق حاصل ہوگی۔اس طرح مہدوی معاشرہ کی بنیادیں مضبوط ہوں گی اور سماج کا ہر شخص ایک ایسی مشعل بن جائے گا جس سے دوسروں کی ہدایت ہوگی۔ حضرت علیؑ نے ایسے افراد کاوصف یوں بیان فرمایاہے :

"وہ ہدایت کی مشعل اور روئے زمین پر واضح نشانی ہیں، جو چغلی، تفرقہ اندازی اور فساد پھیلانے سے بیزار ہیں، خدا ان پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتاہے"[۳]۔

---

۱. فلیعمل کل امری منکم بما یقرب بہ من محبتنا ویتجنب مایدنیہ من کراھتنا وسخطنا فان امرنا بغتۃ فجاۃ حین لاتنفعہ توبۃ ولاینجیہ من عقابناندم علی حوبۃ و...(الاحتجاج، ج ۲،باب ذکر طرف مماخرج ایضاً عن...(ص ۴۹۵)۔

۲. أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (سورہ انبیاء، آیت ۱۰۵)۔

۳. نہج البلاغہ، ترجمہ وشرح صبحی صالح، ص ۱۴۹، خطبہ ۱۰۳۔

مہدویت کی تعلیمات صرف انسانوں کی تعلیم وتربیت پر اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ ان سے انسان کی اندرونی صلاحتیں بھی شگفتہ ہوتی ہیں۔ یہ تعلیمات، سعادت بشری کی ذمہ دار ہیں اور مہدوی تعلیمات نہ صرف یہ کہ انسان سازی اور دنیاوآخرت کی سعادت وکمال کا سلیقہ سکھاتی ہیں بلکہ وہ اس کی ضامن بھی ہیں اوراس کے علاوہ دوسرے طریقے گمراہی ہیں۔

منابع و مآخذ

۱. ابن منظور، لسان العرب، انتشارات دار صادر، بیروت۔

۲. امیر حسین بانکی پور واحمد قماشچی، تعلیم وتربیت از دیدگاہ مقام معظم رہبری، ج ۱، نشر مرکز مطالعات تربیت اسلامی، ایران۔

۳. راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مطبوعہ مکتب مرتضویہ، ایران۔

۴. سید مہدی صانعی، پژوہش در تعلیم وتربیت اسلامی، مطبوعہ سناباد، مشہد، ایران۔

۵. شیخ الصدوق، کمال الدین وتمام النعمہ ،ج ۱، انتشارات مسجد مقدس جمکران، قم، ایران۔

۶. عبداللہ جوادی آملی، تفسیر موضوعی قرآن کریم ج ۱۴، انتشارات اسراء، ایران۔

۷. علامہ محمد تقی جعفری، تعلیم وتربیت اسلامی جلد، انتشارات پیام آزادی، ایران۔

۸. غلام رضا غیاثی، تعلیم وتربیت در اسلام، جلد ۱، انتشارات بیان الحق، ایران۔

۹. لہ تان خوی، آموزش وپرورش، فرہنگ ہا وجوامع، ترجمہ محمد یمینی دوزی سرخانی، ج ۱، انتشارات دانشگاہ شہید بہشتی، تہران، ایران۔

۱۰. مجید رشید پور، آشنائی با تعلیم وتربیت اسلامی، جلد ۶، نشر انجمن اولیاء ومربیان، ایران۔

۱۱. محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، جلد ۵۲، نشر دار التعارف، بیروت۔

۱۲. محمد بن یعقوب کلینی، اصول کافی، باب فرض العلم، انتشارات گل گشت، ایران۔

۱۳. محمد حسن رحیمیان، اخلاق وتربیت اسلامی، نشر سمت، ایران۔

۱۴. محمد علی سعادت، اخلاق اسلامی، مطبوعہ دفتر نمائندگی رہبری در دانشگاہ ہا، ایران۔

افکار اہل سنت میں مہدی موعود

مولف: مہدی فرمانیان
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

اہل سنت کے آثار اور ان کی تحریروں پر تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علماء و دانشوران اہل سنت کی اکثریت مہدیؑ موعود کو مانتی ہے اور صرف نوع نگاہ اور مصداق امام کے حوالے سے وہ لوگ امامیہ سے مختلف ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو زیادہ تر معاشرتی اعتبار سے ملاحظہ کیا ہے۔

اس تحریر میں اہل سنت کو صاحبان علم کلام، اصحاب حدیث اور سلفیہ میں تقسیم کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمام متکلمین اہل سنت نے نجات دہندہ موعود کے نظریہ کو قبول کیا ہے یہاں تک کہ عقل کی طرف میلان رکھنے والے معتزلہ نے بھی اسے مان لیا ہے۔ اصحاب حدیث کی نوع نگاہ امامیہ سے کافی قریب ہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض افراد تو مصداق میں بھی امامیہ کے ہمراہ نظر آتے ہیں۔ دوسروں کے مقابل میں سخت نظر آنے والے سلفی حضرات بھی حضرت مہدیؑ کو عترت و اولاد فاطمہؑ میں سے جانتے ہیں اور اس بات کو اہمیت نہیں دیتے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں امام مہدیؑ سے متعلق کوئی روایت نقل نہیں ہوئی ہے۔ مہدی موعود عادل ہیں جس کی وجہ سے ان کے خیال میں آپ کا سب سے اہم کام معاشرتی رفاہ عامہ کا کام ہے۔ بیشتر اہل سنت آنحضرت کی معنوی کارکردگی کے قائل نہیں ہیں یہاں تک کہ کچھ افراد آپ کے قیام کو صرف عالم اسلام سے مخصوص سمجھتے ہیں، عالمی قیام تصور نہیں کرتے۔ معنوی اور عالمی قیام کے سلسلہ میں مائل بہ تشیع اہل سنت کے افکار بھی شیعی افکار جیسے ہیں۔

پیروان اسلام کا ہمیشہ یہ اعتقاد رہا ہے کہ پیغمبر اسلام کے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص عدالت کے قیام کے لئے، بے شمار انسانوں کی مدد سے قیام کرے گا۔ وہ الٰہی انسان، اپنی حکومت کے ذریعہ انسانوں کی فلاح و بہبود کو وسعت دے گا۔ مسلمانوں نے پیغمبرؐ اعظم کی پیروی کرتے ہوئے ایسے انسان کے آنے کی بشارت دی ہے اور اس کا نام مہدی (اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ) رکھا ہے۔ صدر اسلام ہی سے اس کا نام دلوں میں موجود زبانوں پر جاری اور نسلوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ باتیں کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ مختلف

فکر و نظر اور مذاہب کے باوجود، بزرگان اہل سنت نے چھوٹے بڑے مقالے اور مستقل رسالے تحریر فرمائے ہیں اور محدثین نے اپنی کتابوں میں روایات وآثار مہدیؑ کے لئے مخصوص باب قائم کیا ہے۔ اہل سنت نے "اشراط الساعۃ" کے نام سے اس مسئلہ کو تحریر کیا ہے اور تاریخ میں اس کا اہم کردار رہا ہے۔ مہدویت کا موضوع اتنا اہم ہے کہ بہت ہی کم افراد نے اس کا انکار کیا ہے البتہ پچھلی صدی میں ایک گروہ نے انکار کیا ہے ممکن ہے یہ انکار عقلی تعلیمات کی طرف میلان یا مغربی شکاکیت کی دین ہو[۱]۔

اہل سنت کی نگاہ میں مہدویت

لفظ اہل سنت[۲] اور اس کے مصداق کا بیان یہاں پر بہت ضروری ہے۔ سنت کا لغوی معنی طریقہ اور روش ہے[۳] اور اصطلاحی طور پر مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اہل سنت نے اسے "بدعت" کے مقابل استعمال کیا ہے یعنی شریعت کے مطابق عمل کو وہ سنت سمجھتے ہیں۔ اعتقادات کے مباحث میں احمد بن حنبل نے سنت کی یہ تفسیر بیان کی ہے[۴]۔ "اصول السنۃ" نامی تحریر میں اعتقادی سنتوں کو اس طرح رقم کرتے ہیں:

۱. اصحاب رسول کی اقتداء اور ان سے تمسک
۲. قدر اور اس کے خیر و شر پر ایمان
۳. قرآن کا قدیم اور مخلوق نہ ہونا
۴. قیامت کے دن خدا کی رویت
۵. ترتیب وار ابو بکر، عمر، عثمان اور اصحاب شوریٰ کی افضلیت
۶. خلیفہ کی اطاعت چاہے وہ فاسق ہو یا عادل
۷. خلیفۃ المسلمین پر خروج کا جائز نہ ہونا
۸. صحابہ کی برائیوں کے بیان کا جائز نہ ہونا

---

۱. اس طوفان کے مقابل میں اہل سنت کے اصحاب حدیث نے گذشتہ دہائیوں میں تائید مہدویت کے سلسلہ میں متعدد کتابیں لکھیں، ہم اپنے مضمون میں ان کا تذکرہ کریں گے ۔
۲. مہدی فرمانیان "مدخل اہل سنت" مجلّہ ہفت آسمان، شمارہ ۱۷ ،سال پنجم، بہار ۱۳۸۲۔
۳. المصباح المنیر، ص ۱۔ و ۲ و ص ۲۹۲۔
۴. احمد بن حنبل سے پہلے حدیث کی طرف مائل افراد کو اصحاب اثر (یعنی پیغمبرؐ، صحابہ و تابعین کے آثار) کہتے تھے اور اقوال پیغمبرؐ وصحابہ وتابعین پر سنت کا اطلاق ہوتا تھا۔ آثار پیغمبرؐ پر سنت کا اطلاق کرنے والے پہلے شخص شافعی ہیں اور بعد والوں نے اسے قبول کرلیا۔

۹. خلق بہشت و جہنم
۱۰. اہل قبلہ کا کافر نہ ہونا اور ان کے لئے استغفار کرنا[1]

احمد بن حنبل نے ان اصولوں کو "اصول سنت" کا نام دیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک اصول پر اعتقاد نہ رکھنے کی بناپر وہ معتزلہ، شیعہ، مرجئہ، قدریہ، جہمیہ اور خوارج کو بدعتی کہتے ہیں[2]۔ شافعی اور مالکی مسلک کے ماننے والوں نے اپنے رہنماؤں کی پیروی میں ان عقائد کو مان لیا کیونکہ ان کے رہبر ان جو کہ اصحاب حدیث کی صف میں[3] تھے کبھی کبھی ایسے جملے بیان کرتے ہیں جو احمد بن حنبل کی تائید میں ہوتے تھے[4]۔

احمد بن حنبل کے ایک صدی بعد تین افراد پیدا ہوئے ایک مصر میں دوسرے بصرہ میں اور تیسرے ماوراءالنہر میں جو اپنے کو اہل سنت والجماعت کہتے تھے۔ یہ لوگ لفظ اہل سنت میں بہت سے متکلمین کو شامل سمجھتے تھے اور ایک بہت وسیع حلقہ کو مصداق اہل سنت میں شمار کرتے تھے۔ ابو جعفر طحاوی (متوفی ۳۲۱ ھ تقریباً) مصر میں ابو حنیفہ کی حمایت میں جنہیں احمد بن حنبل، بدعتی (مرجئہ) سمجھتے تھے، بیان اعتقاد اہل سنت نام کی ایک کتاب تحریر کی جس میں ابو حنیفہ کو اہل سنت تسلیم کیا ہے[5]۔ مشرق میں بھی ابو منصور ماتریدی نام کے ایک متکلم (متوفی ۳۳۳ھ) گذرے ہیں جو ابو حنیفہ کی پیروی میں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے تھے۔ ان کی ایک کتاب بنام تاویلات اہل سنت بھی موجود ہے۔ انہوں نے "ماتریدی کلامی نظریہ" ایجاد کیا جس نے اہل سنت کے عقائد پر بڑا نمایاں اثر ڈالا۔ کتاب عقائد نسفی کے مصنف ابو حفص نسفی (۵۳۷ ھ) جن کی کتاب صدیوں تک مدارس اہل سنت کے درس میں شامل رہی ہے، وہ بھی اسی مکتب فکر سے نکلے تھے۔ اس بناپر ابو حنیفہ رفتہ رفتہ بدعتی افراد کی صف سے نکل کر اہل سنت کی صف میں آگئے۔ ابو الحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ ھ تقریباً) بھی بصرہ میں ایک اہم اور بڑے کلامی نظریہ کے بانی ہیں پہلے تو انہوں نے کتاب الابانہ لکھ کر اپنا تعارف احمد بن حنبل کے پیروکاروں میں کرایا پھر اپنا نظریہ پیش کیا۔ احمد بن حنبل علم کلام کو اسلام میں مذموم سمجھتے تھے اس کے باوجود ابو الحسن اشعری نے

---

۱. فواز، احمد زمرلی، عقائد ائمہ السلف، ص ۱۹-۳۷۔
۲. ابو الحسن اشعری، الابانہ عن اصول الدیانہ، تحقیق عباس صباغ۔
۳. سید کاظم بجنوردی، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی "مدخل اصحاب حدیث"، ج ۹، ص ۱۱۸۔
۴. مالک ابن انس، الموطا، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی میں ہے کہ ہم نے ظواہر آیات سے تمسک کیا ہے ان کی کیفیت کے بارے میں ہم سوال نہیں کرتے۔
۵. اس رسالہ کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، آخری شرح، شرح العقیدۃ الطحاویۃ ہے جو عصر حاضر کے مشہور سلفی اور حدیث شناس کی تحریر کردہ ہے۔

اسے اچھا سمجھا اور احمد بن حنبل کے برخلاف علم کلام کو علوم اسلامی میں شمار کیا اس طرح اشاعرہ کا کلامی نظریہ، اہل سنت کا کلامی مکتب فکر بن گیا اور پھلتا پھولتا رہا۔ اس مکتب فکر میں ابو بکر باقلانی (متوفی ۴۱۳ھ) امام الحرمین جوینی (متوفی ۴۷۸ ھ)، غزالی (متوفی ۵۰۵ ھ) فخر رازی (متوفی ۶۰۶ ھ)، تفتازانی (متوفی ۷۲۹ ھ)، جیسے بزرگ علماء پیدا ہوئے۔ اہل سنت کے نزدیک معتزلہ اسی طرح بدعت گذاروں کے صف میں مانے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ مغلوں کے حملہ کے بعد بالکل ختم ہوگئے۔ علمائے امامیہ کی پیروی اور امامت کے سلسلے میں معتزلہ اور اہل سنت کے ہم فکر ہونے کی بناپر مصنف، معتزلہ کو اہل سنت سمجھتا ہے۔

دوسری طرف فقہ اہل سنت میں دوسری صدی سے مختلف مکاتب فکر مثلاً، اوزاعی، سفیان ثوری، طبری (جریری) حنفی، لیثی، ظاہری، شافعی، حنبلی، مالکی اور کرّامی پیدا ہوئے جن میں صرف چار مکاتب باقی رہ گئے۔ مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک نے حدیث پر توجہ دی اور صحابہ وتابعین کے نظریات وآراء کے حامل بنے۔ ابو حنیفہ کی فقہ قیاس کی وجہ سے اصحاب رائے کی فقہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ عصر حاضر میں بیشتر اہل سنت حنفی (ماتریدی) اور پھر شافعی (اشاعرہ) ہیں اگرچہ سلفیت کی طاقت بڑھتی جارہی ہے[1]۔

اہل سنت کا مصداق ومفہوم مشخص ہوجانے کے بعد اب اہم اہل سنت کے متکلمین کی نظر میں موعود کا نظریہ پیش کریں گے اور ہماری بحث کا زیادہ تر حصہ اصحاب حدیث کے سلسلہ میں ہوگا۔ سلسلہ بیان میں بحث مہدویت میں منکرین اور متردین کے افکار راور تردد کے علل پر بھی نظر ڈالی جائے گی اور مہدی موعود پر اہل سنت کے یقین کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

متکلمین اہل سنت اور مہدی موعود

علم کلام کی مختصر تعریف میں کہا گیا ہے کہ "یہ دین کا عقلی دفاع ہے"[2] لہٰذا متکلمین کی کتاب میں مہدویت کے بحث کی توقع بے کار ہے۔ جیسا کہ بعض مشہور اور معتبر کلامی کتابوں میں یہ بحث نہیں پائی جاتی اور یہ اہل سنت کے متکلمین کی عدم توجہ یا انکار کی دلیل نہیں ہے بلکہ علم کلام کے موضوع اور مباحث مہدویت کے ادلہ منقولہ پر مبنی ہونے کی بناپر علم کلام کی کتابوں میں اس طرح کے موضوعات کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل سنت کی نظر میں یہ موضوع اتنا بلند ورفیع نہیں ہے جتنا کہ شیعوں کی نظر

---

۱. مفہوم اہل سنت کے سلسلہ میں مدخل سنت دائرۃ المعارف اسلام انگلیسی اور دائرۃ المعارف فارسی مصاحب، دیوبندی اور بریلوی۔ مجلّہ طلوع، شمارہ ۶ ملاحظہ ہو۔

۲. تعارف علم کلام کے بارے میں، احمد فرامرز قراملکی کی ہندسہ معرفتی کلام جدید، فصل اول، مطبوعہ بار اوّل، انتشارات مؤسسہ فرہنگی دانش واندیشہ معاصر، تہران ۱۳۷۸ شمسی ملاحظہ ہو۔

میں ہے۔ اس مسئلہ میں شیعوں کی بازگشت امامت وخلافت کی طرف ہوتی ہے۔ شیعوں کی فکر کا محور و مرکز مسئلہ امامت ہے بہت ساری کتابیں اس موضوع پر شیعہ حضرات نے لکھی ہیں لیکن اہل سنت کی نظر میں یہ ایک فرعی مسئلہ ہے۔ بعض سنی متکلمین کہتے ہیں :

"ہم نے مشہور روش کی پیروی میں علم کلام میں مسئلہ امامت پر بحث کی ہے ورنہ علم کلام امامت جیسے موضوع کی جگہ نہیں ہے"[1]۔

تیسری بات یہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے جب علم کلام کی یہ شکل بھی نہیں تھی، علمائے اہل سنت نے "اشراط الساعۃ" کے موضوع کے تحت مہدویت پر بحث کی ہے اور علم کلام میں "اشراط الساعۃ" کی بحث یاتو موجود ہی نہیں ہے یا پھر اس موضوع پر سرسری گفتگو کر کے متکلمین آگے بڑھ جاتے ہیں جیسا کہ ایجی کی شرح مواقف، فخر رازی کی المطالب العالیہ، قاضی عبد الجبار کی مغنی، ابو معین نسفی کی تبصرۃ الادلہ، بزدوی کی اصول الدین، احمد غزنوی حنفی کی اصول الدین[2]، سیف الدین آمدی کی ابکار الافکار، شہرستانی کی نہایۃ الاقدام، غزالی کی الاقتصاد فی الاعتقاد، عبد القاہر بغدادی کی اصول الدین، فخر رازی کی البراہین فی علم الکلام، امام الحرمین جوینی کی الارشاد والشامل فی اصول الدین، باقلانی کی التمہید وغیرہ میں "اشراط الساعۃ" کی کوئی گفتگو نظر نہیں آتی، نسفی نے اپنی کتاب عقائد کی شرح میں خروج دجال، یاجوج ماجوج، نزول عیسیٰ، مغرب سے طلوع شمس کی گفتگو "اشراط الساعۃ" میں کی ہے۔ لیکن اس موقع پر انہوں نے مہدیؑ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ شرح عقائد میں لکھتے ہیں :

"اشراط الساعۃ میں صحیح حدیثیں بہت زیادہ ہیں۔ جو ملاحظہ کرنا چاہے وہ تفسیر، تاریخ اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے"[3]۔

اشعری متکلم عالم تفتازانی، شرح مقاصد میں مہدیؑ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :

"اولاد فاطمہ سے کسی امام کے ظہور جو زمین کو عدل وداد سے بھردے گا اور نزول عیسیٰ کے سلسلہ میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن یہ اخبار آحاد ہیں اور خروج دجال کو تواتر معنوی حاصل ہے۔ لیکن مہدیؑ کے پیچھے عیسیٰ کے نماز پڑھنے کی کوئی سند نہیں ہے"۔

انہوں نے اس باب میں وہی روایتیں بیان کی ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں[1]۔ ماتریدی مسلک

---

۱. محمد غزالی، الاقتصاد فی الاعتقاد، تحقیق ڈاکٹر عادل العواد، ص ۲۱۳ ۔

۲. مؤلف نے اشراط الساعۃ کی بحث تحریر کرنے کے باوجود مہدیؑ کے بارے میں بحث نہیں کی ہے۔

۳. شرح العقائد النسفیہ، تحقیق محمد عدنان درویش و شیخ ادیب الکلاس، ص ۲۷۳، ص ۲۷۴ ۔

کے مشہور حدیث شناس اور متکلم ملا علی قاری اپنی کتاب شرح الفقہ الاکبر [۲] میں اشراط الساعۃ کی بحث میں لکھتے ہیں:

"ظہور مہدی "اشراط الساعۃ" میں سے ہے اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ مہدیؑ حرمین شریفین سے ظہور کریں گے پھر بیت اللہ المقدس پہونچیں گے وہاں دجال ظاہر ہو کر مہدیؑ کا محاصرہ کر لے گا، عیسیٰ دمشق کے منارہ شرقی سے نازل ہوں گے اور دجال کو ختم کر دیں گے، عیسیٰؑ، مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے... اور عیسیٰؑ چالیس سال تک زمین پر باقی رہ کر دنیا سے سدھاریں گے... ایک روایت میں سات سال کا ذکر ہے جس کا جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ وہ ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر چلے جائیں گے اور نزول کے بعد سات سال اس دنیا میں زندگی گذاریں گے، شرح عقائد میں آیا ہے کہ مہدیؑ، عیسیٰؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے" [۳]۔

بہاء الدین زادہ (متوفی ۹۵۲ ھ) فقہ اکبر کی ایک دوسری شرح میں خروج مہدیؑ کو "اشراط الساعۃ" میں شمار کرتے ہیں۔ آپ نے روایات کے مطابق مہدیؑ کو اہل بیت رسولؐ کی فرد قرار دیا ہے جو ظلم و فساد کی کثرت کے بعد عدالت کو عام کریں گے حالانکہ اس وقت علم کم اور جہالت زیادہ ہوگی [۴]۔

اس بحث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت امیر المومنین کا یہ کلام کہ "بنا تختم اللہ..." مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے جو آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے اکثر محدثین نے ان کو اولاد فاطمہ سؑ میں شمار کیا ہے اور ہمارے اصحاب (معتزلہ) بھی اس کے منکر نہیں ہیں انہوں نے اپنی کتاب میں مہدیؑ کو یاد کیا ہے اور شیوخ معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن وہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں اور یہ وہی اہل حدیث کا مذہب ہے" [۵]۔

ابی الحدید کے کلام میں بہت سے دقیق نکتے پوشیدہ ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ معتزلہ (جو سب سے

---

۱. شرح المقاصد، تحقیق ڈاکٹر عبد الرحمٰن عمیرہ و صالح موسیٰ شرف جلد ۵، ص ۳۱۲۔ ص ۳۱۵۔

۲. میں یہ یاد دلادوں کہ فقہ اکبر میں مہدیؑ کا نام نہیں آیا ہے بلکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ وغیرہ کا ذکر ہے، فقہ الاکبر علم کلام کی کتاب ہے اور ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے۔

۳. منع الروض الازھر فی شرح الفقہ الاکبر تحقیق شیخ وہبی سلیمان غامجی، ص ۳۲۴۔۳۲۶۔

۴. القول الفصل شرح الفقہ الاکبر للامام ابی حنیفہ، تحقیق، رفیق العجم، ص ۴۳۸۔۴۴۲؛ کمال الدین احمد بیاض حنفی، اشارات المرام من عبارات الامام، تحقیق یوسف عبد الرزاق، ص ۶۷۔

۵. تحقیق محمد ابو لفضل ابراہیمی، جلد ۱، ص ۲۸۲، ۲۸۱؛ الامام المہدی عند اہل السنۃ، ص ۱۲۷۔۱۲۸۔

زیادہ عقل کی طرف میلان رکھتے ہیں) کا اعتقاد مہدیؑ پر ہے، انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا ہے جو مہدیؑ کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے منقولہ احادیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معتزلہ کا نظریہ بھی اصحاب حدیث جیسا ہے، اس وجہ سے اہل سنت کے یہاں بحث مہدویت کی جستجو میں اہل حدیث کی طرف مراجعہ کرنا چاہئے۔ متکلمین کے درمیان اس کا بہت ہی کم سراغ ملتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ معتزلہ کی کتابوں میں مہدیؑ کی بحث آئی تو ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر چیزیں ضائع ہو گئیں اور اب وہ موجود نہیں ہیں۔ بیان شدہ مطالب کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اشاعرہ نے اپنی کتابوں میں یہ بحث بہت کم کی ہے۔ ماتریدی فرقہ نے ابو حنیفہ کی پیروی میں ''اشراط الساعۃ'' اور مہدیؑ کے مباحث پر زیادہ توجہ دی ہے اور متکلمین (اعم از معتزلہ، اشعری اور ماتریدی) کا مہدیؑ کے باب میں وہی نظریہ ہے جو اصحاب حدیث کا ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ بہت سے متکلمین نے اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی ہے لیکن اس سے رد ظہور مہدیؑ کی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔

امام مہدیؑ اصحاب حدیث کی نظر میں[1]

ملاحم وفتن کے موضوع پر اہل سنت کی متعدد اہم کتابیں موجود ہیں ابن طاؤس (متوفی ۶۶۴ھ) کی نظر میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی جاسکتی جب تک کہ صاحب حدیث اور بخاری کے استاد نعیم بن حماد مروزی (متوفی ۲۲۹) کی کتاب الفتن کا مطالعہ نہ کیا جائے[2]... اس سلسلہ کی دوسری کتاب السنن الواردہ فی الفتن مصنفہ ابو عمرو دانی (م ۴۴۴ھ) ہے جو ابھی جلد ہی عربستان سعودی میں طبع ہوئی ہے۔ شیعیت کی طرف میلان[3] رکھنے والے بہت سے سنی حضرات اور اصحاب حدیث نے دوسری کتابوں مثلاً الملاحم ابن منادی، البعث والنشور بیہقی، مناقب المہدی یا اربعین حدیث فی المہدی[4]، صفۃ المہدی ابو نعیم اصفہانی (م۔ ۴۳۰ھ) سے استفادہ کیا ہے جن میں بعض کتابیں اب موجود نہیں ہیں لیکن یوسف بن

---

۱. اصحاب حدیث اہل سنت کے گروہ میں بھی دو گروہ ہیں ایک میں تمام احادیث پر مثبت انداز میں نظر ڈالی گئی ہے اور موضوع وضعیف حدیثوں کو نادر اور کم جانا گیا ہے دوسرے میں حدیثوں کو قبول کرنے میں سختی دکھائی گئی ہے اور ہر حدیث کو قبول نہیں کیا گیا ہے۔

۲. مقدمہ کتاب الملاحم والفتن فی ظہور الغائب المنتظر، یہ کتاب نعیم ابن حماد کی کتاب الفتن، ابو صالح سلیلی کی الفتن اور زکریا بن یحیٰ بزاز (م ۲۹۸ھ) کی الفتن کا خلاصہ ہے، ان میں سے ابن حماد کی الفتن کے علاوہ دوسری دونوں کتابیں نہ تو مشہور ہیں اور نہ اس وقت ان کا کوئی وجود ہے۔

۳. مائل بہ تشیع اہل سنت کی توضیح آئندہ آئے گی۔

۴. رسالہ العرف الوردی فی اخبار المہدی۔ تالیف جلال الدین سیوطی جو کہ ابو نعیم اصفہانی کی کتاب اربعین کا خلاصہ ہے۔

یحیٰ شافعی کی کتاب العقد الدرفی اخبار المنتظر میں (ساتویں صدی ہجری کے عالم) اور محمد بن یوسف گنجی شافعی کی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں یہ اخبار موجود ہیں۔ سہل انگاری سے کام لینے والے اصحاب حدیث کا قصہ نعیم بن حماد نے کتاب الفتن (اسی گروہ کی قدیم ترین کتاب) میں شروع کیا ہے۔ اس سلسلہ کو مذکورہ چھ کتابوں میں سے پانچ کتابوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے[1]۔ قرطبیؒ کی التذکرۃ فی احوال الموتیٰ والامور الآخرۃ (م ۶۷۱ھ)، محب الدین طبری کی ذخائر العقبیٰ (م ۶۹۴ ھ)، ابن وردی (م ۷۴۹ ھ) کی خریدۃ العجائب، سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی العرف الوردی، متقی ہندی (م ۹۷۵ ھ) کی کنز العمال، ملا علی قاری (م ۱۰۴۱ھ) کی مرقاۃ المفاتیح[2] اور المشرب الوردی فی مذہب المہدی، سفارینی حنبلی (م ۱۱۸۸ھ) کی لوامع الانوار، محمد بن سلوم (م ۱۲۴۶ھ) کی مختصر لوامع الانوار البہیہ و سواطع الاسرار الاثریہ، صبان شافعی (م ۱۲۰۶ ھ) اسعاف الراغبین، قندوزی (م ۱۲۷۰ ھ) کی ینابیع المودۃ میں، بلبیسی شافعی (م ۱۳۰۸ ھ) العطر الوردی اور محمد بیومی مصری کی الامامۃ واہل البیت میں بھی اس مسئلہ پر گفتگو موجود ہے۔ اہل سنت کے اصحاب حدیث کے اس گروہ نے احادیث اور خاص کر احادیث مہدیؑ کے استناد کے سلسلے میں صحابہ وتابعین کے آثار کو بڑی آسانی سے حل کیا ہے اور تعارضات وتناقضات کی صورت میں کوئی راہ حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور تناقضات اور تعارضات کو رفع کرنے میں کبھی بھی انہوں نے جعل، وضع اور ضعیف کی اصطلاح سے کام نہیں لیا ہے۔

شیعیت کی طرف میلان رکھنے والے سنی حضرات کے مقابلہ میں ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ مصداق میں بھی دوسرے اہل حدیث حضرات کی طرح مہدیؑ کو امام حسنؑ کی اولاد سمجھتے ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ہیں اور آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے۔ یہ کہنا اغراق نہ ہوگا کہ ان تمام کتابوں میں نعیم بن حماد کی کتاب الفتن اور کتاب ابو نعیم اصفہانی کی روایتیں موجود ہیں۔ اس بنا پر اس تحریک کا اصلی سرچشمہ کتاب الفتن ہے۔ ان کتابوں میں ظہور کے بارے میں دو طرح کی علامتیں پائی جاتی ہیں ایک تو وہ علامتیں جو ہر زمانہ پر منطبق ہوتی ہیں مثلاً دینی علوم اور دین پر توجہ کا کم ہو جانا۔ جہل کی فراوانی، فحشاء کا عام ہونا اور بلا

---

۱. جو کتابیں مفقود ہیں ان کے طرز نگارش کو دوسروں سے منقول مطالب کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ البیان فی اخبار صاحب الزمان کے سلسلہ میں اس مقالہ کی بحث "مائل بہ تشیع سنی حضرات" ملاحظہ فرمائیں۔

۲. تحقیق جمال عیتانی، ج ۱۰، ص ۸۹۔۹۸۔

ومصیبت کی زیادتی[1]۔

دوسری طرح کی روایتیں خصوصیت کی حامل ہیں۔ مثلاً بنی امیہ سے سفیانی نام کا ایک شخص شام میں بہت سے ترک اور رومیوں کو قتل کرے گا، حجاز کی طرف رخ کرے گا پھر کوفہ پہونچے گا۔ آل محمد ص کے دوستوں اور شیعوں کو قتل کرے گا، مدینہ کی طرف ایک لشکر روانہ کرے گا، وہ فوج مدینہ میں بنی ہاشم کو قتل کرے گی، نفس زکیہ (اہل بیتؑ میں سے ایک شخص) مارے جائیں گے۔ آل محمد بھی مکہ اور خانۂ خدا میں پناہ لیں گے[2]۔ ان واقعات کو سنکر اہل مشرق میں سے کچھ افراد سیاہ پرچم (رایات سود) کے ساتھ بنی فاطمہ کی حمایت میں نکل پڑیں گے[3]۔ مکہ جاتے ہوئے بیداء کے مقام پر سفیانی کا لشکر زمین میں دھنس جائے گا، اس وقت ایک منادی آسمان سے ندادے گا کہ تمہارا امیر مہدی ہے۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا[4]۔ منادی کی ندا کا یہ اثر ہوگا کہ مکہ والے بنی فاطمہ میں سے ایک چالیس برس کے شخص کے ہاتھ پر رکن ومقام کے درمیان بیعت کریں گے (حالانکہ وہ بیعت کو پسند نہیں کرے گا) وہ شخص ہمنام پیغمبرؐ اور اولاد حسنؑ سے ہوگا۔ اس کی پیشانی بلند ہوگی اور اس کے دائیں رخسار پر ایک خال ہوگا، ابتدائی بیعت کرنے والوں کی تعداد اہل بدر کی تعداد کے برابر ہوگی[5]۔ مہدیؑ، پیغمبرؐ کے پرچم کے ساتھ حجاز کو فتح کریں گے پھر بیت المقدس کی طرف بڑھیں گے، سیاہ پرچم والے خراسان کے افراد، کوفہ میں ان سے مل جائیں گے اور خونریزی کے بغیر بیت المقدس کو وہ فتح کریں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اتنی خونریزی ہوگی کہ لوگ کہنے لگیں گے:

"خدا کی قسم یہ اولاد فاطمہؑ سے نہیں ہیں اگر ان میں سے ہوتے تو ہم پر رحم فرماتے"[6]۔

بیت المقدس میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان کتاب مقدس سے فیصلہ کریں گے۔ انطاکیہ کے غار سے تابوت سکینہ برآمد کریں گے، اس وجہ سے بہت سے یہودی مسلمان ہوجائیں گے۔ اس طرح کی

---

۱. تحقیق ڈاکٹر سہیل ذکار، ص ۱۵۰- ۱۶۵، یوسف بن یحٰی شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر، تحقیق عبد الفتاح محمد الحلو، ص ۴۳- ۶۶؛ الملاحم والفتن، ص ۳۸- ۴۹؛ الامام المہدی عند اہل السنۃ و...۔

۲. الفتن، ص ۱۶۵- ۱۷۵؛ عقد الدرر، ص ۶۷-۹۹ وغیرہ۔

۳. محمد بن یوسف گنجی شافعی، البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق مہدی خراسانی، ص ۱۰۵- ص ۱۰۷، احادیث رایات سود (سیاہ پرچم والی روایتیں) اہل سنت کی بہت سی معتبر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

۴. الفتن، ص ۲۰۸-۲۱۰۔

۵. ایضاً، ص ۲۱۱-۲۱۳۔

۶. ایضاً، ۲۱۶۔

تحریروں میں مہدیؑ عام طریقے سے لیکن توفیقات خداوندی سے اپنا کام آگے بڑھائیں گے، ان کے مدمقابل سفیانی ہے جو قبائلی جھگڑوں کو بڑھاوا دے گا اور شیعیان و محبان اہل بیتؑ کے ساتھ سختی سے پیش آئے گا۔ اصحاب حدیث کے قول کے مطابق نظریہ ظہور منجی صرف معاشرتی پہلو سے اہم ہے اور صرف مسلمانوں کے کچھ خاص گروہ کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ سماجی بھلائی اور کثرت اموال کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ وہ لوگوں میں بہت زیادہ مال تقسیم کرے گا، زمین سے بہت زیادہ مال نکالے گا اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف سے تقسیم کر دے گا، زمین وآسمان کے رہنے والے اس سے راضی ہوں گے، آسمان اپنی برکتیں نازل کرے گا، زمین اپنے نباتات کا خزانہ پیش کر دے گی، اس کے زمانہ میں محسن اپنے احسان میں اضافہ کرے گا، گنہگار اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں گے، مساکین پر رحم کیا جائے گا۔ ایک رات میں خدا مہدیؑ کے کام کو درست کر دے گا اور اتنی نعمتیں دے گا جو کسی امت کو نہیں ملیں[۱]۔ پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ بعض روایتوں کی بناپر عیسیٰؑ، مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دوسری روایتوں کے مطابق مہدیؑ عیسیٰؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے[۲]۔ سات، آٹھ یا نو سال اور بعض روایات کی بناپر چالیس سال حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہوں گے[۳]۔ مسلمان ان پر نماز پڑھ انہیں کر دفن کر دیں گے۔ ان کے بعد فتنے برپا ہوں گے پھر قحطانی[۴] نامی شخص حکومت کرے گا۔

یہ گروہ مہدی (ع) کو ایک بشری موعود تسلیم کرتا ہے جو زیادہ تر اسلام کے دایرے میں ایک سماجی کام کرنے والا ہوگا۔ مہدی (ع) کے بارے میں کتاب الفتن اور اس سے متاثرہ کتابوں کی سیکڑوں روایتوں کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا لیکن اس کے تجزیہ سے پہلے یہاں چند نکات کا ذکر ضروری ہے:

۱. کتاب الفتن کے زیادہ تر مطالب، اقوال صحابہ وتابعین ہیں جن کا بہت کم سلسلۂ اسناد پیغمبرؐ تک پہونچتا ہے، اس کے باوجود کتاب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ دوسری صدی کے اواخر تک اقوال پیغمبرؐ وصحابہ وتابعین پر سنت کا اطلاق ہوتا تھا۔ مالک بن انس (م

---

۱. الفتن، ص ۲۲۰-۲۲۷۔
۲. ایضاً ۲۳۰، فقط ص ۳۵۲ پر عبداللہ ابن عمر سے ایک روایت ہے جس میں لکھا ہے کہ مہدی (ع)، عیسیٰؑ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ جبکہ عیسیٰؑ، مہدی (ع) کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ بعض دوسری روایتوں میں مہدیؑ کا نام نہیں ہے وہاں صرف رجل صالح اور مسلمانوں کا امام موجود ہے۔
۳. الفتن، ص ۲۳۲-۲۳۳۔
۴. ایضاً، ص ۲۴۰۔

۱۷۹ھ) کی الموطا، محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الاصل (م ۱۸۹ ھ)، عبد الرزاق صنعانی (م ۲۱۱ ھ) کی المصنف وغیرہ جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے جو کہ کتاب الفتن جیسی فضا میں لکھی گئی ہیں، پتہ چلتا ہے کہ ان میں صحابہ وتابعین کے کتنے اقوال موجود ہیں جنہیں اصطلاح حدیث میں اثر (جس کی جمع آثار ہے) کہاجاتا ہے۔ شافعی (م ۲۰۴ ھ) اور ان کی کتاب الرسالہ کے بعد سنت کے مفہوم سے آثار خارج ہوگئے اور فقط قول وفعل وتقریر پیغمبرؐ کے لئے لفظ سنت استعمال ہونے لگا۔ مالک بن انس اور اوزاعی کبھی کبھی صحابہ اور تابعین سے منقول اقوال کو پیغمبر اسلامؐ سے منقول احادیث پر ترجیح دیتے تھے اور شافعی اس بات سے زیادہ فکر مند تھے۔ شافعی نے اصطلاح اہل سنت کے لیے ایک نیا مفہوم پیش کیا جو اہل سنت کی حدیث کی تاریخ میں وہ نقطۂ عطف ہے جس کی بناپر رفتہ رفتہ کتب احادیث سے آثار صحابہ خارج ہوئے اور آثار پیغمبرؐ کو خاص جلاء حاصل ہوئی[۱]۔ اس ماحول میں اہل سنت کے یہاں صحاح ستّہ اور موسوعہ تسعہ تحریر ہوئی اور انہیں مقبولیت حاصل ہوئی۔

۲. مذکورہ بالا بہت سی کتابوں میں حضرت امیرؑ، امام حسنؑ، امام محمد باقرؑ اور کہیں کہیں امام جعفر صادقؑ کے اقوال بہ کثرت موجود ہیں لیکن اہل سنت کے معروف محدثین کی کتابوں میں یہ ذخیرہ (خاص کر مہدی(عج) کے باب میں) نہیں ملتا۔

۳. کتاب الفتن، کنز العمال، البرھان فی علامات المھدی لمتقی ھندی، العرف الوردی سیوطی اور دوسری کتابوں کی روایات میں ظہور مہدیؑ اور خروج دجال میں مضبوط رابطہ نظر نہیں آتا۔

بعض روایتوں میں نزول عیسیٰؑ کو ہنگام قتل دجال اور ظہور مہدیؑ لکھا گیا ہے۔ ان روایات کی بنیاد پر خروج دجال کو قیام مہدی(عج) کے ساتھ مرتبط کیا جاسکتا ہے۔ کتاب عقد الدرر فی اخبار المنتظر میں ظہور مہدی(عج) اور خروج دجال کے ارتباط کے سلسلہ میں حذیفہ کے ذریعہ پیغمبرؐ کی صرف ایک روایت بیان ہوئی ہے[۲]۔ حالانکہ اس میں دجال کے بارے میں تقریباً ۴۴ صفحات کی بحث موجود ہے اور اس سلسلہ میں صرف دو اثر ایک حضرت امیرؑ اور دوسرے کعب الاخبار کی موجود ہے[۳]۔ گویا کتاب الفتن میں نعیم بن حماد کی نظر میں ظہور مہدی(عج) اور دجال کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ ابن طاؤس، الملاحم والفتن میں احادیث

---

۱. دائرۃ المعارف بزرگ الاسلامی "مدخل اصحاب حدیث"، ج ۹، ص ۱۱۸۔

۲. عقد الدرر، ص ۲۶۶۔

۳. ایضاً، ص ۲۷۴-۲۷۷۔

مہدیؑ، عیسیٰؑ اور دجال کو باہم مرتبط سمجھتے ہیں[1]۔ اسی طرح سے متکلمین کے حصہ میں ہم نے ملا علی قاری کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے بھی اس ارتباط کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ان راویوں نے جو روایتیں نقل کی ہیں ان پر توجہ دینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں مہدویت، اسلام کا قطعی اور مسلم اصول ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نسل فاطمہ زہراءؑ سے ایک ایسے شخص کے ظہور کی خبر دیتے ہیں جو بنی امیہ کی نسل سے ایک ظالم کے خروج کے بعد قیام کرے گا۔ اس خبر میں صرف معاشرتی نجات کی طرف اشارہ ہے جس کا اہم حصہ عدالت ہوگا جس میں بہت زیادہ دولت وثروت لوگوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔ عدالت کا یہ دور بہت مختصر ہوگا۔ اس عدالت طلبی کے بیشتر مقدمات الٰہی امداد اور توفیق سے حاصل ہوگا مثلاً آسمانی منادی کی ندا، بہت زیادہ بارش، عیسیٰؑ کا نزول اور دجال کے قتل میں مدد، نباتات کا روئیدہ ہونا۔ خدا کے علم سے جو خزانہ زمین میں چھپا ہے اس کا ظاہر ہونا۔ ایسی روایتوں میں مہدی موعود کا وجود نہ مافوق طبیعت کوئی وجود ہے اور نہ اہل زمین کی طرح کوئی معمولی وجود ہے لیکن وہ عصمت اور علم غیب کے حامل بھی نہیں ہیں، ان میں مافوق بشر صفات بھی نہیں پائے جاتے۔ ان کے ظہور سے عقل وعلم میں کوئی ترقی نہ ہوگی، زیادہ تر مادی نعمتوں کا ذکر ہے اور معنوی نعمتوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ اس نکتۂ نظر کے اعتبار سے موعود ختم ہوجانے والا ہے، وہ اس دنیا کے خاتمہ اور قیام قیامت تک نہیں رہے گا۔ اس بناپر اسے آخری موعود لیکن اس دور کا آخری موعود سمجھا جاسکتا ہے۔ اس ظہور کے مقدمات قبائلی (علوی، اموی) جھگڑوں کی اساس پر استوار ہیں لیکن اس کا فائدہ عام انسانوں کو ہوگا۔ اس موعود کے کارندے قبائلی بنیاد پر معین نہیں ہوں گے بلکہ عدالت کی بنیاد پر ان کا انتخاب ہوگا۔ روایات میں اگرچہ زمین کا لفظ ہے مگر اس کی حکومت کی وسعت عالم اسلام تک محدود ہوگی۔ دوسرے ادیان بھی اس وقت موجود ہوں گے لیکن اسلام کی طرف (عدالت کی بناپر) زیادہ میلان ہوگا اس بناپر وہ امام عادل شمار کیاجائے گا جو دنیا کی سعادت اور لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرے گا۔

اصحاب حدیث کا دوسرا گروہ، حدیث کے ذخیرہ کو جرح وتعدیل اور رجال ودرایت کی کسوٹی پر پرکھنے میں پہلے گروہ سے زیادہ سخت ہے۔ ان کے مطالعات کا موضوع، معارف دینی اور منابع نقلی (اعم از ظواہر قرآن واحادیث وآثار) ہے۔ ان کی فقہ، اصحاب رائے کے مدمقابل اور ان کا اعتقاد، متکلمین، فلاسفہ وعرفاء کے مدمقابل ہے۔ اصحاب حدیث کے راستہ پر چلنے والے سب سے نمایاں صحیح سلفی اور وہابی ہیں۔ ممکن ہے ایک شخص فقہ میں اصحاب رائے سے ہو لیکن اعتقادات میں وہ اصحاب حدیث کی پیروی کرتا ہو۔

۱۔ ایضاً، ص ۸۰-۸۴۔

اصحاب حدیث کے نقل کے بموجب مہدی (عج) کے باب میں پچاس سے زائد حدیثیں اور سیکڑوں آثار ہیں جن میں صحیح، حسن، ضعیف سب کچھ شامل ہے[۱]۔امام مہدی عج کے سلسلے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی غیر واضح حدیث کچھ اس طرح ہے "كيف انتم اذا نزل ابن مريم فيكم وامامكم منكم"[۲]۔ اہل سنت کی دوسری صحاح اور موسوعہ تسعہ میں واضح حدیثیں بھی موجود ہیں۔ سنن ابن ماجہ[۳]، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی[۴]، الجامع الصحیح[۵]، مسند احمد ابن حنبل[۶]، مصنف عبد الرزاق صنعانی[۷]، مصنف ابن ابی شیبہ[۸]، معجم الکبیر طبرانی[۹]، المعجم الوسیط، الصحیح ابن حبان[۱۰] اور دوسرے لوگوں نے اپنی کتابوں میں امام مہدی عج سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے۔ یہ سارے علماء تیسری اور چوتھی صدی کے ہیں۔ان کے بعد کے علماء کے یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔انہوں نے تیسری اور چوتھی صدی کے علماء کے شاگردوں یا ان کی تالیفات سے تمام مطالب اخذ کئے ہیں جن میں کچھ نام اس طرح ہیں: حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، ابن اثیر نے جامع الاصول میں، ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ النبویہ[۱۱] میں، ابن قیم نے المنارا لمنیف میں، ابن کثیر نے الملاحم والفتن یاالنہایہ میں، بزرنجی نے الاشاعہ میں، قنوجی نے الاذاعۃ میں، مبارک فوری نے تحفۃ الاحوذی میں، عظیم آبادی نے عون المعبود[۱۲] میں، وہابیوں میں عصر حاضر میں مفتی اعظم

---

۱. احمد بن حجر بوطامی البنعلی، العقائد السّلفیہ بادلتھا العقلیہ والنقلیہ، جلد ۲، ص۴۵۱ - ۴۵۴۔
۲. محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، تحقیق قاسم الشماعی الرفاعی، ج ۴، کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ، ص ۶۳۳؛ محمد فواد، عبدالباقی، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان ج ۱، ص ۳۱۔
۳. تحقیق محمود محمد محمود حسن نصار، ج ۴، کتاب الفتن، باب خروج المہدی، ۴۵۲ - ۴۵۵۔
۴. تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، ج ۴، کتاب المہدی، ص۱۰۶-۱۰۹، ح ۴۲۷۹-۴۲۹۔
۵. الامام المہدی عند اہل السنہ، ص ۴۳ - ۴۴۔
۶. سید محمد جواد حسینی جلالی، الاحادیث المہدی فی مسند احمد بن حنبل، ص۵۵ - ۶۸۔
۷. الامام المہدی عند اہل السنہ، ص ۱۵-۱۸۔
۸. تحقیق محمد عبد السلام شاہین، ج ۷، ص ۵۱۲ - ۵۱۳، ح ۳۷۶۲۲ - ۳۷۶۴۲، (افسوس کہ کتاب الامام المہدی عند اہل السنۃ میں تمام روایتیں نہیں ہیں)۔
۹. تحقیق حمدی عبد الحمید السّلفی، ج ۱۰، ص ۱۳۱ - ۱۳۷ (بیس حدیثیں)۔
۱۰. علی بن بلبان فارسی، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، تحقیق شعیب الارنووط، ج ۱۵، ص۲۳۶-۲۳۹، ح ۶۸۲۳-۶۸۲۷۔
۱۱. منہاج السنہ، رد کتاب منہاج الکرامہ علامہ حلی ہے۔اس کے باوجود ابن تیمیہ نے اصل مہدویت کی تائید کی ہے۔
۱۲. دیکھئے: الامام المہدی عند اہل السنہ۔

بن باز نے مجلّۃ الجامعۃ الاسلامیہ[۱] میں، دور حاضر کے مشہور حدیث شناس محمد ناصر الدین البانی نے تخریج احادیث فضائل الشام و دمشق میں اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ[۲] کے اندر، مدینہ یونیورسٹی کے کے معاون وائس چانسلر، عبد المحسن عباد نے الردعلی من کذب بالاحادیث الصحیحہ الواردۃ فی المہدی[۳] میں، حمود بن عبد اللہ تویجری نے اتحاف الجماعۃ بما جاء فی الفتن والملاحم و اشراط الساعۃ[۴] میں، عبد العلیم عبد العظیم بستوی نے کتاب المہدی المنتظر فی ضوء الاحادیث والاثار الصحیحہ[۵] میں، یوسف الوائل نے اشراط الساعۃ[۶] میں، احمد بن حجر نے العقائد السلفیہ بادلتہا النقلیہ[۷] النقلیہ[۷] میں، ڈاکٹر محمد احمد اسماعیل المقدم نے اپنی کتاب المہدی و فقہ اشراط الساعۃ[۸] میں۔

اصحاب حدیث کے نزدیک مہدیؑ، آخری زمانہ کی ایک علامت ہیں۔ یہ ان کا قطعی عقیدہ ہے۔ مہدیؑ امام عادل اور ہر صدی میں پیدا ہونے والے مجدد ہیں، آخری زمانہ کے مجدد کا نام مہدیؑ ہے، ان کا نام پیغمبرؐ کے نام پر اور ان کے والد کا نام آنحضرت کے پدر بزرگوار کے نام پر ہوگا۔ وہ اولاد فاطمہؑ سے ہوں گے[۹]، مکہ سے ظہور کریں گے، خدا ایک رات میں ان کے ذریعہ امور کو درست کر دے گا، ظلم سے بھری ہوئی زمین کو عدالت سے پر کر دے گا، خراسان کے سیاہ پرچم ان کے ساتھ ہو جائیں گے، موسلا دھار

---

۱. ذوالقعدہ ۱۳۸۹ ھ، ص ۱۶۲ (متون از بستوی، المہدی المنتظر، ج ۱، ص ۵۹ مطبوعہ بار اول، المکتبۃ المکیہ و دار ابن حزم، ۱۴۲۰ ھ)۔

۲. سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ مقدمہ اور گیارہویں حدیث کے ذیل میں ج ۴، ص ۴۲ - ۴۳، تخریج احادیث فضائل شام، ذیل حدیث ۱۸۔

۳. اس کتاب کے بارے میں جناب خسرو شاہی نے کتاب مصلح جہانی میں لکھا اور ترجمہ کیا ہے (مصلح جہانی، مہدی موعود از دیدگاہ اہل سنت، ۱۰۳، ص ۲۹۶، مطبوعہ بار دوم انتشارات اطلاعات، تہران ۱۳۸۴ شمسی)۔

۴. انہوں نے اپنی کتاب میں اثر صحیح سے ۴۶ حدیثیں اور اثر ضعیف یا موضوع سے ۲۹۲ حدیثیں پیش کی ہیں اور آخر میں آٹھ مصرح اور ۲۲ غیر مصرح حدیثوں کو احادیث صحیحہ کے عنوان سے قبول کیا ہے۔ (ج ۱، ص ۳۵۵)۔

۵. انہوں نے مہدی کے باب میں ایک تفصیلی بحث کی ہے اور ان کی نظر میں عقائد اہل سنت و جماعت کا یہ ایک مسلّم مسئلہ ہے۔

۶. ص ۲۴۹-۲۷۵ مطبوعہ یازدہم، عربستان ۱۴۱۹ھ، ان کی اچھی بحث کو مطالب بستوی کا خلاصہ سمجھا جا سکتا ہے۔

۷. جلد ۲، ص ۴۵۱-۴۵۴۔

۸. انہوں نے ماضی میں المہدی حقیقۃ لاخرافۃ نامی کتاب لکھی ہے۔ اس میں بڑی تفصیل سے آٹھ سو صفحہ اور تقریباً چار سو منابع و مآخذ پر مشتمل (سلفی نظریہ کو مد نظر رکھتے ہوئے) مسئلہ مہدیؑ پر گفتگو کی ہے۔

۹. ابن کثیر نے کہا ہے کہ تفرقہ امت کے وقت چونکہ امام حسنؑ نے سلطنت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اس وجہ سے خدا اس کی پاداش میں ان کی اولاد سے مہدیؑ کو منتخب کیا ہے (دیکھئے: نور الابصار، ص ۱۸۷) سنن ابی داؤد نے بھی ایک حدیث میں بیان کیا ہے کہ مہدی اولاد امام حسنؑ سے ہیں۔

بارش سے آسمان زمین کو سیراب کردے گا، زمین میں نباتات کثرت سے پیدا ہوں گے، اسلام عزیز ہو جائے گا، لوگوں کی ثروت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ ان کی حکومت کے زمانہ میں ان کی بخششیں اور عنایتیں بے حساب ہوں گی اس وجہ سے یہودی ناراض ہوں گے اور دجال یہود، ان کے خلاف قیام کرے گا۔ مہدیؑ کی مدد کے لئے خدا عیسیٰؑ کو بھیجے گا، عیسیٰؑ دجال کو قتل کردیں گے اور نماز میں مہدی (عج) کی اقتدا کریں گے، ان کی عادلانہ حکومت سات یا آٹھ سال ہوگی اس کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

اہل سنت کی نظر میں مہدی (عج) کے تمام کام سماجی اور معاشرتی ہوں گے اور مادی عدالت قائم کرنے کی وہ زیادہ کوشش کریں گے۔ اس دور میں شریعت اسلام پر خوب عمل ہوگا اور معنویات پر زیادہ توجہ دی جائے گی، الٰہی توفیقات اور بقول البانی کے اسلامی حکمرانی کے ذریعہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف عام کریں گے، درحقیقت یہ وہی مجدد ہوں گے جو ہر صدی میں پیدا ہوا کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کو متحد رہنا چاہئے آج کی طرح انہیں مختلف گروہوں میں منقسم نہیں ہونا چاہئے۔ گویا مہدی (عج) ایسی ذات کا نام ہے جو علم، ورع، عبادت اور خلق کے ذریعہ صلح پیدا کریں گے اور امت کا تصفیہ اور ان کی تربیت فرمائیں گے[۱]۔ اس گروہ کی تصریح کی بنا پر زمین سے مراد وہی جہان اسلام اور ان کا موعود، آخری موعود ہوگا۔

مائل بہ تشیع اہل سنت کا موعود

چوتھی اور پانچویں صدی کی تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد اہل سنت میں ایسے افراد بھی دیکھے جاسکتے ہیں جنہوں نے تعلیمات تشیع کو (البتہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ) قبول کیا ہے۔ سنی مسلمانوں کے درمیان تصوف کے پھیلنے اور تصوف میں انسان کامل کی بحث پیدا ہونے کے بعد اس میلان میں اضافہ ہوا ہے۔ اس رجحان کو پہلے معتزلہ کے درمیان تلاش کرنا چاہئے۔ حضرت علیؑ کے افضل صحابہ ہونے کے رجحان کی طرف معتزلہ میں سے کچھ افراد رفتہ رفتہ مائل ہوئے۔ ان کی نظر میں خلفائے راشدین کا مرتبہ فضیلت میں ان کے بعد ہے[۲]۔ اہل سنت کے صوفیہ میں سے کچھ لوگوں نے شیعوں کے بارہ اماموں کو قطب الاقطاب یا ابدال یا دوسری تعبیر میں اپنے زمانہ کا انسان کامل سمجھا ہے اور صوفیہ سلسلہ کے ظاہر ہونے کے بعد بیشتر صوفیہ نے معروف کرخی کے ذریعہ امام رضاؑ پھر حضرت امیر المومنینؑ تک اپنا سلسلہ پہونچایا ہے۔ سنی حضرات کا یہ گروہ فقہ میں فقہائے اربعہ میں سے کسی ایک کا پیروکار رہا ہے اور خلفاء کو بھی قبول کرتا رہا ہے لیکن اس کا

---

۱. محمد احمد اسماعیل المقدم، المهدی و فقه اشراط الساعة، ص ۴۷۵-۴۷۸۔

۲. دیکھئے: مقدمہ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید بغدادی، تمام معتزلہ بغداد اور بصرہ کے بعض معتزلہ اسی نظریہ کے حامل تھے۔

تعارف "هوشيعى"، "هو يتشيع"، بارہ امام کو ماننے والے سنی حضرات اور "سنيان متشيع" کے عنوان سے ہوتا رہا ہے۔ ان میں سے بعض افراد نے حضرت مہدیؑ کے سلسلے میں کتاب بھی لکھی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے مہدیؑ کے باب میں شیعوں کے تمام نظریات کو قبول بھی کیا ہے۔ امام مہدیؑ کے سلسلے میں اپنے نظریات کی تائید میں علمائے شیعہ نے بھی زیادہ تر اس گروہ پر نظر ڈالی ہے اور ان کو امامیہ نظریات کا مؤید جانا ہے۔ اس سلسلہ میں میرزا حسین نوری کی کشف الاستار عن وجد العائدین الابصار کی مثال دی جاسکتی ہے جس میں انہوں نے ایسے ۳۹ علماء کے بیانات درج کئے ہیں[۱]۔

مائل بہ تشیع اہل سنت حضرات کے نظریہ کے مطابق مہدی(ع) اولاد حسینؑ اور فرزند امام حسن عسکریؑ ہیں جو ۲۵۵ ھ میں پندرہ شعبان کو پیدا ہوئے، ابھی زندہ اور نظروں سے غائب ہیں، آخری زمانہ میں (جب خدا مناسب سمجھے گا) عیسیٰؑ کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ ان کی نظر میں مہدی (ع) کے ظہور سے پہلے بنی امیہ سے سفیانی نام کا ایک شخص شام میں ظہور کرے گا اور اس کے سپاہی مقام بیداء میں زمین میں دھنس جائیں گے۔ اس موقع پر مہدی (ع) عربی رنگ اور اسرائیلی جسم کے ساتھ ظہور فرمائیں گے۔ اس وقت تمام مسلمان (شیعہ و سنی) رضا و رغبت کے ساتھ ان سے مل جائیں گے، اللہ والے ان کی دعوت کو قبول کریں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔ یہ سب مہدی(ع) کے وزیر ہوں گے، یہاں تک کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ دمشق کے منارۂ شرقی سے دو ملک کے ساتھ نازل ہوں گے اور اس وقت لوگ امام مہدیؑ کے پیچھے نماز عصر یا صبح پڑھ رہے ہوں گے اور عیسیٰ امام مہدیؑ کی اقتدا کریں گے۔ عیسیٰؑ صلیبوں کو توڑ ڈالیں گے اور سوروں کو ختم کردیں گے۔ عورتوں کا مردوں کی شبیہ بننا، شہوتوں کی کثرت، سفیانی کا خروج، یمن میں یمانی کا قتل اور رکن و مقام کے درمیان نفس زکیہ کا قتل اور آسمانی پکار ان کے ظہور کی علامتیں ہیں۔ اسی طرح خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں کا خروج بھی ان کے ظہور کی علامت شمار کیا جاتا ہے۔

---

۱. ص ۲۰- ۸۶، مطبوعہ بار اول؛ منشورات موسسة النور، للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۸ قمری۔ یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ فقہ یا کلام کے باب میں اس کتاب میں جن افراد کا نام آیا ہے ان میں سے بعض شیعہ ہیں۔ داود الہامی نے کتاب "امامان اہل بیتؑ در گفتار اہل سنت" میں اس طرز پر مہدیؑ کے باب میں بعض ان علمائے اہل سنت کا نظریہ پیش کیا ہے جو غالباً سنی ہیں لیکن مائل بہ تشیع ہیں۔ (داؤد الہامی، امامان اہل بیتؑ در گفتار اہل سنت، ص ۴۷۹-۵۰۷ مطبوعہ بار اول: انتشارات مکتب اسلام، قم، ۱۳۷۷ شمسی؛ رسول جعفریان، تاریخ تشیع در ایران، ص ۲۵۷، ۲۳۲ مطبوعہ بار اول انتشارات انصاریان، قم، ۱۳۷۵ شمسی، جعفریان نے بارہ امام کو ماننے والے سنی حضرات کے لئے ایک فصل مخصوص طور پر تحریر فرمایا اور اس گروہ کے کچھ علماء کا ذکر کیا ہے)۔

پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ لوگوں کو ان سے جڑنا چاہئے چاہے برف پر گھس کر جانا پڑے (ولوحبّوا علی الثلج)۔ وہ لوگ مکہ میں آپ کی بیعت کریں گے پھر کوفہ کی طرف رخ کریں گے، دوسرے شہروں کی جانب اپنا لشکر بھیجیں گے، قسطنطنیہ کو فتح کریں گے پھر ان کی سلطنت مشرق و مغرب کا احاطہ کرے گی، ان کے سر پر بادل سایہ فگن ہوگا اور منادی یہ ندادے گا کہ یہ خلیفۂ خدا مہدی(ع) کا لشکر ہے۔ آپ کی حکومت کے زمانہ میں خزانے ظاہر ہوں گے دنیا میں کوئی غیر آباد جگہ ایسی نہ ہوگی جو آباد نہ ہو جائے۔ جس کی جو ضرورت ہوگی وہ پوری کی جائے گی، منادی ندادے گا کہ مہدیؑ بغیر حساب، بخشش فرمارہے ہیں۔ کسی خطبہ میں آپ فرمائیں گے کہ میں وہی بقیۃ اللہ ہوں۔ دنیا بھر میں یہودی و نصرانی اور خدا کی پرستش نہ کرنے والا باقی نہیں رہ جائے گا، سب اسلام کے ماننے والے ہوں گے، غیر خدا کی عبادت نہیں ہوگی، آپ سات یا آٹھ سال حکومت کریں گے۔ ان کی حکومت کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے۔

اہل سنت کے اس گروہ میں مہدی(ع) پر یقین کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ معنوی اور معاشرتی کام کرنے کے سبب، خداپرستی اور معنویت عام ہوگی۔ معاشرہ میں مکمل طور پر ترقی اور رفاہ حاکم ہوگی۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ ایک شخص صدقہ دینے کے لئے فقیر کی تلاش کرے گا مگر کوئی نہیں ملے گا۔ اس گروہ میں موعود کا عقیدہ، شیعوں کے عقیدہ سے بہت نزدیک ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ، شیعوں کے عقیدہ کی رفعت تک نہیں پہونچتا چونکہ ان کے درمیان غیبت کی بحث بہت اہم اور عالمی کارکردگی کی بحث ہے۔ اس گروہ کے کچھ بزرگ افراد کے نام یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ مطالب السؤل فی مناقب آل الرسول کے مصنف محمد بن طلحۂ شافعی (م ۶۵۲ ھ)، تذکرۃ الخواص[1] کے مصنف ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی حنفی معروف بہ سبط ابن جوزی (م ۶۵۴ ھ)، الفصول المہمہ فی معرفۃ احوال الائمہ کے مصنف ابن صباغ مالکی (م ۸۵۵ ھ)، البیان فی اخبار صاحب الزمان کے مصنف محمد بن یوسف گنجی شافعی (م ۶۵۸ ھ)، الشذرات الذھبیہ فی تراجمۃ الائمہ اثنی عشریہ عند الامامیہ کے مصنف شمس الدین محمد بن طولون حنفی (م ۹۵۳ ھ)، الیواقیت والجواھر کے مصنف عبدالوھاب شعرانی شافعی (م ۹۷۳ ھ)، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اھل البلاغ والزندقہ[2] کے مصنف ابن حجر ہیتمی مکی (م ۹۷۴ ھ)، تاریخ گزیدہ کے مصنف حمداللہ مستوفی (م ۷۵۰ ھ) فصل الخطاب کے مصنف خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ ھ)، وسیلۃ الخادم

---

۱. یہ مائل بہ تشیع سنی حضرات کے خلاف، عصمت ائمہؑ کے قائل ہیں حالانکہ بہت سے ایسے سنی حضرات عصمت ائمہؑ کے قائل نہیں ہیں۔

۲. انہوں نے امامیہ کی رد میں یہ کتاب لکھی ہے پھر بھی امامیہ کے مہدیؑ کو قبول کیا ہے۔

الی المخدوم[1] کے مصنف فضل بن روز بہان (م ۹۲۷ ھ)، مقامات جامی کے مصنف عبد الواسع باخزری اور روضۃ الشہداء کے مصنف ملا حسین کاشفی[2] (م ۹۱۰ ھ)۔ شاید ابن خلکان (م ۶۸۱ ھ) اور ابن عربی (م ۶۳۸ ھ) کو بھی اس گروہ میں شامل کیا جاسکے اگرچہ ابن عربی کے بیان میں تناقض ہے۔

اہل سنت میں منکرین مہدی (عج) اور انکار کی وجہ

کتب اہل سنت میں تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مہدویت کو ثابت کرنے والوں کے مقابل میں اس کا انکار کرنے والے بہت کم ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر متاخرین اور معاصرین میں سے ہیں۔ قطر کی شرعی عدالت کے رئیس شیخ عبد اللہ بن زید المحمود کی کتاب المہدی ینتظر بعد الرسول خیر البشر میں منکرین مہدویت کے نام اور ان کی دلیلیں درج ہیں اور عبد المحسن بن حمد العباد کی کتاب الرد علی من کذب بالاحادیث الصحیحۃ الواردۃ فی المہدی، ان دونوں کتابوں کو اس موضوع پر بہترین تالیف قرار دیا جاسکتا ہے[3]۔

قدماء میں صراحت کے ساتھ کوئی بھی منکر احادیث مہدی (ع) نہیں ہے۔ اگرچہ بعض علمائے اہل سنت نے اس سلسلہ میں خاموشی اختیار کی ہے لیکن یہ سکوت دلیل انکار نہیں ہے۔ ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث مہدی (ع) کو تفصیل سے بیان کرکے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے مقدمہ میں اہل سنت کی کتابوں سے ۲۳ حدیث کی تحقیق اور اہل تصوف کی نگاہوں میں مہدی (ع) کی حیثیت کے بارے میں تفصیلی بحث کرنے کے بعد مہدویت کا انکار کیا ہے۔ ان کے نظریہ کی بنیاد دو استدلال پر مبنی ہے جن میں سے پہلا استدلال یہ ہے:

> "محدثین کے نزدیک جرح، تعدیل پر مقدم ہے لہٰذا اگر بعض رجال پر ایراد ملتا ہے تو اس سے حدیث کی صحت کو نقصان پہونچتا ہے"[4]۔

---

۱. انہوں نے نہج الحق وکشف الصدق علامہ حلی کے جواب اور امامیہ کی رد میں کتاب ابطال نہج الباطل لکھی ہے اس کے باوجود امامیہ کے مہدی (ع) کو قبول کیا ہے۔

۲. ان افراد کے نظریہ کے سلسلہ میں ان مصنفین کی کتابوں (البتہ مصنف کی دسترس میں جو کتاب تھی) کے علاوہ، میرزا حسین نوری، داؤد الہامی اور رسول جعفریان کی کتاب سے اور الامام المہدی عند اہل السنت سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۳. کتاب دوم میں کتاب اول کے اہم مطالب بھی شامل ہیں۔ اس کتاب کا سید ہادی خسرو شاہی نے "مصلح جہانی اور مہدی موعود از دیدگاہ اہل سنت" کے نام سے ترجمہ کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن زید المحمود کے بہت سے اشتباہات کی طرف اشارہ موجود ہے۔

۴. مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۱۲، ایضاً، محمد پروینی گنابادی، ج ۱، ص ۶۰۸۔

اس بات کو بیان کرنے کے بعد ابن خلدون نے ۲۳ احادیث کی چھان بین کی ہے اور رجال کی تحقیق کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"ائمہ احادیث نے آخری زمانہ میں مہدی(ع) کے بارے میں جو حدیثیں لکھی ہیں وہ کل یہی ہیں اور مذکورہ احادیث میں بہت ہی کم حدیثیں ایسی ہیں جو اشکال سے خالی ہوں"[۱]۔

ابن خلدون کا دوسرا استدلال یہ ہے:

"... جس حقیقت کا آپ پر واضح ہو جانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بھی دعوت کمال تک نہیں پہونچ سکتی جب تک کہ شوکت و عصبیت نہ ہو، فاطمین اور طالبین کی بلکہ تمام قریش کی عصبیت پوری دنیا میں بکھری پڑی ہے اور دوسری قوموں کی عصبیت کو قریش پر برتری حاصل ہے۔ اس بنا پر اگر ظہور مہدی(ع) صحیح ہو تو بغیر بنی فاطمہ کی عصبیت کے ان کی دعوت کے آشکار ہونے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے اور چونکہ وہ دنیا میں پراگندہ ہیں اس وجہ سے ایسا قیام ممکن نہیں ہے"[۲]۔

اہل سنت کے ماہرین علم رجال نے ابن خلدون کے استدلال پر تنقید کرتے ہوئے یہ توجیہ کی ہے کہ ابن خلدون کی عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہوگا کہ ابھی بھی ایسی روایتیں موجود ہیں جن پر جرح نہیں کی گئی ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ابن خلدون نے منکرین مہدی(ع) کا پے در پے مبہم تذکرہ کیا ہے لیکن منکر احادیث مہدی(ع) کے عنوان سے کسی ایک شخص کا بھی نام نہیں پیش کیا ہے تاکہ ان کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے نظریہ کو مضبوط بنالیں۔ اہل سنت کی نظر میں مہدویت کی تقویت کی یہ خود ایک دلیل ہے۔

ابن خلدون کی دوسری دلیل کی بنیاد، معاشرہ شناسی ہے اور یہ نظریہ ان کی اپنی تحریر سے باطل ہو جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اس فاطمی کے منتظر عامہ کا یہ عمل ان کا دعوی ہے جو قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ ایسے دیوانے ہیں جن کے پاس نہ تو عقل ہے اور نہ علم سے انہیں کوئی واسطہ ہے... ان کا خیال ہے کہ مہدی(ع) ایک غار سے مغرب میں ظہور کریں گے"۔

ابن خلدون اگر اپنی بات پر ڈٹے رہیں تو انہیں یہ قبول کرلینا چاہئے کہ مہدی(ع) جیسے انسان کے قیام اور غلبہ کی وجہ صرف عصبیت نہیں ہے بلکہ اس فاطمی کی عدالت طلبی کا وعدہ ہے جو لوگوں کو ان کی طرف کھینچ لیتا ہے چاہے ان کا اس فاطمی سے کوئی ربط نہ بھی ہو۔

---

۱. ایضاً، ص ۳۲۲ و ۶۳۰۔

۲. مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۲۷-۳۲۸ و ۶۳۹-۶۴۰۔

آٹھویں صدی سے لے کر عصر حاضر تک کی کتابوں میں ابن خلدون کے علاوہ کسی دوسرے منکر کا ذکر ہمیں نہیں ملا۔اس عہد میں شمالی افریقہ کے مشہور سلفی مصنف محمد رشید رضا[۱]، ابن خلدون اور محمد عبدہ سے سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں:

"مہدیؑ کا مسئلہ اسرائیلیات میں سے ہے اور یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے جس نے دین کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، اس سلسلہ میں کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس کی سند میں کوئی شیعہ موجود نہ ہو اور عرب سے سلطنت لے کر فارس کی حکومت کا اعادہ کرنے کے لئے زندیقوں نے مہدیؑ کی بحث پیش کی ہے"[۲]۔

سلسلۂ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"مہدیؑ سے متعلق روایتوں میں تعارض واضح ہے... ان کا انکار کرنے والے بہت ہیں... اسی وجہ سے شیخین (بخاری و مسلم) نے اپنی صحیح میں انہیں جگہ نہیں دی ہے۔اسلامی معاشرہ میں مہدیؑ کا مسئلہ بہت زیادہ فتنوں کا باعث ہے کیونکہ ریاست و سلطنت کے بہت سے بھوکوں نے مہدیؑ کے نام سے فائدہ اٹھا کر زمین پر بدعت و فساد پھیلایا ہے... اس وجہ سے بہت سے علماء نے عدالت قائم کرنے کے لئے قیام نہیں کیا کیونکہ مہدیؑ جب ظہور کریں گے تو عدالت اور حق طلبی کو وسعت بخشیں گے... ابن خلدون نے ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ خدا کی کچھ سنتیں ہیں... اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بغیر قومی عصبیت کے حکومتیں پائیدار نہیں ہوتیں، عجم (ترک و فارس) نے قریش اور عترت رسولؐ سے عصبیت کا جذبہ لیا ہے لہٰذا اگر اخبار مہدی صحیح ہے تو ان کا ظہور بغیر ہاشمی و علوی عصبیت کی تجدید کے ناممکن ہے... اور مسلمانوں نے ہمیشہ ظہور مہدیؑ کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ان کا خیال ہے کہ سنت الٰہی ٹوٹ جائے گی... حالانکہ مسئلہ مہدیؑ، ان مجوسی فارس کی عصبیت ہے جو عربی سلطنت کے انہدام کے لئے کوشاں ہیں... مباحث مہدیؑ کی تبلیغ میں کعب الاحبار کا بہت بلند مقام ہے"[۳]۔

رشید رضا نے آگے چل کر احادیث مہدی (ع) میں موجود تناقض اور اختلاف کو پیش کر کے ان کے جعلی اور وضعی ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

---

۱. محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج۹، ص ۴۸۰۔

۲. ایضاً، ص ۴۸۲۔

۳. محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۹، ص ۴۹۹-۵۰۱۔

"مہدیؑ کی روایتیں شہادت حضرت امیر المومنینؑ کے بعد وضع ہوئیں تاکہ وہ حدیثیں بنی امیہ سے مہدیؑ کے انتقام لینے کے لئے بشارت قرار پائیں اسی لئے بنی امیہ نے بھی خروج سفیانی کی حدیثیں گڑھی ہیں"۔

اپنی تائید میں رشید رضا صاحب اپنے استاد محمد عبدہ سے نقل کرتے ہیں کہ صحیح اسلام وہی ہے جو ابتدا میں فتنوں کے ظہور سے پہلے موجود تھا اس وجہ سے صحاح ستّہ میں مندرج ہونے والی روایات فتن کو انہوں نے بہت ہی کم قبول کیا ہے[۱]۔ اصل مطلب کو درک کئے بغیر دوسری جگہ رشید رضا صاحب نے اس کی بعض مشکلات کو پیش کیا ہے:

"خاص وعام سبھی کو معلوم ہے کہ نبیؐ کی اولاد میں سے ایک مہدی لقب شخص ظہور کرے گا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، اس کی حکومت کے آخری زمانہ میں عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے یہ قیامت کی علامت ہے... عیسیٰؑ دجال کو قتل کردیں گے... مسلمانوں کا اسلام کی عدالت اور بزرگی کے اعادہ سے مایوسی اس انتظار کا نقصان ہے"[۲]۔

رشید رضا صاحب کی عبارتوں کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدویت میں صرف اسرائیلیات کا دعویٰ یا اس کے تمام سلسلۂ اسناد میں شیعوں کا وجود ان کے انکار کی وجہ نہیں ہے بلکہ ابن خلدون کے افکار سے متاثر ہونا، عبدہ سے اصلاح طلبی کا تصور لینا، ان کی عربی عصبیت اور شیعوں کی مخالفت، مہدویت کے انکار کی اصلی وجہ ہے۔ بستوی صاحب فرماتے ہیں:

"مہدویت کی تمام روایتوں کی تحقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مہدویت کے باب میں صحیح احادیث وآثار کے سلسلہ سند میں کعب الاحبار کہیں نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صحیح احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے اگر کوئی تعارض ہے تو وہ ضعیف احادیث میں ہے"[۳]۔

معاصرین میں احمد امین مصری نے اپنی کتاب ضحیٰ الاسلام میں مہدویت کا انکار کیا ہے ان کی نظر میں مہدویت کی حدیثیں شیعوں کی وضع کردہ ہیں[۴]۔ سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ اس طرح رطب اللسان ہیں جیسے خود ہی اپنا جواب دے رہے ہوں۔ احمد امین لکھتے ہیں:

۱۔ ایضاً، ص ۴۰۴-۵۰۶۔
۲۔ محمد رشید رضا، تفسیر المنار، ج ۶، ص ۵۷، ۵۷۔
۳۔ المہدی المنتظر، ج ۱، ص ۳۷۷-۳۸۰۔
۴۔ ایضاً، جلد ۳، ص ۲۴۶- ۲۷۳۔

"حدیث گھڑنے میں اموی، شیعوں سے پیچھے تو رہ گئے لیکن انہوں نے سفیانی کو مہدیؑ کے مقابل میں پیش کر دیا۔ عباسیوں نے اس مسئلہ کو اپنے حق میں اتمام تک پہونچانے کے لئے خاموشی اختیار کی۔ مجھے امید تھی کہ معتزلہ اس گمراہی سے نقاب ہٹائیں گے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس باب میں مجھے کچھ نہیں ملا۔ معتزلہ کے بعد آنے والے زیدیہ ہیں وہ مہدویت کے منکر نکلے اور انہوں نے اپنی کتاب میں روایات مہدی کا انکار کر دیا"[۱]۔

افسوس تو اس بات پر ہے کہ زیدیہ کے سلسلہ میں احمد امین کا یہ صرف دعویٰ ہے کہ وہ مہدویت کے منکر ہیں حالانکہ زیدیہ اصل مہدویت کے منکر نہیں ہیں۔ انہوں نے مہدویت کو صحیح قرار دیا ہے۔ زید بن علی نے اپنے مجموعۂ رسائل میں لکھا ہے کہ:

"المہدی حق وھو کائن من اھل بیت ولن تدرکوہ وذالک یکون عند انتقاع الزمن فلاتتکلو عن الجہاد..."[۲]۔

مجموعۂ رسائل امام مرتضیٰ محمد بن یحیٰ الہادی (م ۳۱۰ ھ) میں لکھا ہے کہ:

"میں نے ان سے مہدیؑ کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کس کے فرزند ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ وعدۂ الٰہی ہے وہ حسنؑ یا حسینؑ کی اولاد ہیں جو ظہور کریں گے"۔

وہ دوسرے مقامات پر حدیث مہدیؑ کی تصدیق کرتے ہیں اور روایات رایات سود (سیاہ پرچم) کو قبول کرتے ہیں[۳]۔ زیدی مذہب کے ایک دوسرے عالم حسین بن بدر الدین (م ۶۳۳ ھ) نے اپنی کتاب ینابیع النصیحۃ میں روایات مہدیؑ کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مہدیؑ آخر الزمان کے بارے میں روایتیں بہت زیادہ ہیں"[۴]۔ بعض افراد مثلاً سامی النشار اپنی کتاب نشاۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام[۵] میں اور احمد محمود صبحی اپنی کتاب فی علم الکلام قسم الزیدیہ[۶] میں اس بات کے قائل ہیں کہ زیدیہ میں جو امام لوگوں کو اپنی طرف بلائے اور اس میں شرائط امامت موجود ہیں وہ مہدیؑ ہے۔ ان دونوں مصنفین نے

---

۱. ایضاً، ج ۳، ص ۲۴۳۔

۲. مجموع، کتب ورسائل الامام الاعظم امیر المومنین زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، جمع و تحقیق ابراہیم یحیٰ الدرسی الحمزی، ص ۳۸۴۔

۳. محمد بن یحیٰ الہادی، مجموع کتب ورسائل الامام المرتضیٰ، ج ۱، ص ۱۲۸ و ۲۰۷- ۲۱۰۔

۴. تحقیق مرتضیٰ، زید المحطوری الحسنی، ص ۴۶۸-۴۶۹۔

۵. ایضاً، ج ۲، ص ۱۳۲۔

۶. ایضاً، ج ۳، ص ۱۲۸۔

گذشتہ مطالب کے بیان میں غلطی کی ہے کیونکہ ان کے پیش نظر سید عبد الرحمٰن المؤید بن الضحیانی کا کلام ہے جو ان کے نظریہ کی نفی کی ہے۔ضحیانی کہتے ہیں:

"ہر امام جامع الشرائط کے مہدی ہونے کے ہم منکر نہیں ہیں لیکن یہ تمام مہدی اس مہدی منتظر کے علاوہ ہیں جن کی آمد کے بارے میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے جو آخر زمانہ میں ظہور فرمائیں گے"[۱]۔

احمد محمود صبحی اور سامی النشار کے برخلاف، امام یحیٰ بن حسین نے رسائل العدل والتوحید میں مہدی(ع) کو حضرت امیر المومنینؑ کی نسل سے آخری امام شمار کیا ہے[۲]۔اشعری نے مقالات الاسلامیین میں نقل کیا ہے کہ زیدیہ میں کچھ لوگ نفس زکیہ کو، کچھ افراد محمد بن قاسم کو اور کچھ یحیٰ بن عمر کو مہدیؑ سمجھتے ہیں جو آخر زمانہ میں ظہور کریں گے۔اس بناپر احمد بن امین کے نظریہ کی حمایت میں نہ صرف یہ کہ شواہد موجود نہیں ہیں بلکہ ان کے خلاف گواہیاں موجود ہیں۔

ہم نے بہت مشہور منکرین مہدیؑ کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کے پاس کوئی محکم دلیل نہیں ہے بلکہ بعض تو اپنی ہی بات کو نقض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ محمد محی الدین عبد الحمید، احادیث مہدیؑ کو اسرائیلیات میں شمار کرتے ہیں۔ مولف المہدیہ فی الاسلام، سعد محمد حسن ایسی حدیثوں کو شیعوں کی ایجاد سمجھتے ہیں جس کا جواب دیا جاچکا ہے،اس کا تفصیلی جواب عبد المحسن عباد کی کتاب مصلح جہانی میں موجود ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابن خلدون کے علاوہ تمام منکرین مہدویت، معاصر مفکرین ہیں اور ان میں سے زیادہ تر افراد مصر کے رہنے والے ہیں اور یہ انکار عصر حاضر کے اجتماعی اور سیاسی مسائل مثلا یورپ کی عقل اور تشکیک کی طرف میلان کی دین ہو سکتا ہے۔ مصر کے حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد فتن والی روایتوں کے سلسلہ میں محمد عبدہ کا منفی نظریہ اور تصوف سے انکا شدید اختلاف ایک طرف اور دوسری طرف صوفیوں کی مہدویت کے بارے میں شدید تبلیغات اور یورپ کی تہذیبی اور سیاسی یلغار کے مقابلہ میں ان کی خاموشی اور اصلاحات سے ان کی دوری کو اس فکر کے رواج میں بے اثر نہیں سمجھا جاسکتا۔

موعود کے بارے میں اہل سنت کا کلی نظریہ

---

۱. تحقیق مرتضٰی، زید المحطوری الحسنی، ص ۱۲۸، حاشیہ۔

۲. تحقیق، محمد عمارہ، ج ۲، ص ۴۷ و ۸۲۔

اہل سنت کی روایات کی بناپر مہدی(عج) خلیفۂ عادل ہیں جو آخری زمانہ میں دنیا میں آئیں گے۔ ان کے قیام اور ظاہر ہونے سے پہلے کی علامتوں اور نشانیوں کے مذکور ہونے کے باوجود اصحاب حدیث کے یہاں اجمال اور شیعیت کی طرف مائل سنی حضرات کے یہاں اس کی تفصیل موجود ہے، لیکن دنیا میں ظلم وستم کی شدت کے مسئلہ پر سب متفق ہیں۔ اصحاب حدیث کے یہاں سفیانی کا موضوع اور مائل بہ تشیع اہل سنت کے یہاں غیبت کبریٰ کا موضوع اہم عنوان شمار کئے جاتے ہیں۔ اہل سنت کی نظر میں جو موعود ہے وہ ماہیت کے اعتبار سے نسل جناب فاطمہ زہراؑ سے بشری پہلو کا حامل شخص ہے جسے الٰہی توفیقات وبرکات حاصل ہیں، اس میں کوئی ربانی صفت یہاں تک کہ فوق بشری صفات مثلاً عصمت، علم غیب وغیرہ نہیں پائے جاتے اگرچہ بعض مطالب کو وہ جانتا ہوگا۔ وہ صرف مسلمانوں کو نجات دینے والا ہوگا اور لوگوں کی معنوی ہدایت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اگرچہ مائل بہ تشیع سنی حضرات کے یہاں شیعی روایات سے متاثر ہونے کی بنا پر یہ پہلو بہت مضبوط ہے۔ اصحاب حدیث کے خیال میں اس کا زیادہ تر کام اجتماعی ہوگا، وہ عوام کے رفاہ کے لئے عدالت سے کام لے گا۔

اہل سنت کے نظریہ کے مطابق، مہدیؑ موعود کسی قوم کو نہیں بلکہ پوری امت کو نجات دیں گے۔ مسلمانوں کی نجات کا جو نقشہ وہ بنائیں گے اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی مہدیؑ کے امن اور رفاہ کی دولت سے مالامال ہو جائیں گے۔ ان کے خیال میں مہدیؑ کا کام پیغمبر اسلامؐ کی عادلانہ روش کا احیاء ہے۔ اکثر اصحاب حدیث کے مطابق ان کا کام صدر اسلام اور عہد خلفاء کی عادلانہ روش کا احیا ہے۔ اہل سنت کی نظر میں موعود کے قیام وقعود کا اس دنیا کے ختم ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے بعد کچھ عرصے تک زمین پر زندگی باقی رہے گی۔

اہل سنت کے یہاں نظریہ موعود کی تقسیم بندی مندرجہ ذیل طریقہ سے کی جاسکتی ہے:

۱. ماہیت کے اعتبار سے، موعود میں صرف بشری پہلو پایا جاتا ہے (اصحاب حدیث کی نظر میں ان کے اندر کوئی الوہی اور مافوق طبیعی پہلو نہیں ہوگا)
۲. کارنامہ اور عمل کے اعتبار سے وہ سب کو نجات دینے والا ہوگا۔
۳. اہل سنت کے خیال میں موعود صرف اجتماعی نجات دہندہ ہوگا اور مائل بہ تشیع اہل سنت کے نظریہ کے مطابق اس کی حیثیت معنوی اور اجتماعی ہوگی۔
۴. حلقہ کے اعتبار سے موعود پوری دنیا کے لئے یا امت (جہان اسلام) کے لئے ہوگا۔
۵. آئندہ پر اس کی نگاہ ہوگی اور وہ آخری موعود ہوگا
۶. اس کی کارکردگی عالمی نہیں ہوگی۔

منابع و مآخذ

۱. اشعری، ابو الحسن، الا بانہ عن اصول الدیانہ، تحقیق عباس صباغ، مطبوعہ اول، دار النفائس للطباعہ والنشر، بیروت، ۱۴۱۴ ھ۔

۲. آل بو طاسی، البنعلی، احمد بن حجر، العقائد السّلفیہ بادلتہا العقلیہ والنقلیہ، مطبوعہ اول، دار الکتاب القطریہ، ۱۴۱۵ ھ۔

۳. آمدی، سیف الدین، ابکار الافکار فی اصول الدین، تحقیق احمد محمد المہدی، مطبوعہ اوّل، دارالکتاب والوثائق القومیہ، قاہرہ، ۱۴۲۳ ھ۔

۴. ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق، محمد ابوالفضل ابراہیم، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

۵. ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، تحقیق محمد عبدالسلام شاہین، مطبوعہ اوّل، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ ھ۔

۶. ابن بلبان فارسی، علی، صحیح ابن حبان بہ ترتیب ابن بلبان، تحقیق، شعیب الارنووط، مطبوعہ سوم، موسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۸ ھ۔

۷. مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ محمد بروینی گنابادی، مطبوعہ پنجم، شرکت انتشار علمی وفرہنگی، تہران، ۱۳۶۶ شمسی۔

۸. ابن طاؤس، علی بن موسیٰ، الملاحم والفتن فی ظہور الغائب المنتظر، مطبوعہ پنجم، منشورات الراضی، قم، ۱۳۹۸ھ۔

۹. ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمود محمد محمود حسن نصار، مطبوعہ اول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ ھ۔

۱۰. ابی داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، انتشارات مکتبۃ العصریہ، بیروت۔

۱۱. اشعری، ابوالحسن، رسالۃ الی الثغر، تحقیق: عبداللہ شاکر محمد الجنیدی، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ، مطبوعہ دوم، ۱۴۲۲ھ۔

۱۲. الہامی، داؤد، امام اہل بیت در گفتار اہل سنت، مطبوعہ اول، انتشارات مکتب اسلام، قم، ۱۳۷۷ شمسی۔

۱۳. امام مرتضیٰ، محمد بن یحیٰ ہادیؑ، مجموع کتب ورسائل الامام المرتضیٰ، مطبوعہ اول، منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی، یمن، ۱۴۲۳ ھ۔

۱۴. امام یحیٰ بن حسین، رسائل العدل والتوحید، تحقیق: محمد عمارہ، دار الہلال۔

۱۵. امین احمد، ضحیٰ الاسلام، مطبوعہ دہم، دار الکتاب العربی بیروت۔

۱۶. باقلانی، ابو بکر محمد بن طیب، التمہید فی الرد علی الملحدہ، تحقیق: محمد محمد الخضیری، دار الفکر العربی۔

۱۷. بجنوردی، سید کاظم، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی۔

۱۸. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق: قاسم الشماعی الرفاعی، مطبوعہ اوّل دار القلم، بیروت، ۱۴۰۷ ھ۔

۱۹. بزودی ابوالیسر: اصول الدین، تحقیق ہانز بتر لنس، دار احیاء الکتب العربیہ، قاہرہ ۱۳۸۳ ھ۔

۲۰. بستوی عبد العلیم عبد العظیم: المہدی المنتظر، مطبوعہ اول، المکتبۃ المکیہ وار ابن خرم، ۱۴۲۰ ھ۔

۲۱. بہاء الدین زادہ، محی الدین، محمد بن بہاء الدین، القول الفصل شرح الفقہ الاکبر الامام ابی حنیفہ، مطبوعہ اوّل، تحقیق: رفیق العجم، انتشارات دار المنتخب لعربی، بیروت، ۱۴۱۸ ھ۔

۲۲. بیومی مصری، محمد، الامامۃ واہل بیت، مطبوعہ اوّل، مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۱۵ ھ۔

۲۳. تفتازانی، سعد الدین، مسعود بن عمر، شرح العقائد النسفیہ، تحقیق: محمد عدنان درویش و شیخ ادیب الکلاس۔

۲۴. شرح المقاصد، تحقیق: ڈاکٹر عبد الرحمٰن عمیرہ و صالح موسیٰ شرف، منشورات شریف الرضی، قم، ۱۴۰۹ ھ۔

۲۵. تویجری، حمود بن عبد اللہ، اتحاد الجماعۃ بماجاء فی الفتن والملاحم واشراط الساعۃ، مطبوعہ دوم، دار الصمیعی للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۴۱۴ ھ۔

۲۶. جرجانی، علی بن محمد، شرح المواقف، مطبوعہ اول، منشورات الشریف رضی، قم، ۱۴۱۲ ھ۔

۲۷. جعفریان، رسول، تاریخ تشیع در ایران، مطبوعہ اول، انتشارات انصاریان، قم، ۱۳۷۵ شمسی۔

۲۸. جوینی خراسانی، ابراہیم بن محمد، فرائد السمطین، تحقیق: شیخ محمد باقر محمودی، مطبوعہ اوّل، مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۰۰ھ۔

۲۹. جوینی، عبد الملک، کتاب الارشاد دالی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد، تحقیق: اسعد تیم، مطبوعہ سوم، موسسہ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۱۶ ھ۔

۳۰. جوینی، عبد الملک، الشامل فی اصول الدین، تحقیق: فرانک، مطبوعہ اول، مؤسسہ مطالعات اسلامی، تہران، ۱۳۶۰ شمسی۔

۳۱. حسین بن بدر الدین؛ ینابیع النصیحہ فی العقائد الصحیحۃ، تحقیق: مرتضیٰ بن زید المحطوری الحسنی، مطبوعہ دوم، مکتبہ بدر للطباعۃ والنشر والتوزیع، صنعاء، یمن، ۱۴۲۲ ھ۔

۳۲. حسینی جلالی، سید محمد جواد، احادیث المہدی من مسند احمد بن حنبل، مطبوعہ ششم، موسسہ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۷ھ۔

۳۳. خسرو شاہی، سید ہادی، مصلح جہان ومہدی موعود از دیدگاہ اہل سنت، مطبوعہ دوم، انتشارات اطلاعات، تہران، ۱۳۷۴ شمسی۔

۳۴. رشید رضا، تفسیر المنار، مطبوعہ دوم، دار المعرفۃ، بیروت۔

۳۵. زمرلی، فواز احمد، عقائد ائمۃ السلف، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء۔

۳۶. زید بن علی، مجموع کتب ورسائل الامام الاعظم امیر المومنین زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، جمع وتحقیق: ابراہیم یحیٰی الدرسی الحمری، مطبوعہ اوّل، مرکز اہل بیت الدراسات الاسلامیہ، یمن، ۱۴۲۲ ھ۔
۳۷. سامی النشار، علی، نشاۃ الفکر الفلسفی فی الاسلام، مطبوعہ ہفتم، دار المعارف، مصر، ۱۹۷۷ء۔
۳۸. شبلنجی، مومن بن حسن، نور الابصار فی مناقب آل النبی المختار، دار الفکر، بیروت۔
۳۹. شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، نهایہ الاقدام فی علم الکلام، تحقیق: الفرد جیوم، مکتبۃ المبتنی، قاہرہ۔
۴۰. شیبانی، محمد بن حسن، کتاب الاصل، تحقیق: ابو الوفاء الافقانی، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۹۳ ھ۔
۴۱. صبحی، احمد محمود، فی علم الکلام، مطبوعہ سوم، دار النہضۃ العربیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ۔
۴۲. طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی عبد المجید السّلفی، مطبوعہ دوم، وزارت اوقاف، عراق، ۱۴۰۶ھ۔
۴۳. عبد الباقی، محمد فواد، اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، دار الفکر۔
۴۴. غزالی، محمد، الاقتصاد فی الاعتقاد، تحقیق: ڈاکٹر عادل العواد، مطبوعہ اول، انتشارات دار الامانۃ، بیروت، ۱۳۸۸ھ۔
۴۵. غزنوی، حنفی، جمال الدین، احمد بن محمد، اصول الدین، تحقیق: ڈاکٹر عمر وفیق الدعوق، مطبوعہ اول، انتشارات دار البشائر، بیروت، ۱۴۱۹ء۔
۴۶. فخر رازی، محمد بن عمر، المطالب العالیہ من العلم الالٰہی، تحقیق: احمد حجازی سقا، مطبوعہ اول، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ ھ۔
۴۷. البراہین فی علم الکلام، تحقیق: سید محمد باقر سبز واری، دانشگاہ تہران، ۱۳۴۱ شمسی۔
۴۸. فرمانیان، مہدی، اہل سنت، مجلّہ ہفت آسمان، ش ۱۷، سال پنجم، بہار ۱۳۸۲۔
۴۹. فقیہ ایمانی، مہدی، الامام المہدی عند اہل السنۃ، مطبوعہ دوم، مجمع جہانی اہل بیت، قم، ۱۴۱۸ ھ۔
۵۰. قاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، تحقیق جمال عیتانی، مطبوعہ اوّل، منشورات محمد علی بیضوی ودار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ ھ۔
۵۱. منح الروضی الازہری فی شرح الفقہ الاکبر، تحقیق: شیخ وہبی سلیمان غاوجی، مطبوعہ اوّل، انتشارات دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۱۹ ھ۔
۵۲. قاضی عبد الجبار معتزلی، المغنی فی ابواب التوحید والعدل، تحقیق: محمود محمد قاسم، وزارت الثقافہ، مصر۔
۵۳. قراملکی، احمد فرمرز، ہندسہ معرفتی کلام جدید، مطبوعہ اوّل، مؤسسۂ فرہنگی دانش واندیشہ معاصر، تہران، ۱۳۷۸ شمسی۔

۵۴. قرطبیؒ، محمد بن احمد، التذکرۃ فی اصول الموتی وامور الآخرۃ، تحقیق الدانی بن منیر آل زہوی، مطبوعہ اول، مکتبہ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ۔
۵۵. گنجی شافعی، محمد بن یوسف، البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق: محمد مہدی خراسانی، مطبوعہ اول، منشورات مؤسسہ الہادی للمطبوعات، قم، ۱۳۹۹ ھ۔
۵۶. مالک ابن انس، الموطا، تحقیق: محمد فواد عبد الباقی، مطبوعہ اول، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۳ھ۔
۵۷. متقی ہندی، علی، کنزل العمال، تحقیق: صفوۃ السقا، مطبوعہ اوّل، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ۔
۵۸. محمد احمد، اسماعیل المقدم، المہدی وفقہ اشراط الساعۃ، مطبوعہ اوّل، الدار العالمیہ، اسکندریہ، مصر، ۱۴۲۳ھ۔
۵۹. محمد بن علی بن سلوم، مختصر لوامع الانوار البہیہ وسواطع الاسرار الاثریہ، شرح الدرۃ المضیۃ فی عقد الفرقۃ المرضیہ، تحقیق: محمد زہری النجار، دار الباز للنشر والتوزیع ودار الکتب العلمیہ، بیروت ومکہ، ۱۴۰۳ ھ۔
۶۰. مسلم، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، مطبوعہ اوّل، دار ابن حزم، للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۱۶ ھ۔
۶۱. نسفی، ابو حفص، العقائد النسفیۃ، تحقیق: قاسم محمد الرجب، مکتبہ المثنیٰ، بغداد، ۱۳۳۶ ھ۔
۶۲. نسفی، ابو معین، تبصرۃ الادلہ فی اصول الدین، تحقیق: کلود سلامہ المعہد العلمی الفرنسی، مطبوعہ اوّل، دمشق، ۱۹۹۰ء۔
۶۳. نعیم بن حماد، ابو عبد اللہ مروزی، کتاب الفتن، تحقیق: ڈاکٹر سہیل ذکار، انتشارات الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، مکہ، ۱۹۹۱ء۔
۶۴. نوری، طبرسی، میرزا حسین، کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الابصار، مطبوعہ اوّل، منشورات مؤسسہ النور للمطبوعات، بیروت، ۱۴۰۸ ھ۔
۶۵. یوسف الوابل، یوسف بن عبد اللہ، اشراط الساعۃ، دار ابن الجوزی مطبوعہ یازدہم، عربستان، ۱۴۱۹ ھ۔
۶۶. یوسف بن یحیٰ شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر، تحقیق، عبد الفتاح محمد الحلو، مطبوعہ اوّل، مکتبہ عالم الفکر، قاہرہ، ۱۳۹۹ ھ۔

منجی عالم، تعلیمات عیسائیت میں

مولف: مہراب صادق نیا
مترجم: سید محمد جعفر زیدی

عیسائی مذہب دین یہود کی سنت سے ماخوذ اور ایمان یہودی پر قائم ہے۔ایک طولانی انتظار کے بعد اس دین کا ظہور ہوا جس نے بنی اسرائیل کی تمام صعوبتوں اور سختیوں کو ان کے لئے شیریں کر دیا۔ ظہور حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی سالوں میں صرف کچھ یہودی تھے جو انہیں موعود اور مسیحا جانتے تھے اور آخر کار انہی انگشت شمار لوگوں نے نئے اور جدید دین کی بنیاد ڈالی جسے عیسائیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہودیوں کا یہی عقیدہ بعد میں عیسائی ایمان کی اصل اور بنیاد قرار پایا جس نے آج تک مسیحیت (عیسائیت) کو باقی رکھا ہے۔ اپنے اسی تاریخی عقیدہ کی بنیاد پر مسیحیت نے صدیوں تک اپنی الٰہیات کی توجیہ کی اور اپنے پیروکاروں سے اخلاقی زندگی، انتظار و تحفظ عقیدہ کی درخواست کی۔

اسلام و عیسائیت، ایک دوسرے سے بہت نزدیک ہیں، ان کے درمیان کافی مشترکات پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں مختلف جہات سے مسیحیت کی جانب اشارہ کرتی ہیں اور دونوں ہی دین کی تاریخ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے یہ اور بات ہے کہ دونوں ادیان کے پیروکار ایک دوسرے سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے اور ایک دوسرے کے تفکرات و نظریات کو سمجھنے میں عام طور پر ابہام کا شکار رہتے ہیں اسی لئے ہم نے سوچا کہ دونوں ادیان کی جو اہم و ضروری تعلیمات ہیں ان کے درمیان ایک مقائسہ انجام دیا جائے۔ کیونکہ منجی موعود کا ظہور ایک ایسا عقیدہ ہے جسے دونوں ادیان نے کافی اہمیت دی ہے۔

عیسائیت اور عقیدۂ موعود

تمام ادیان کے درمیان دین مسیحیت (عیسائیت) اہم خصوصیت کا حامل ہے۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ دین مسیحیت کا ظہور اور قوام وثبات، مذہب یہودیت کے ذریعہ ہوا۔ [اپنے مطالعہ واستدلال کی بنیاد پر وہ لوگ] ابھی بھی اسی دین کے مذہبی نصوص سے استناد کرتے ہیں۔

یروشلم قونصل کی تشکیل اور پیغامات انجیل کو کیسے عام کیا جائے اس پر کسی حتمی ویقینی فیصلہ لئے جانے

سے قبل ۴۵ ءتک عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی وہ خود کو یہودیوں سے الگ نہیں مانتے تھے، بلکہ خود کو یہودیت کا ایک فرقہ جانتے اور یہودیوں کی خاص عبادی رسومات کو بجالاتے تھے[1] اور اگر کوئی ان کے مذہب کو اختیار کرتا اور آئین یہود کے مطابق وہ مختون نہیں ہوتا تو اسے اس کام کے لئے مجبور کیا جاتا تھا[2]۔ یہودیوں اور ان کے درمیان اگر کچھ فرق تھا تو بس یہ کہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو منجی مانتے تھے جو دین میسیحیت کی اہم ترین خاصیت ہے۔ بہر حال، سن پینتالیس عیسوی میں مذکورہ قونصل بنائی جاتی ہے جس کا ہدف آئین یہود کے تمام احکامات کے لازم الاتباع ہونے کے ساتھ ساتھ عیسائی پادریوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا تھا اسے ختم کرنا نیز غیر یہودی افراد کو مسیحی بنانا تھا اور اس طرح سے عیسائی مذہب کو عملی طور پر جدید دین کا درجہ حاصل ہوا۔

اپنے دیرینہ عقیدہ کی بنیاد پر ہمیشہ سے ہی یہودیوں کا یہ ماننا تھا کہ پروردگار نے تمام ملتوں میں سے انہیں انتخاب کیا ہے اور ان کی تمام تیرہ بختیاں اور محرومیاں حضرت داودؑ کی نسل کے ایک فرزند کے ذریعہ ختم ہو جائیں گی۔ اسی عقیدہ اور فرح بخش مستقبل کی امید میں انھوں نے قید، جلاوطنی، غارت گری جیسی تمام سختیوں اور مشقتوں کو بادل وجان تحمل کیا[3]۔

انبیائے بنی اسرائیل کی فرح افزا و امید بخش تقاریر سے حاصل شدہ عقیدۂ انتظار، قوم یہود کے لئے سب سے بڑی آرزو میں تبدیل ہو گیا جو نہ جانے کتنے مکاشفات و پیشین گوئیوں کا پیش خیمہ قرار پایا جو یہودیوں کو موعود کی آمد کے لئے آمادہ رکھتا تھا۔ اشعیا اور دانیال جیسے نبیوں نے منجی کے متعلق اپنی پر جوش تقاریر سے یہودی معاشرہ کو اس وعدہ کے تحقق کے لئے ہر آن آمادہ کیا لیکن اس پر فراز و نشیب انتظار کا نتیجہ یہ رہا کہ یہودیوں کی ایک مختصر سی جماعت ہی عیسائے ناصری [حضرت عیسیٰؑ] پر ایمان لا سکی۔

حضرت عیسیٰؑ، ایک ایسے شاگرد تھے جو حضرت یحیٰؑ کے کلیدی و اساسی اور مفید وعظ و نصیحت سے کافی متاثر تھے اور آخر کار اپنے پیروکاروں کے اعتقادات کے مطابق انہوں نے موعود یہود کی ردا کو زیب تن کیا۔ آپ کی ولادت ایک معمولی سے گھرانے میں ہوئی لیکن روحانی کمالات اور نفسیاتی جاذبہ کو بروئے کار لاکر آپ نے معاشرہ کے نچلے طبقہ کے بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنا لیا اور ان کے درمیان یہ بات پھیلا دی کہ وہی یہودیوں کے مسیحا ہیں۔ اس طرح سے یہودی تعلیمات و ان کی مقدس کتب کے سایہ میں ایک نئے اور جدید دین کی کونپل پھوٹی۔

---

۱. اس قونصل کی رپورٹ کو اعمال رسولان، باب ۱۵ میں پڑھا جا سکتا ہے۔
۲. مری جو ویور، درآمدی بہ میسیحیت، مترجم حسن قنبری، ص ۱۰۱۔
۳. جان بی ناس، تاریخ جامع ادیان، مترجم علی اصغر حکمت، ص ۶۱۱۔

اگرچہ حضرت عیسیٰ ؑ سے پہلے بھی بعض یہودی بعض دوسرے انسانوں کو اپنا مسیحا مانتے تھے لیکن اس دفعہ حضرت عیسیٰ ؑ جیسے شخص کو اپنا مسیحا و موعود ماننا اس حد تک شدید تھا کہ اس کے نتیجہ میں ایک نئے اور تازہ دین کا جنم ہوگیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ سے پہلے جتنے بھی مسیحا گذرے ان میں سے کسی کی بھی مقبولیت حضرت عیسیٰ ؑ جیسی نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ خود ان کے بھی مرید شک و تردید کا شکار ہونے لگے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی سادہ بیانی و کلام کی گہرائی سبب بنی کہ آغاز کار میں ہزارہا سختی و آلام و مصائب کو تحمل کر کے آپ کے انگشت شمار مریدوں نے جب آپ کے مواعظ و حکمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کیا تو دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے پیروکاروں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا اور اس طرح ایک نیا دین وجود میں آگیا۔

اسی لئے عیسائیت ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد، عقیدۂ موعود پر استوار ہے؛ وہ بھی ایک ایسا عقیدہ جسکی نشو و نما تو یہودیوں کی مقدس کتب سے ہوئی لیکن اس کی تفسیر ایک تازہ و جدید دین کی صورت میں سامنے آئی۔ آج بھی اس دین کو اسی انتظار کے رنگ و روپ میں پیش کیا جارہا ہے اور دین یہود کی بہ نسبت یہ دین زیادہ وسیع و گستردہ ہے۔

بنی اسرائیل کی قومی امنگ سے عیسائیت کی امید آخرت تک

انجیلوں میں اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اسی درخت کی شاخ قرار دیا جائے جسکی جڑیں حضرت یعقوبؑ سے ملتی ہیں[1] تاکہ یہودیوں کو اطمینان ویقین دلایا جاسکے کہ حضرت عیسیٰؑ ہی وہ شہریار شہریار ہیں جنکی بشارت اشعیا اور ارمیا جیسے پیغمبروں نے دی تھی۔ انجیلوں کے تمام حصوں میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ عہد عتیق[2] کی تمام پیشین گوئیوں کو حضرت عیسیٰؑ پر منطبق کیا جائے[3]۔ متی اپنے ابتدائی جملوں میں حضرت عیسیٰؑ کے حسب و نسب کے سلسلہ میں انہیں حضرت داودؑ کا فرزند بتاتے ہیں، نہ تو حضرت داودؑ سے پہلے وہ حضرت عیسیٰؑ کے آباء واجداد کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی حضرت داودؑ کے بعد، یعنی واضح طور پر وہ حضرت عیسیٰؑ کو ہی یہودیوں کے مسیحا کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اشعیا کی پیشین گوئی پر انہیں تطبیق دیتے ہیں۔ نقادوں کا ماننا ہے کہ انجیل متی[4] میں جس طرح سے حضرت عیسیٰؑ کو پیش کیا گیا ہے

---

۱. ہمفری کارپنٹر، عیسی، مترجم حسن کامشاد، ص ۶۱۱ ۔
۲. یہودیوں کی مقدس کتب کو عہد عتیق کہا جاتا ہے ۔
۳. کمال صلیبی، البحث عن الیسوع، ص ۴۹۔
۴. متی ۱:۱-۲۱-۷۔

یعنی وہ گدھے پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوتے ہیں، یہ ایک من گھڑت اور جعلی داستان ہے البتہ اس سے مصنف کا مقصد یہ تھا کہ مسیحا کے بارے میں جناب زکریا کی جو پیشین گوئی تھی اسے یہودیوں کو یاد دلایا جائے کہ اے صہیون کی بیٹی بہت خوشی منا اور اے یروشلم کی بیٹی خوشی کے ترانہ گا؛ تیرا بادشاہ تیرے پاس آرہاہے وہ عادل و صاحب نجات اور حلیم ہے وہ گدھے پر سوار ہے[۱]۔

البتہ حضرت عیسیٰؑ اور یہودیوں کے منتظر و موعود کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے، خاص کر جب اناجیل خود آپس میں متحد و ہم داستان نہیں ہیں[۲]۔ یہ فرق یہودی معاشرہ کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں صرف ایک مختصر سی جماعت ہی حضرت عیسیٰؑ کو مسیحا مانتی تھی اور اسی مختصر سی جماعت نے بہت مصیبتیں برداشت کی تھیں۔

حضرت عیسیٰؑ اور مسیحا کے کرداروں میں بنیادی فرق پایا جاتا تھا کیونکہ انبیائے بنی اسرائیل کی پیشین گوئی کے مطابق موعود ایک پرجاذب شخص ہوگا جو قبائے بادشاہی کو زیب تن کر کے خدا کی بادشاہی کو دنیا میں عام کرے گا، حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے ان میں سے کسی بھی ذمہ داری کو اپنے ذمہ نہیں لیا حتی بنی اسرائیل کی بادشاہی کے سلسلہ میں بھی وہ کوئی دعویٰ نہیں کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ گاؤں میں پیدا ہونے والے سیدھے سادے آدمی تھے جو زیادہ تر ماہی گیروں اور کاشتکاروں کی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے؛ ایک ایسے انسان تھے جس نے کبھی بھی کوئی سیاسی یا سماجی نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ غریب چرواہوں کی طرح تمثیل بیان کرتے اور نصیحت فرماتے تھے۔ آپ شہریار نہیں بلکہ خدا کے "بلاکش بندہ" (مصیبت اور بلا کو ختم کرنے والے بندے) تھے جو اس دنیا میں آئے تاکہ بشریت کے گناہوں کا کفارہ بن سکیں اور مصیبتوں کو برداشت کیا تاکہ مومنوں کے کندھوں سے "پہلے گناہ" کا بوجھ اتر جائے"[۳]۔ سب گنہگار و قاصر ہیں لیکن ان کے اسی فیض کی بدولت عادل ہو جائیں گے، فدیہ قرار پانے کی جو صلاحیت حضرت عیسیٰؑ مسیح میں ہے اسی نے خود یہ طے کیا ہے کہ آپ لوگوں کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں"[۴]۔

جس وقت حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے انہیں صلیب پر دیکھا اور اتنا مجبور پایا کہ وہ خود کو اس مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتے تو وہ سب الجھن و حیرانی کا شکار ہوگئے؛ انہیں شدید طور پر اس شبہ کا سامنا

---

۱. زکریا: ۹۹۔

۲. البحث عن الیسوع، ص۵۲۔

3. The Interpereters Bible, V 9 .p 428.

۴. رسالہ پولس بہ رومیان، ۳: ۲۳-۲۵۔

کرنا پڑا کہ جب وہ اپنی جان نہیں بچاسکے تو یہودیوں کو کیسے نجات دلائیں گے!؟ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کی اس حیرانی والجھن کے تین دن بعد جب کچھ عورتیں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی زیارت کے لئے گئیں تو انہوں نے قبر کو خالی دیکھا اور "کسی فرشتہ نے انہیں مخاطب کرکے کہا: ڈرومت جانتا ہوں کہ تم مصلوب عیسیٰؑ کو تلاش کررہی ہو وہ یہاں پر نہیں ہیں، جیسا کہ انہوں نے کہا تھا وہ عروج کرگئے ہیں"[۱]۔

قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کی بازگشت نے یہودیوں کے مفہوم انتظار کو ایک بار پھر ایک نیا پہلو اور ایک نئی تفسیر دی۔ اس تفسیر کی بنیاد پر حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، وہ عروج کرگئے ہیں اور لوگوں کی نظروں سے کچھ مدت تک مخفی رہنے کے بعد واپس لوٹ آئیں گے اور آج بھی عیسائی معاشرہ ان کے لوٹنے کا منتظر ہے[۲]۔ یہی وہ زمانہ تھا جب نورس عیسائی معاشرہ کا عقیدہ مسیحا یہودی روایتوں سے الگ ہوگیا۔ اگرچہ آج بھی عیسائیوں کا یہ ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے مسیحا کے شکل میں واپس پلٹیں گے اور عالمی حکومت قائم کرکے تمام امتوں کے درمیان قضاوت وداوری کریں گے[۳]۔ جبکہ مسیحا کا یہ معنی ومفہوم دین یہود میں نہیں پایا جاتا ہے۔

کتاب مقدس میں عقیدۂ مسیحا کے مراتب ومدارج

حضرت عیسیٰ مسیحؑ کا دوبارہ پلٹ کرآنا اناجیل کی اہم بحثوں میں سے ایک ہے؛ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہد جدید[۴] میں تین سو سے زیادہ مرتبہ اس موضوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حتی اناجیل کے کچھ باب اسی موضوع سے مخصوص ہیں۔ نمونہ کے طور پر آپ انجیل متی کے باب نمبر ۲۴ اور ۲۵، انجیل مرقس کے باب نمبر ۱۳ اور انجیل لوقا کے باب نمبر ۲۱ کی جانب رجوع کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ عہد جدید میں جتنے بھی خطوط پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب اسی عقیدہ کی تبیین وتفسیر میں بیان ہوئے ہیں، جیسے پولس کا پہلا اور دوسرا خط، تسالونیکیان کے نام نیز یوحنا کا مکاشفہ۔ لہٰذا پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی بازگشت کا عقیدہ کتاب مقدس کا اہم ترین حصہ ہے[۵]۔

---

۱. متی، ۲۸: ۵-۱۰۔
۲. برایان ویلسون، دین مسیح، مترجم حسین افشار، ص۱۳۱۔
۳. مطالعہ کریں: ہنری ٹیسین، الہیات مسیحی، مترجم میکائیلیان، ص۳۲۰-۳۵۵۔
۴. مسیحیوں کی چاروں اناجیل کو عہد جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مذکورہ حوالہ، ص۳۲۷۔
۵. ہنری ٹیسین، الہیات مسیحی، مترجم میکائیلیان، ص۳۲۸۔

اس کے علاوہ، کتاب مقدس کے بہت سے ایسے مفاہیم وعقائد ہیں جنہیں حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کا عقیدہ رکھے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا ہے؛ جیسے حضرت عیسیٰؑ کے کاہن یا بادشاہ ہونے کا عقیدہ یا آنے والے وقت میں نجات کا عقیدہ۔ اسی طرح سے بہت سی پیشین گوئیاں ہیں جو رجعت حضرت حضرت عیسیٰؑ کے صحیح ادراک کے بغیر قابل فہم نہیں ہیں نیز کتاب مقدس کی دوسری تعلیمات بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں؛ جیسے تعمید کی اساسی وبنیادی تعلیمات[1] کا عقیدہ یا عشاء ربانی[2] جیسی تعلیمات جو انجیل کی بنیادی بحثوں میں سے ہیں اور جناب عیسیٰؑ کی رجعت سے جن کا گہرا تعلق ہے اور ان کی تشریع کا فلسفہ بھی جناب عیسیٰؑ کی بازگشت کے پس منظر میں ہے۔ عیسائی، عشاء ربانی کا عمل اس امید میں انجام دیتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ان کا بدن حضرت عیسیٰؑ کے بدن سے مخلوط ہوجائے اور جب ان کی بازگشت ہو تو وہ حضرت عیسیٰؑ کی ہمراہی کرسکیں[3]۔

عیسائیوں کی کتاب مقدس میں جگہ جگہ، حضرت عیسیٰؑ کی غیبت اور ان کی بازگشت کی کیفیت اور فلسفہ کو بیان کرنے کے ضمن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ عیسائیوں میں پر معنی انتظار کو پیدا کیا جاسکے تاکہ اس قوم کے لئے مشکلات و سختیوں کو تحمل کرنا آسان ہو اور ان کے ایمان پر کوئی آنچ نہ آئے۔ کتاب مقدس کے مطابق خود حضرت عیسیٰؑ[4] اچانک اور پیشگی اطلاع کے بغیر[5] باپ[6] کی جلالت وہیبت لے کر فرشتوں کے ہمراہ فتح وظفریابی کے ساتھ واپس پلٹیں گے[7]۔ کسی بھی قوم وملت کے لئے یہ تمام تاکیدات کافی ہیں کہ وہ تمام مشکلات وزحمتوں کو بھول کر روشن مستقبل کا انتظار کرے۔

دین عیسائیت کا محور ومرکز اس کے بانی کی شخصیت ہے۔ اس دین کی جتنی بھی تعلیمات ہیں حقیقت میں یہ وہی اعتقادی اقوال ہیں جنہیں آباء کلیسا نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بیان کیا ہے۔ پہلا بلکہ سب سے اہم جو قول بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے ماشیح اور وہی عمانوئیل ہیں جنکے سلسلہ میں اشعیا نے کہا تھا کہ "حضرت داوٗدؑ کی نسل سے ایک فرزند ہوگا جو باکرہ زادہ ہوگا اور بنی اسرائیل کی شان وشوکت کو انہیں واپس لوٹائے گا"۔ یہ قول ایک جدید دین کی تاسیس کا نقطہ آغاز قرار پایا۔

---

۱. آنتونی پالما، بررسی رسالہ ھای پولس [غلاطیان ورومیان]، مترجم آرمان رشیدی، ص۵۹۔

۲. رجوع کریں: یوحنا، ۱۴: ۱۳اور۲۱: ۲۲و۲۳۔

۳. ملاحظہ فرمائیں: مرقس، ۱۳: ۳۳۔۳۷؛ متی، ۲۴: ۲۳-۵۱۔

۴. ملاحظہ فرمائیں: متی، ۱۶: ۲۷و۱۹: ۲۸۔

۵. ملاحظہ فرمائیں: مذکورہ بالا حوالہ، ۲۵: ۳۱۔

۶. تاریخ جامع ادیان، ص۶۱۰۔

7. Moltmann. 1964. Theology of Hope, p. 165.

لیکن کسی حکومت کو تشکیل دینے سے پہلے ہی حضرت عسیٰ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا جس سے ان کے پیروکاروں میں مایوسی و ناامیدی چھاگئی اور انہیں اپنے اعتقادات متزلزل نظر آنے لگے کہ کیا واقعی میں حضرت عیسیٰؑ ہی بنی اسرائیل کے مسیحا تھے؟ یہ نہایت تکلیف دہ سوال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مریم مجدولیہ اور ان کے ہمراہ دیگر خواتین نے حضرت عیسیٰؑ کی خالی قبر کی بات نہیں کی تب تک عیسائی لوگ خاموشی کے ساتھ خانہ نشینی کی زندگی گزارتے رہے۔ ان کی نظر میں حضرت عیسیٰؑ کا قیام کرنا انجیل کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے تھا[۱]۔ حضرت عیسیٰؑ کے قیام نے حواریوں پر یہ ثابت کر دیا کہ بہت جلد حضرت عیسیٰؑ بادلوں پر سوار دوبارہ زمین پہ پلٹیں گے اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جتنے بھی وعدے ہیں ان سب کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ اس عقیدہ نے ان کے اندر ایک نیا جوش وولولہ پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ تمام تر شجاعت و دلیری کے ساتھ دین مسیح کی تبلیغ میں ان ہی لوگوں کے درمیان مشغول ہوگئے، جنہوں نے کچھ دن پہلے ہی حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھا دیا تھا۔

تاریخی لحاظ سے عیسائیوں کے ایمان کے سلسلہ میں یہ اصل نہایت تاثیر گذار ہے۔ اگر عیسائیوں کے درمیان یہ یقین پیدا نہ ہوتا اور اگر مریم اپنے اور اپنے ہمراہ دیگر خواتین کے مکاشفہ کو تازہ ونو عیسائی سماج میں ترویج نہ کرتیں تو آج عیسائیت کس اصل واعتقاد پر اپنی الٰہیات کی بنیاد ڈالتی اور آج کی عیسائیت کو کس اعتقادی بنیاد پر تصور کیا جاسکتا تھا؟ مشہور معاصر عیسائی الٰہیات کے ماہر مولٹمان کا کہنا ہے:

> "مذہب عیسائیت کی بقا اور دوام اس بات پر منحصر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مردوں کے درمیان قدرت خدا کے ذریعہ واپس پلٹیں گے"[۲]۔

عیسائی پادریوں کے زمانے سے پہلے اور عیسائی عقائد نامہ کے تدوین ہونے سے پہلے تک، یہ عقیدہ اساس ایمان کی صورت میں عیسائیوں کے درمیان پایا جاتا تھا، لیکن اس کی اہمیت اور اس کی حقیقت پوری طرح واضح و روشن نہیں تھی اور عیسائی الٰہیات میں اس کی حیثیت نامعلوم سی تھی لیکن آباء کلیسا یعنی پادریوں کے زمانہ میں جب معتبر کلیساؤں کی قونصل کے ذریعہ مسیحی "عقائد نامہ" کے عنوان سے ایک منشور تدوین کیا گیا جس میں عیسائی ایمان سے متعلق اہم اصول کو بیان کیا گیا تھا، تو دوسرے اصول کی بہ نسبت اس اصل کو بیان کرنا کافی آسان تھا۔

عقائد نامہ ایک ایسا منشور تھا جو "میرا عقیدہ ہے" کی عبارت سے شروع ہوتا تھا، یہ عقائد نامہ اس وقت

---

۱. الیسٹر مک گراث، درس نامہ الہیات مسیحی، مترجم بھروز حدادی، ص۷۵۔

۲. اعتقاد نامہ نیقیہ کے بعض فراز۔

کے عیسائی سماج کی شدید ضرورتوں میں سے تھا، اس منشور میں خلاصہ کے طور پر آئین و قوانین عیسائیت کو لکھا گیا تھا تا کہ وقت ضرورت بآسانی دستیاب رہے اور مختلف مناسبتوں میں اس سے استفادہ کیا جا سکے[۱]۔ اس اس زمانہ کے دو مشہور اور اہم عقائد نامے یہ تھے: "عقائد نامہ نیقیہ" اور "عقائد نامہ رسول" دونوں ہی عقائد نامہ کو کلیسا قونصل نے تصویب کیا جو عیسائی مذہب کے بارہ میں اہم اور بنیادی اصول ایمان شمار ہوتے ہیں۔ ہر عقائد نامے میں چھ اصل حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت اور ان کی بازگشت سے متعلق ہے:

... میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مسیح ہم انسانوں کی خاطر اور ہماری نجات کے لئے آسمان سے نازل ہوئے، جسم اختیار کیا اور انسانی روپ میں ظاہر ہوئے۔ آپ نے سختیاں برداشت کی اور تیسرے دن آسمان کی جانب صعود کر گئے لیکن زندوں اور مردوں کے درمیان قضاوت کے لئے آپ ضرور واپس پلٹیں گے[۲]۔

اگر کسی موضوع کو اس حد تک ان اہم عقائد ناموں میں بیان اور پیش کیا جائے تو اس سے اس کی الٰہی حیثیت بخوبی واضح اور روشن ہوتی ہے۔

عیسائی عقیدہ کی تاریخی حیثیت

عیسائیت کے ابتدائی تین صدیوں تک حضرت عیسیٰؑ کی بازگشت کا عقیدہ، ایک عام عقیدہ تھا اور ماہرین الٰہیات اس عقیدہ پر تاکید کرتے تھے۔ اس کی اصل وجہ وہ آزار و اذیت اور مظالم تھے جو اس قوم و ملت پر ڈھائے جا رہے تھے۔ ہر دن وہ اسی امید میں گزار دیتے تھے کہ جلد ہی حضرت عیسیٰؑ واپس لوٹیں گے اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کا حساب لیں گے۔ لیکن دو وجہوں سے چوتھی صدی عیسوی کے آغاز میں حضرت عیسیٰؑ کی بازگشت کا عقیدہ سست پڑنے لگا:

پہلا یہ کہ روم کا بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا جس کے نتیجہ میں کلیسا پر اب تک روا مظالم تھم گئے اور لوگوں کی زندگی میں امن و امان اور سکون و راحت کا ماحول قائم ہونے لگا، یہاں تک کہ بازگشت حضرت عیسیٰؑ امید بخش کا عقیدہ سست پڑنے لگا۔ وہ قوم جو اب تک تازیانہ کے ڈر سے اپنے دین کو مخفی رکھتی تھی آج وہی تازیانہ بدست دوسروں کو اپنے دین کی دعوت دینے لگی۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کتاب مقدس کی تفسیر میں بنیادی تبدیلی کی گئی اور کتاب مقدس کے مفاہیم و مطالب کو مجازی رنگ و روپ میں بیان کیا جانے لگا اور اس طرح سے حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کو حقیقی معنی دیئے جانے کے بجائے اس کی تاویل اور

---

۱. ہنری ٹیسین، الٰہیات مسیحی، ص ۳۴۸۔
۲. ایضاً۔

مجازی تفسیر کی گئی[۱]۔

اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کی رجعت اور ان کے مسیحا ہونے کا عقیدہ سست پڑنے لگا تھا مگر پوری طرح سے ختم نہیں ہوا تھا۔ قرون وسطی میں جب آخرت سے مربوط اعتقادات کو فراموش کر دیا گیا تھا، اس وقت اس عقیدہ نے بھی تاریک ترین دن گذارے۔ لیکن سولہویں صدی میں کلیسا کی اصلاح کے آغاز سے عیسائی سماج کے درمیان اس اہم اصل کے سلسلہ میں بھی لوگوں کا رجحان کافی تیزی سے بڑھنے لگا اور مصلحین کلیسا حضرت عیسیٰؑ کی رجعت اور سنہرے دوران پر بہت تاکید کرنے لگے۔

سترہویں اور اٹھارویں صدی میں بھی اس عقیدہ کو کافی فروغ حاصل ہوا اور بہت سے لوگ اس کے گرویدہ ہونے لگے لیکن اٹھارویں صدی میں عصر روشن فکری[۲] کے آغاز سے عیسائی الٰہیات کی تمام بنیادیں متزلزل ہونے لگیں، حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کا عقیدہ بھی کافی متاثر اور کم رنگ ہو گیا[۳] اور اس حد تک یہ عقیدہ ضعیف ہو گیا کہ یورگن بولتمان نامی عیسائی ماہر الٰہیات نے یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی رجعت ایک داستان اور کہانی ہے جسے قرن اول میں اعتقادات کے تحفظ کی خاطر گڑھا گیا تھا[۴]۔ ان سب کے باوجود، سن ۱۹۶۰ کی دہائی میں عیسائی الہیات میں نئی فکروں نے جنم لیا جس کے آثار ہر دن نمایاں تر ہوتے جارہے ہیں، بارث، بولتمان، گورگارتن اور تیلیخ جیسے ماہرین الٰہیات، جنہوں نے پروٹسٹنٹ کی نبض تفکر کو اپنے ہاتھوں میں لے رکھی تھی انہیں ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہ ایسے جوان ماہرین الہیات نے زمام امور کو سنبھالا جن کی حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کی طرف خاص توجہ تھی[۵]۔ یورگن مولتمان [سن پیدائش ۱۹۲۶ عیسوی] کا شمار بھی انہی الٰہی دانوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے الٰہیات امید[۶] نامی کتاب کو ایک فرعی عنوان یعنی ”حضرت عیسیٰؑ کی شناخت“ کے نام سے لکھا ہے۔ اس کتاب میں وہ حضرت عیسیٰؑ کی بازگشت اور جہان کی اصلاح شدہ تصویر پیش کرتے ہیں۔

۱. رجوع فرمائیں: لین ٹونی، تاریخ تفکر مسیحی، ص ۴۲۸۔
۲. مک جان کواری، ”چہرہ عیسیٰ از مسیحیت معاصر“ مترجم بہروز حدادی، جریدہ ”ہفت آسمان“ شمارہ ۱۷۔
۳. ایضاً۔

4. Encyclopedia of Millennialism. P 245.
5. Ibid.
6. Ibid.

تاریخی اعتبار سے اس تعلیم کی سب سے نمایاں تاثیر، انقلابات مسیانیزم [مسیحائی] ہے؛ یہ وہ انقلابات ہیں جن کا بنیادی ہدف مطلوب وضعیت تک پہنچنا ہے[۱]۔ مسیانیزم غالبا اس شخص کی جانب اشارہ ہے جو ڈرامہ کے آخر میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور عیسائیوں کے لئے خدا کی بادشاہی ایسا کردار ہے جسے حضرت عیسیٰؑ نبھا رہے ہیں[۲]۔

ہمیشہ سے ہی عیسائیوں کے درمیان حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کو لے کر ایک عجیب سا جوش و ولولہ تھا لیکن سن ایک ہزار و دو ہزار عیسوی میں یہ جوش کافی زیادہ بڑھ گیا۔ سن ۲۰۰۰ عیسوی سے کچھ پہلے امریکہ میں ایسے بہت سے فرقے وجود میں آئے جنہوں نے نئے آداب و رسوم کی بنیاد ڈالی۔ انہی فرقوں سے تعلق رکھنے والے بعض افراطی افراد نے حضرت عیسیٰؑ سے ملنے کی خاطر خودکشی کرلی۔ امریکہ کے صوبۂ ماساچوسٹ میں "مطالعۂ ہزار سالہ" کے عنوان سے ایک ریسرچ سینٹر ہے جہاں اسی بات کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اس سینٹر میں مسلسل پیچھے کی طرف چلنے والی ایک گھڑی ہے جو لوگوں کو وقت صفر یعنی سنہ دو ہزار کے آغاز اور حضرت مسیحؑ کے ظہور کی بشارت دے رہی ہے۔ ہمارے زمانہ کے بہت سے سیاسی واقعات کا تجزیہ و تحلیل اسی پس منظر میں ہو رہا ہے؛ منجملہ حکومت اسرائیل کی تشکیل نیز مشرق وسطیٰ کے سیاسی حالات جیسے امریکہ و عراق کی جنگ[۳]۔ اس طرز تفکر کے تاریخی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کس حد تک یہ فکر زندہ و موثر ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کے معنی اور کیفیت

حضرت عیسیٰؑ مسیح کی رجعت عیسائی ایمان کے اہم اصولوں میں سے ہے اور ان کی مقدس کتاب میں اس مفہوم کو خاص اہمیت حاصل ہے لیکن اس مفہوم کے خد و خال واضح اور روشن نہیں ہیں۔ اس معنی کو بیان کرنے کے لئے جو تفسیریں پیش کی گئی ہیں وہ پوری طرح سے ایک دوسرے سے جدا و مختلف ہیں[۴]۔ ان تفسیروں میں کبھی اس طرح کی آیت "تاکہ پروردگار کا ہوا میں استقبال کریں" سے استفادہ کیا گیا ہے، جس میں آسمان میں حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کبھی ان آیتوں "یہی عیسیٰؑ جو تمہاری جانب سے آسمان میں چلے گئے ہیں دوبارہ پلٹ کر آئیں گے" کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ کی زمینی رجعت کی جانب اشارہ ہے۔ البتہ دونوں ہی تفسیر کے لئے الگ الگ اہداف بیان کئے گئے ہیں۔

---

۱. ہنری ٹیسین الهیات مسیحی، ص۳۲۸۔

۲. تسالونیکیان اول، ۴: ۱۶ اور ۱۷۔

۳. اعمال رسولان، ۱: ۱۱۔

۴. یوحنا، ۱۴: ۳۔

مثال کے طور پر اس آیت "میں پھر سے واپس آؤں گا اور تمہیں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا"[1]، سے استفادہ کیا گیا ہے اور آسمان سے حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کا بنیادی ہدف مؤمنین سے ملاقات بتایا گیا ہے اسی طرح سے امتوں کے درمیان قضاوت کرنا، بنی اسرائیل کو نجات دلانا، مختلف اقوام کو آزاد کرانا اور ملکوت کی بنیاد رکھنا وغیرہ حضرت عیسیٰؑ کی زمینی رجعت کے اہداف شمار کئے جاتے ہیں۔

ان سب کے باوجود عیسائی ماہرین الٰہیات کا ماننا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ رجعت کے وقت دو طرح کے ظہور فرمائیں گے: آسمانی رجعت اور زمینی رجعت، اور ہر ایک کے الگ الگ اہداف و مقاصد ہونگے[2]۔

زمان رجعت کی پیشین گوئی

عہد جدید کی تعلیمات میں حضرت مسیحؑ کے آنے کی پیشین گوئی ملتی ہے مثال کے طور پر:

۱. انجیل پر ایمان کا عام ہونا[3]: اگرچہ یہ پیشین گوئی عہد جدید میں بطور اشارہ موجود ہے[4]، لیکن پورے دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ عہد جدید کی تعلیمات کے مطابق حضرت مسیحؑ کے آنے سے پہلے پوری دنیا ایمان لے آئے گی[5]، بلکہ اس کے بالکل برخلاف حالات کا ذکر ہوا ہے اور اس زمانہ کو حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کے زمانہ سے تشبیہ دی گئی ہے[6]۔

۲. یہودیوں اور دیگر امتوں کا مسیح پر ایمان لے آنا اور یہ ماننا کہ آپ ہی مسیح ہیں[7]: "کیونکہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اس کے بعد تم مجھے نہیں دیکھ پاؤگے جو یہ کہہ سکو کہ مبارک ہے وہ جو اپنے نام سے آتا ہے"[8]۔ یہ جملہ جماعت یہود کے درمیان اور انہی کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے، جو اسی پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے۔

۳. ارتداد اول: کتاب مقدس کے مطابق یہ واقعہ حضرت مسیحؑ کے ظہور سے کچھ عرصے پہلے کسی شریر

---

۱. یوحنا، ۷:۱۴۔
۲. جیمس القس، نظام التعلیم فی علم اللاھوت القویم، ج۲، ص ۵۰۵۔
۳. ایضاً۔
۴. دیکھیں: متی، ۲۴:۱۴اور ۱۳:۳۱-۳۲۔
۵. الٰہیات مسیحی، ص ۳۵۲۔
۶. لوقا، ۸:۱۸۔
۷. ہنری ٹیسین الہیات مسیحی، ص ۳۵۲؛ نظام التعلیم فی علم اللاھوت، ج۲، ص ۵۰۶۔
۸. متی، ۳۹:۲۳۔

شخص کے آنے سے پیش آئے گا جسے کبھی "خطا کار و نافرمان انسان"[۱] اور کبھی "فرزند ہلاکت" سے تعبیر کیا گیا ہے؛ چونکہ جب تک ارتداد اول نہیں ہو گا اور وہ شریر شخص یعنی فرزند ہلاکت، ظاہر نہیں ہو گا تب تک مسیح نہیں آئیں گے[۲]۔

۴. انتظار کا مذاق اڑایا جانا: پطرس نے اس طرح پیشین گوئی کی ہے کہ: "اس زمانہ میں لوگ رجعت حضرت عیسیٰؑ کے عقیدہ کا مذاق اڑائیں گے"[۳]۔

یہ کچھ واقعات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کی رجعت سے پہلے پیش آئیں گے اور عہد جدید میں ان کی پیشین گوئی بھی ہوئی ہے۔

رجعت کے وقت پیش آنے والے واقعات کی پیشین گوئی

عہد جدید کے مطابق، حضرت عیسیٰؑ کی رجعت کے بعد دنیا میں کچھ واقعات پیش آئیں گے جن کی ترتیب، مکاشفہ کے ۱۹:۱۱ اور ۲:۱۵ کے مطابق اور مزامیر کے ۳:۲۵-۸ سے بالکل ہم آہنگ ہے اور وہ یہ ہیں: مقدسین کے ساتھ حضرت مسیحؑ کا آنا، جنگ حار مجدان، شیطان کا قید ہونا، مقدسین کا تخت پر بیٹھنا، قیامت اول [یعنی بدن کا قبروں سے باہر نکلنا]، ہزار سال کے بعد شیطان کا آزاد ہونا، شیطان کا دور ہونا، یعنی دوسری قیامت اور سفید رنگ کے بزرگ تختؑ پر قضاوت کرنا اور آخر میں دنیا کا ختم ہو جانا۔

ہزار سال نامی عقیدہ سے تعلق

"ہزار سال کا دور" ایک ایسا عقیدہ ہے جو بنیادی مفاہیم اور تعلیمات موعود شناسی سے مرتبط ہے اور مسیحی الٰہیات میں جہاں معرفت آخرت پر گفتگو ہوئی ہے وہیں پر تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عہد جدید اور کتاب مکاشفہ میں یہ اصطلاح چھ دفعہ مرقوم ہے اور یہ اصطلاح ایسی حالت کو بیان کر رہی ہے جو تمام عہد جدید میں متعدد بار ذکر ہوئی ہے اور کتاب مکاشفہ میں صرف اس کے زمانہ کو مشخص کیا گیا ہے[۵]۔ "ہزار سال" کا دور حقیقت میں اس زمانہ کے حالات کو بیان کر رہا ہے جس میں انجیل اور کلیسا پر ایمان اپنے

۱. ہنری ٹیسین، نظام التعلیم فی علم اللاھوت، ج۲، ص۵۰۶۔
۲. تسالونیکیان دوم، ۳:۲۔
۳. پطرس کا دوسرا رسالہ، ۳:۳ اور ۴۔
۴. الٰہیات مسیحی، ص۳۵۲؛ مقائسہ کریں نظام التعلیم فی علم اللاھوت، ج۲، ص۵۰۵ سے۔
۵. ایضاً، ص۳۴۸۔

عروج پر ہوگا، دوسری امتیں انجیل کی دعوت حق کو سنتے ہی لبیک کہیں گی اور ایمان لے آئیں گی[۱]۔

کتاب مقدس کے بعض مفسرین اور ماہرین الٰہیات کا ماننا ہے کہ "ہزار سال کا دور" آخر الزمان کا واقعہ ہے اور عیسیٰ مسیحؑ کی رجعت و واپسی کی علامتوں میں سے ایک ہے اور حقیقت میں یہ وہ زمانہ ہے جو حضرت مسیحؑ کے آنے سے ہزار سال پہلے شروع ہوگا اور آپ کے آنے کے بعد ختم ہو جائے گا[۲]۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس ہزار سال [شاید ہزار سال سے مراد طولانی زمانہ ہو نہ کہ خود عدد ہزار] میں برائی بہت زیادہ کم ہو جائیگی، شیطان کے ہاتھ پیر بندھے ہونگے اور اس کے بعد مسیح تشریف لائیں گے[۳]۔ بعض دوسرے گروہ جنہیں "ہزار سال سے پہلے"[۴] کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ان کا یہ ماننا ہے کہ یہ زمانہ حضرت مسیحؑ کے آنے کے ساتھ شروع ہوگا[۵] اور عیسوی دیانت کے لئے مسیح کی رجعت اس سنہرے زمانہ کا نقطہ آغاز ہوگا، ان کا یہ دعوی ہے کہ چونکہ کلیسا کے شروعاتی زمانہ میں آخرت شناسی (آخرت کی معرفت) منظّم و منسجم طور پر نہیں پائی جاتی تھی، لہٰذا جو چیز مکتوبات میں قابل ملاحظہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ عصر ہزار سال سے پہلے آئیں گے۔

ممکن ہے کوئی ایسا بھی گروہ ہو جو "ہزار سال" کے زمانہ کو نہ مانتا ہو۔ ایسا گروہ اس زمانہ کے سلسلہ میں مکاشفہ میں موجود باتوں کی بنیاد پر اس کی تفسیر کچھ اس طرح سے کرتا ہے کہ ہزار سال کا زمانہ یعنی ہزار سال تک مومنین کا اپنے جسم سے باہر اور حضرت مسیح کے ساتھ سکونت پذیر ہونا، یا اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ روحانی اعتبار سے حضرت مسیحؑ کا مومنین کے قلوب پر حکومت کرنا نہ کہ زمین پر حکومت قائم کرنا[۶]۔

عیسائی موعود کی ماہیت

عیسائی موعود کے سلسلہ میں کچھ نکات قابل ذکر ہیں کہ جن میں سے بعض اس طرح ہیں:

۱. حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کے جو اہداف بیان کئے گئے ہیں ان کے پیش نظر، عقیدۂ مسیح ایک مستقبل ساز عقیدہ ہے۔ اس "عالمی داور" کا فرض حکومت کی تشکیل، ملکوت الٰہی کی برقراری یا وہی پروردگار کا

---

۱. صبحی حموی الیسوعی، معجم الایمان المسیحی، ص۶۰۔ Dictionary of the Bible, p 252۔

۲. نظام التعلیم فی علم اللاھوت، ج۲، ص۵۰۸۔

۳. کلام نجیب القص، المجیئ الثانی و نمایۃ التاریخ، ص۱۲۶۔

4. Encyclopedia of Millennialism, p 144.

۵. الٰہیات مسیحی، ص۳۴۸۔

۶. ایضاً۔

حضرت داودؑ کو بادشاہی دینے کا وعدہ ہے، بنی اسرائیل اور دیگر امتوں کے درمیان قضاوت کرنا نیز مومنین کے لئے جزا واقع ہونا، گویا یہ اس کے معاشرتی فرائض ہیں۔اور اپنے ان معاشرتی فرائض [البتہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ فرائض سیاسی نہ ہونے پائیں] سے ان کی یہی کوشش رہے گی کہ مسیحیوں کے لئے ایک سنہرا اور بہتر مستقبل رقم کیا جائے۔

۲. اگرچہ عیسائی موعود کے جتنے بھی فرائض و ذمہ داریاں ہیں سب معاشرتی ہیں اور یہ فرائض حکومت کی تشکیل اور منصب قضاوت سے بالکل سازگار بھی ہیں، اس کے باوجود ان کے معنوی پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس موعود کا ظہور اور رجعت صرف انہی افراد کے لئے نفع بخش اور کارگر ہے جو ظہور سے پہلے ان پر خاص اعتقاد اور ایمان رکھتے ہوں، یعنی جو حضرت عیسیٰؑ کی مسیحائی کے قائل ہوں اور ان پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس طرح صرف باایمان افراد ہی رجعت کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی لائی ہوئی نعمتوں سے بہرہ مند ہونگے؛ اور وہ بھی ایسا ایمان جسے حضرت مسیحؑ کے ساتھ زندگی گذارنے[۱] سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ عیسیٰ مسیحؑ کے انفرادی فرائض بھی ہیں۔

۳. دوسرا نکتہ یہ کہ عیسائی موعود، یہودی تفسیر کے برخلاف، قومی اور ملی موعود نہیں ہے، بلکہ ہر قوم اور ہر ملت کے لئے ہے۔اسی وجہ سے انہیں تمام اقوام کا داور کہا گیا ہے چاہے وہ قوم بنی اسرائیل ہو یا کوئی دوسری قوم۔ بس اس قوم کے لئے صرف ایمان شرط ہے جس کا ذکر ہوچکا ہے۔البتہ بعض متون میں بنی اسرائیل کی نجات یا ان کے درمیان قضاوت کرنے کا تذکرہ ملتا ہے جس میں نہ صرف یہ کہ اس انحصار پر کسی قسم کی دلالت نہیں پائی جاتی ہے بلکہ یہ جملات عہد عتیق کی تاثیر اور اس میں موجود پیشین گوئیوں کو حضرت عیسیٰؑ پر منطبق کرنے کے سلسلہ میں عیسائیوں کی کدوکاوش کو اجاگر کرتی ہیں۔

۴. تمام عہد جدید میں کہیں بھی ایسا نہیں ملتا ہے کہ رجعت کے وقت حضرت عیسیٰؑ خارق العادہ طور پر کسی کام کو انجام دیں گے، کہیں بھی حضرت عیسیٰؑ کو اس طرح پیش نہیں کیا گیا ہے کہ وہ کسی غیر طبیعی کام کو انجام دیں گے یا عالم میں کسی قسم کا تصرف کرکے ہستی کو اپنا مطیع بنالیں گے۔ عہد جدید میں مسیحؑ کے جتنے بھی فرائض ذکر ہوئے ہیں وہ سب کے سب نظام طبیعت کے تحت ہیں اور اگر آپ کی رجعت سے صرف نظر کیا جائے تو آپ کا کوئی بھی فعل قوانین طبیعت کے خلاف نظر نہیں آتا۔

---

۱. دیکھیں: یہ تعبیر پولس کے خطوط خاص کر جو رومیوں کے نام لکھے گئے ہیں اس میں متعدد دفعہ استعمال ہوئی ہے۔

۵. بعض ادیان و مکاتب میں موعود اور منجی بشریت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے، اس کے برخلاف عیسائیوں کے نزدیک موعود کو کسی ایک زمانہ میں منحصر نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب مقدس میں مفہوم موعود ایک ایسا مفہوم اور مقولہ ہے جو ہمیشہ جاری و ساری ہے۔ صرف انسان کو چاہئے کہ وہ موعود [مسیحؑ] پر ایمان لے آئے تاکہ اسے نجات حاصل ہو اور ہرگز نجات کسی خاص زمانہ یا جغرافیائی لحاظ سے کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں ہے۔ جب بھی انسان کو یہ ایمان حاصل ہوجائے وہ کامیاب ہوجائے گا۔ اس خصوصیت کو عیسائی موعود کی اصلی اور بنیادی خصوصیت سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ عیسائی موعود کا جو ابتدائی چہرہ ہے اس میں اس خصوصیت کا لحاظ کیا گیا تھا۔

۶. رجعت کا زمانہ مخفی ہے۔ رجعت کے زمانہ کو معین نہ کرنا، سبب ہوتا ہے کہ امید کا دیا ہمیشہ دلوں میں روشن رہے۔ خود حضرت مسیح نے بھی متعدد دفعہ اس نکتہ پر تاکید کی ہے: "اس دن اور اس لمحہ کے سلسلہ میں کسی کو بھی علم نہیں ہے، یہاں تک کہ ...آسمان، سوائے میرے باپ کے بس"[۱]۔ اسی وجہ سے انہیں ہمیشہ یہ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ ہر آن پر امید و آمادہ رہیں: "لہٰذا بیدار ہوجاؤ؛ کیونکہ اس دن اور اس ساعت کو کوئی نہیں جانتا ہے"[۲]۔

۷. حضرت مسیح کی رجعت اور بازگشت آپ کے پہلے ظہور کے برخلاف عیاں اور آشکار ہے[۳]۔ چونکہ مسیح کی رجعت کلیسا کی سیادت اور اس کی بزرگی کو سب پر ثابت کرنے کے لئے ہے لہٰذا اس وقت آپ کی رجعت علنی اور آشکار ہونی چاہئے تاکہ آپ اپنے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: "مومنین آپ کے آنے کی آواز کو سنیں گے اور ہر کوئی اپنی دیگر مشغولیات کو ترک کردے گا"[۴]۔ آپ اپنی رجعت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں: "جس طرح سے بجلی مشرق سے چمک کر مغرب تک ظاہر ہوتی ہے فرزند انسان کا ظہور بھی ایسے ہی ہوگا"[۵]۔

---

۱. متی، ۳۶: ۲۴۔
۲. ایضاً، ۲۵: ۱۳۔
۳. کمال الصلیبی المجیئ الثانی للمسیح، ص ۱۱۹۔
۴. ایضاً، ص ۱۲۰۔
۵. متی، ۲۷: ۲۴۔

دنیا کے سیاسی نظام کا انجام

مولف: مرتضی شیرودی
مترجم: منہال حسین خیرآبادی

بیشتر مکاتب فکر اور مذاہب اس دنیا میں ایک بہتر نظام قائم کرنے کے در پے ہوتے ہیں۔آخری تین دہائیوں میں دانشوروں اور صاحبان فکر و نظر کے نزدیک مدینہ فاضلہ سے متعلق تین نظریہ پائے جاتے ہیں: فوکویاما کا نظریہ "تاریخ کا خاتمہ"، ہنٹنگٹن کا نظریہ "تہذیبوں کی جنگ" اور امام خمینیؒ کا نظریہ "سیاسی اسلام"۔اس وقت دینی جمہوریت (اسلامی جمہوریہ) نے دنیاوالوں اور دانشوروں کے اذہان کو اپنی جانب معطوف کر دیا ہے جس نے ایک نئی دنیا بنانے اور ایک نیا نظام قائم کرنے کا نعرہ دیا ہے۔ حقیقت میں ایک نئی دنیا بنانے کے لئے اس وقت تین نظریئے پائے جاتے ہیں جنہیں دو نظام حکومت؛ لیبرل جمہوریت جس کے طرفدار فوکویاما اور ہنٹنگٹن کے نظریات ہیں اور دینی جمہوریت جس میں امام خمینیؒ اور امام زمانہ(عج) کے نظریات شامل ہیں، میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس وقت ایک نئی دنیا بنانے اور مدینہ فاضلہ تعمیر کرنے کی صلاحیت کس نظام میں ہے ؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے مختلف نظاموں کے اصول و قوانین اور ان سے متعلق نظریات کے سلسلہ میں تحقیق ضروری ہے:

۱. فوکویاما کا نظریہ "تاریخ کا خاتمہ" اور ہنٹنگٹن کا نظریہ "تہذیبوں کی جنگ" کو پیش کیا جائے گا اور پھر اس کا جائزہ لیا جائے۔
۲. لیبرل جمہوریت کے بعض عیوب اور نقائص بیان ہوں گے جو حقیقت میں مذکورہ دو نظاموں کی اصل و اساس ہیں۔
۳. امام خمینیؒ کا نظریہ "سیاسی اسلام" اور اسلامی جمہوریہ، ایک ایسا نظام ہے جس کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ آخری اور مکمل حکومت یعنی امام زمانہ(عج) کی حکومت کے قیام کے مقدمات فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۴. آخر میں مستضعفین عالم کی حکومت پر مبنی نظریہ اور اس کی خصوصیات کو بیان کیا جائے۔

مذکورہ تمام نظاموں کے سلسلہ میں تحقیق اور اسلامی جمہوریہ کو ایک مطلوب نظام اور مستضعفین عالم کی آخری حکومت پر قلم فرسائی مقالہ کی بنیاد ہے۔

فوکویاما (Fukuyama)

فرانسیس فوکویاما، امریکہ کے محکمہ خارجہ کے سیاسی پروگراموں کے نائب ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے ۱۹۸۹ء میں "قومی مفادات" نامی مجلّہ میں اس نظریہ کو بیان کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے اسے ایک مقالہ کی صورت میں منظر عام پر پیش کیا اس کے بعد اسی موضوع پر ایک کتاب "The End of History and the Last Man" یعنی "تاریخ کا خاتمہ اور آخری انسان" کے نام سے لکھی۔ ان کی نظر میں لیبرل جمہوریت، انسانی سماج کا آخری اور کامل نظام حکومت ہے۔ انسانوں کی تاریخ بھی ایک منظّم مجموعہ کا نام ہے جس کا سب سے بڑا حصہ لیبرل جمہوریت کی جانب گامزن ہے، فوکویاما اپنے نظریہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"تاریخ کا خاتمہ اس وقت ہوگا جب اسے ایک ایسا نظام مل جائے جو اس کے مطالبات اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ نظام اس وقت لیبرل جمہوریت کی شکل میں مغربی دنیا میں موجود ہے جس میں اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کی صورتیں رکھی گئی ہیں اور یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آج کا انسان تاریخ کے ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں وہ موجودہ نظام حکومت سے الگ تھلگ کوئی نیا نظام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے کہ موجودہ نظام کو بہتر بنانے اور بنیادی طور پر اس کے سدھار کے امکانات ناپید ہیں"۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر وہ رقمطراز ہیں:

"تاریخ انسانیت کی آخری دہائیاں گواہ ہیں کہ لیبرل جمہوریت اپنے رقیبوں جیسے شہنشاہیت، فاشیزم اور کمیونزم کے مقابلے میں فاتح رہا اور اس وقت پوری دنیا پر اس کا قبضہ ہے، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ لیبرل جمہوریت، انسانوں کی ترقی کی آخری منزل اور حکومت بشری کی آخری صورت ہے۔ اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ تاریخ کے خاتمہ کا وقت آپہنچا ہے، یہ حکومتی نظام حقیقت میں لیبرل اقدار کی کامیابی اور آئیڈیولوجی کے میدان میں جنگ وجدال کے خاتمہ کا نام ہے"۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"میں تاریخ کے خاتمہ کا معتقد ہوں اس لئے کہ تاریخ ایک منظّم اور متغیر مجموعہ کا نام ہے جو ہر دور میں انسانوں کے تجربوں سے مل کر بنی ہے۔ تاریخ کو اس زاویہ سے دیکھنے والا پہلا دانشور جرمن کا باشندہ ہیگل ہے اور مارکس نے اسی مفہوم کو پرورش دینے کے بعد اسے ہمارے روزمرہ کے مباحث میں تبدیل کر دیا"[۱]۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فوکویاما کا نظریہ جدید نہیں بلکہ قدیمی نظریہ ہے جسے مارکس نے اس سے پہلے تفصیلی طور پر بیان کیا تھا۔ مارکس کا ماننا تھا کہ معاشی جبریت (یہ نظریہ خود مارکس کا تھا جو قائل تھا کہ دنیا کے تمام واقعات اقتصادی داؤ پیچ کا کھیل ہے اور حقیقت میں یہ نظریہ اختیار کے مقابلے میں جبر پر قائم ہے جو ایک فلسفی نظریہ مانا جاتا ہے) کی بنیاد پر تاریخ کی جدلیاتی حرکت اپنی انتہا یعنی کمیونیزم پر پہنچ جائے گی۔ اس مرحلہ میں ہر قسم کی خامی، عیب و نقص اور تضاد ختم ہو جائیں گے۔ حقیقت میں یہ دور انسانوں کے لئے ایک افسانوی دور ہو گا جس میں اسے پوری آزادی ملے گی اور ایک ایسی دنیا ابھر کر سامنے آئے گی جس میں ذات پات اور رنگ و نسل اور حکومت کا کوئی نام و نشان نہ ہو گا، لیکن تاریخ کی جدلیاتی حرکت کا مفہوم در حقیقت جرمن کے مشہور فلسفی Georg Wilhelm Friedrich Hegel سے لیا گیا ہے۔

ہیگل وہ پہلا فلسفی دانشور ہے جس نے تاریخ کے تکامل کو انسان کی ابتدائی خود آگاہی سے اس کی انتہا تک کی خود آگاہی پر مشتمل نظریہ کو پیش کیا ہے۔ اس کی نظر میں خود آگاہی کی ارتقا اور تکمیل اور مختلف تاریخی ادوار کے سماجی نظام اور تنظیموں (جیسے قبائلی نظام، غلامی کا دور، تھیوکریسی اور آخر میں جمہوریت) کے درمیان اٹوٹ رشتہ ہے۔ ہیگل کی نظر میں انسان، حقیقت میں تاریخ اور سماج کے حالات و شرائط کے ذریعہ تربیت پاتا ہے۔ تاریخ اپنی جبری حرکت کے نتیجہ میں جو واقعیت اور عقلانیت کی کھلی ہوئی تجلی کا نام ہے، مقام مطلق تک پہنچ جاتی ہے جہاں سماج اور حکومت کی عقلانی صورت ابھر کر سامنے آتی ہے، بالفاظ دیگر ہیگل کی نظر میں گذشتہ ادوار میں آزادی کچھ ہی لوگوں کے لئے تھی اور انسانوں کا بیشتر طبقہ اس سے محروم تھا۔ اگلے مرحلے میں تھوڑی بہت ترقی ہوئی اور آزادی، سماج کے ایک خاص طبقہ کو نصیب ہوئی لیکن تاریخ کا آخری اور کامل مرحلہ ایسا ہو گا جس میں آزادی، تمام انسانوں سے متعلق ہو گی اور اس وقت انسانیت کو اپنا واقعی اعتبار حاصل ہو گا اور اس کے اقدار ابھر کر سامنے آئیں گے[۲]۔

---

۱. غلام رضا علی بابائی، فرہنگ روابط بین الملل، ص۵۷۔

۲. ایضاً۔

فوکویاما نے ہیگل اور مارکس کے نظریہ کی جس انداز میں تفسیر کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مارکس سے زیادہ ہیگل کے نظریہ سے متاثر لیبرلیزم کی کامیابی پر یقین رکھتا تھا، یعنی اس کا ماننا تھا کہ سماج اور حکومت فاتح ہیں نہ کہ کاریگر اور مزدوروں کا طبقہ۔ الیکزنڈر کیژو نے ہیگل کے نظریات کی تفسیر میں ایک کتاب تحریر کی ہے اور فوکویاما نے خاتمہ تاریخ کی اصطلاح کو اسی تفسیر سے اخذ کیا ہے۔

فوکویاما کا یہ ماننا ہے کہ اس وقت دنیا عالمی پیمانہ پر کامیابی کی جانب گامزن ہے اور اس کے فرضیہ کے مطابق ہمارا دور اس وقت ہیگل کی خلاقیت کو جامہ عمل پہنا رہی ہے۔ اس کی نظر میں اگر ہم طویل مدت تک باقی رہنے والا بہترین نظام تلاش کرنا چاہیں تو وہ سیاسی اور اقتصادی لیبرلیزم کی پابندی ہے۔ فوکویاما اپنے نظریہ میں تیسری دنیا کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا ہے بلکہ اپنی تحریریوں طنز کرتا ہے:

> "ابھی تک تیسری دنیا تاریخ میں سر گرداں ہے اور اس میں اس حد تک حیران ہے کہ دنیا کی نظریاتی تبدیلی میں اس کا اپنا کوئی کردار نہیں ہے"۔

فوکویاما کے نظریہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس نے تاریخ کی حرکت کے لئے ایک مترقی بنیاد قرار دی ہے جو اس مسیر میں اپنی انتہا کو پہنچے گی اور پھر انسان کو اپنی ذاتیات کی شناخت کروانے اور آرزؤں کو محقق کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی اور شاید جرمن کے فلسفی دانشور ہابرمس (Habermas) کے مطابق، تاریخ کا خاتمہ بہت ہی غم انگیز ہوگا، اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ انسان نظریاتی جنگ کے بجائے، اقتصادی حساب وکتاب، ماحولیات کے سلسلہ میں فکرمندی اور روزمرہ کی ضرورتوں کو پوری کرنے میں مشغول ہوجائے۔ اگرایسا ہوتا ہے تو پھر ایسے دور میں ہنر اور فلسفہ کے بدلے انسان کی روح کو میوزیم کے شیشوں میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنے کی بات ہوگی۔

فوکویاما نے اپنی کتاب میں تاریخ سے متعلق اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے علم و دانش کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب کہ خود علم کو سرمایہ داری کے ذریعہ جان ملتی ہے تاکہ اس طرح انسانوں کی ضروریات کو پورا کرسکے۔ فوکویاما کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس وقت تاریخ کے اس موڑ پر کھڑے ہیں، جہاں ابھی ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم موجودہ صورت حال کو بدل کر اسے مترقی بنا سکیں تو اس احتمال کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ تاریخ خود ہی اپنے اختتام کو پہنچ جائے[1]۔

---

۱. محمد توحید فام، فرہنگ در عرصہ جہانی شدن؛ چالش ہا و فرصت ہا، ص ۲۱۹۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ امریکی نظریہ پرداز فوکویاما نے اپنے اس نظریہ کو کمیونیزم کی شکست کے بعد پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا کی تاریخ اپنے مقصد اور اختتامی مراحل سے قریب ہو چکی ہے اور لیبرل جمہوری نظام واحد سیاسی نظام ہے جو باقی رہنے والا ہے، یعنی فوکویاما کمیونیزم کی نابودی کو نہ صرف سرمایہ داری نظام کی بقا کا باعث سمجھتا ہے بلکہ مارکسیسم کے سقوط کو لیبرل جمہوریت کے اختتامی مراحل سے نزدیک ہونے کا سبب سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونیزم کے مقابلے میں مغربی دانشوروں کے شدید عکس العمل اور نوستراداموس کی پیشین گوئی کے مطابق مغربی نظام کی نابودی اس طرح آپس میں مدغم ہوئی کہ عوام اسے دنیا کا خاتمہ سمجھ بیٹھی اور یہ اتفاق ایک جدید نظریہ کے جنم لینے کا باعث ہوا جسے ہنٹنگٹن اور فوکویاما نے فلسفہ کے آئینہ میں دنیا والوں کے سامنے پیش کیا[۱]۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ مسلسل ارتقا اور پے در پے حوادث و وقائع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اور فلسفہ تاریخ کا فرض یہ ہے کہ تمام وقائع کا خلاصہ کرے اور ایک جامع نظریہ کی شکل میں اسے منظر عام پر پیش کرے۔ معلوم ہوا کہ تاریخ کا خاتمہ ایک مبہم اور مہمل عنوان ہے، جیسا کہ Jean Baudrillard اپنی کتاب "خاتمہ کا توہم" اور ایک انٹرویو میں فوکویاما کے نظریہ کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے احمقانہ اور سطحی قرار دیا ہے اور پھر اپنے اعتبار سے دنیا کے حالات و شرائط کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب تاریخ کسی ہدف کی تلاش میں نہیں ہے، اب اس میں ارتقا نہیں ہے، اب اس کی حرکت کسی خاص مسیر کی جانب نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ وہ جس راستے پر جارہی ہے وہ کامیابی تک پہنچے گی یا ناکامی کا منھ دیکھے گی۔ اس فلسفی دانشور کی نظر میں کمیونیزم کے خاتمہ کے بعد بھی مارکس ابھی تک باقی ہے، اس لئے کہ اس کے نظریہ میں کچھ اہم نکات ہیں جو ابھی تک معتبر مانے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فلسفی دانشور کی نظر میں مارکس نے جو نظریہ قائم کیا ہے اور جو تحلیل و تفسیر کی ہے وہ ختم ہونے والے نہیں ہیں[۲]۔

مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فوکویاما کی نظر میں مورد بحث مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مغربی اقدار اور اشیا بہتر ہیں یا نہیں، بلکہ وہ مغربی اقدار اور تہذیب کو غیر مغربی دنیا میں پھیلانے کے در پے ہے۔ پس معلوم ہوا کہ فوکویاما اپنے نظریہ کے ذریعہ مغربی افکار، آئیڈیالوجی، افعال و کردار اور حالات و شرائط کو دنیا کے دیگر جوامع اور تہذیبوں میں عام کرنا چاہتا ہے، اس نظریہ کے مطابق بہترین اشیاء اور بے مثال اقدار صرف اور صرف مغربی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا نظریہ، مغربی افکار و نظریات کی

---

۱. رامین، جہان بگلو، نقد عقل مدرن، ص۷۸۔

۲. ایضاً، ص۱۰۱۔

عالمی فتحیابی کا مظہر ہے۔اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ آج کے دور میں بیشتر ممالک سرمایہ داری کو اقتصادی اور سیاسی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں، اس کامیابی کو قطعی و مسلّم فرض کرلیا گیا ہے۔ بہر حال ہم اس بات کو نظرانداز نہیں کرسکتے کہ مغربی تہذیب کے ذریعہ دیگر ممالک کی تہذیبیں شکل و جہت پاتی ہیں اور اس کے اقدار عقب ماندہ ممالک کے عوام اور ان کے دانشوروں کے لئے نمونہ بنتے جارہے ہیں۔ فوکویاما کا نظریہ مغرب کی مادی اور غیرمادی اشیاء و اقدار کی برتری کو پیش کرنے سے کہیں زیادہ مذکورہ ذہنیت کی برتری کا قائل ہے، دنیا میں بہت کم ممالک ایران جیسے ہیں جو اسلامی معارف سے وابستہ ہونے کی وجہ سے فوکویاما جیسے لوگوں کے نظریات اور اس نظریہ کا واضح مصداق یعنی امریکی سیاست کے عالمی ہونے کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی فوکویاما کے نظریہ کو حقیقت میں ان نظریات کا حصہ سمجھنا چاہئے جو آئیڈیالوجی کے خاتمہ یا بالفاظ دیگر امریکی آئیڈیالوجی سے متعلق ہیں۔ جیسا کہ GerardAraud اور Mongin Olivie نے ۱۹۸۹ میں امریکہ سے شائع ہونے والے مجلّہ اسپریٹ میں یہ تحریر کیا کہ تاریخ کے خاتمہ کا اعلان امریکی طرز فکر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ امریکی آئیڈیالوجی نفی تاریخ پر استوار ہے[۱]۔ چونکہ اس میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ دنیا کی ذمہ داری کو نبھاسکے اس لئے اس نے اپنے علاوہ سب کی نفی کی ہے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔

ہنٹنگٹن (Samuel P. Huntington)

ہنٹنگٹن دوسرے دانشوروں کی طرح سرد جنگ کے خاتمہ کو نظریاتی جنگ کا خاتمہ نہیں مانتا بلکہ اسے تہذیبوں کے تصادم کا نیا دور بتاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے دنیا کے وقائع اور حوادث کی اس انداز میں تحلیل و تفسیر کی جو اس کے نظریہ کے مطابق ہوں۔ اس دانشور نے جیسے ہی تہذیبوں کے تصادم پر مبنی نظریہ قائم کیا، دنیا کے تمام علمی، فرہنگی، سیاسی اور مذہبی مجامع میں شدت سے بحث و گفتگو شروع ہوگئی۔ ایران میں اس نظریہ پر مبنی مطبوعہ مقالے اور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱. محمد علی اسلامی ندوشن، "کدام رویاروئی" دوماہنامہ اطلاعات سیاسی۔اقتصادی، ش ۷۵، ۷۶
۲. امید فرہنگ، "ماچگونہ بر غرب تاثیر می گذاریم"، فصلنامہ گفتگو، دی ۱۳۷۲
۳. داریوش شایگان، "چند گانگی فرہنگی"، فصلنامہ گفتگو، دی ۱۳۷۲
۴. ساموئل ہنٹنگٹن، "رویاروئی تمدن ہا"، ترجمہ مجتبی امیری، دو ماہنامہ اطلاعات سیاسی۔اقتصادی، ش ۶۹، ۷۰

---

۱. نقد عقل مدرن، ص ۱۰۱۔

۵. مجتبیٰ امیری، "نظریہ رویارویی تمدن ہا از دیدگاہ منتقدان" دو ماہنامہ اطلاعات سیاسی۔ اقتصادی، ش ۷۳، ۷۴
۶. "نبرد آیندہ" گفتگو با ساموئل ہنٹنگٹن"، ترجمہ حمید عضدانلو، ماہنامہ کلک، ش ۴۲، شہریور، ۱۳۷۲

ہنٹنگٹن کے نظریہ کے مخالفوں کی فہرست بڑی طویل ہے، بلکہ بعض سیاستدانوں کا یہ ماننا ہے کہ اس طرح کے مسائل کو ایسے بحرانی دور میں منظر عام پر لانا سیاسی اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے، اسی طرح بعض مغربی دانشوروں کا یہ ماننا ہے کہ یہ نظریہ بہت ہی سست اور بے بنیاد ہے، اور اسے مغربی سماج میں موجودہ اخلاقی گراوٹ اور معنوی بحران کی پردہ پوشی اور دنیا والوں کے سامنے ایک متمدن و متحد سماج پیش کرنے کی ناکام کوشش بھی بتایا ہے۔

جیمز کورث تمام مخالفین میں سر فہرست ہے جس نے مغربی سماج میں موجودہ مشکلات اور کمیوں سے چشم پوشی کرنے کی بناپر ہنٹنگٹن کی ملامت کی ہے۔ وہ اپنے ایک مقالہ "واقعی تصادم" میں سب سے پہلے عصر جدید میں مفاہیم کے ٹکراؤ پر عمیق نظر ڈالتے ہوئے اور ہنٹنگٹن کے نظریہ کو پیش کرنے کے بعد اس پر تنقید کی ہے۔ اس کی نظر میں مغربی سماج بہت سی تبدیلیوں کا سرچشمہ ہے اور حقیقی تصادم کہیں اور نہیں بلکہ خود مغربی سماج مخصوصاً امریکہ میں پیش آئے گا۔ فرہنگی اختلافات اور فمینزم وہ عوامل اور اسباب ہیں جو مغربی تہذیب میں تصادم کا باعث بنیں گے، بلکہ مغربی تہذیب میں مغربی اور غیر مغربی تہذیبوں کا ٹکراؤ اجتناب ناپذیر ہے۔ اس کی علامتیں اور نشانیاں بھی ایک ایک کر کے منظر عام پر آرہی ہیں جیسے کہ آج امریکی سماج میں مختلف افکار و نظریات کے حامل افراد جن کا تعلق مختلف طبقات سے ہے وہ امریکی سیاست کے میدان میں نبرد آزما ہیں[۱]۔

جہاں دنیا کی علمی اور فرہنگی انجمنوں نے ہنٹنگٹن کے نظریہ "تہذیبوں کا تصادم" کی کھل کر مخالفت کی وہیں بعض سیاسی اور غیر سیاسی دانشوروں نیز یورپ اور امریکہ کی بعض بانفوذ انجمنوں نے ہنٹنگٹن کے نظریہ کو قابل غور بھی قرار دیا ہے اور موجودہ عالمی مسائل میں اس نظریہ کو اہمیت بھی دی ہے جیسا کہ ایشیائی امور کے ماہر گراہم فولر Graham Fuller اپنے ایک مقالہ "فراسوی جنگ سرد" میں لکھتا ہے:

> "اس وقت دنیا تہذیبی اعتبار سے ایک زبردست بحران کا شکار ہوچکی ہے، مغربی تہذیب کی برتری پر مبنی فرضیات، اسلامی تہذیب اور کنفوسیوسی تہذیب کی جانب سے بے امان حملات کا شکار ہے، چنانچہ دنیا کے اکثر مقامات جو مغربی منافع سے الگ تھلگ سمجھے جاتے ہیں وہ اس وقت

---

۱. داریوش شایگان، چند گانگی فرہنگی، فصل نامہ گفتگو، دی، ۱۳۷۲ش، ص ۶۷۔

عالمی سیاست میں اپنی حیثیت بنانے اور مقام پانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، یہ وہ رقابت اور لڑائی ہے جو مستقبل میں اقتصادی، سیاسی ٹکراؤ حتی لشکر کشی کا باعث بھی بن سکتی ہے"۔

گراہم فولر نے اپنی آخری کتاب میں تہذیبوں کے تصادم اور مغرب کی اسلام سے دشمنی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یورپ کے بعض دانشور عالمی حالات و شرائط پر مبنی ہنٹنگٹن کے نظریہ کے طرفدار نظر آتے ہیں، جیسا کہ Institute of International Relations of Germany کے ڈائرکٹر میچل اسٹر مر اپنے ادارہ کی نئی کاوشوں کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تہذیبوں کا تصادم ایک خطرناک امر ہے جس میں نیٹو سے ملحق ممالک مستقبل میں مبتلا ہوں گے۔

ان کے مقابلے میں وہ غیر مغربی دانشور جنہیں جنگ سرد کے حالات و شرائط بخوبی یاد ہیں، وہ تہذیبوں کے ٹکراؤ کو سوچی سمجھی پالیسی سمجھ رہے ہیں اور اختلاف پر مبنی مغربی سیاست کو اس کا سرچشمہ گردانتے ہیں تاکہ وہ اس نظریہ کے ذریعہ ترقی پذیر ممالک کے منافع پر آسانی سے قبضہ کر سکیں، اگرچہ سطحی فکر کے افراد بھی موجود ہیں جو علمی و فلسفی داؤ پیچ سے بچنے کے لئے ہنٹنگٹن کی سیاہ و سفید دنیا کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ وہ لوگ اس نظریہ کی حمایت کے خطرناک نتائج اور انجام سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسے دارالاسلام اور دارالحرب جیسے نظریات پر منطبق کردیں جب کہ مغربی اور غیر مغربی دانشوروں کی اکثریت نے تہذیبوں کے تصادم پر مبنی نظریہ کا جائزہ لیا ہے اور اکثر اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ جنگ سرد کے بعد نظریاتی دنیا میں جو بحران پیدا ہوا تھا، ہنٹنگٹن نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس کے ذریعہ اس دور میں پیدا ہونے والے سیاسی و غیر سیاسی نظریات میں تجدید نظر اور عالمی حالات و شرائط پر نظر ثانی کے لئے دانشوروں کو مجبور کردیا اور آخر کار انہیں یہ ماننا پڑا کہ ابھی تک ہنٹنگٹن کے نظریہ کا کوئی بدل نہیں مل سکا ہے۔

ہنٹنگٹن کا ماننا ہے کہ ماضی کے برخلاف، مستقبل میں رونما ہونے والے بین الاقوامی تنازعات قوموں کے شناختی بحران کا نتیجہ ہوں گے اس لئے کہ ابھی تک یہ شناخت حکومتوں کی اقتصادی یا سیاسی آئیڈیالوجی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی لیکن اب وہ اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے تہذیب کی دنیا میں نئے عناوین کی تلاش میں ہیں۔

ہنٹنگٹن ایک مقام پر کہتا ہے:

"جنگ سرد کے بعد موجودہ تہذیبوں کے مالک ممالک، بڑی طاقتوں کا مقام حاصل کرلیں گے، اس کے بعد عالمی قدرت کا کوئی مطلب باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد کوئی بھی ملک بلکہ امریکہ

کے لئے بھی منفعت کی دنیا میں کوئی حکمت عملی نہیں ہوگی، مستقبل کی دنیا تہذیبوں کی بنیاد پر قائم ہوگی اور یہ ایک اجتناب ناپذیر قدم ہے''۔

تہذیبوں کے تصادم پر مبنی نظریہ کا مطالعہ کرنے اور اس پر وارد ہونے والی تنقید کو دیکھنے کے بعد درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱. نظریہ ''تہذیبوں کا تصادم'' ایک جدید نظریہ ہے جو عالمی مسائل کو حل و فصل کرنے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کے ثقافتی اور علمی گوشوں کو نظر میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

۲. تہذیبوں کا تصادم ایک اسٹراٹیجیک نظریہ ہے لہٰذا اسے سیاسی عینک سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

۳. اس نظریہ کے بعض پہلو بہت اہم اور روشن ہیں لیکن اس کی بنیادیں بہت سست ہیں اور خارج میں موجود بے شمار واقعیتوں اور حقیقتوں سے ناساز گار ہے[۱]۔

۴. ہنٹنگٹن مغربی سربراہوں سے درخواست گزار ہے کہ وہ مغربی تہذیب کو دوبارہ رائج کرتے ہوئے اس کی حفاظت کریں اور اس سلسلہ میں وہ یورپ سے زیادہ امریکہ کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اس کی نظر میں مغربی تہذیب کی حفاظت کے لئے درج ذیل اہداف کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے:

الف: تمام مغربی ممالک کو سیاسی، اقتصادی اور لشکری اعتبار سے متحد ہونا ہوگا تاکہ دیگر تہذیبوں پر قائم ممالک اپنے اختلافات کو مغربی ممالک کے ذریعہ حل کریں اور ان سے مشورہ لیں۔

ب: روس کو ارٹھوکس فرقہ کا اصلی مرکز ماننا ہوگا اور اس کی علاقائی قدرت کو جنوب کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جائز منافع کے ساتھ تسلیم کرنا ہوگا۔

ج: تمام مغربی ممالک کو یورپی یونین اور نیٹو میں شامل کرنا ہوگا جیسے سلونیا اور کروشیا وغیرہ۔

د: جنوبی امریکہ کے باشندوں کو مغربی تہذیب میں مدغم ہونے کے لئے مدد کرنا ہوگا اور ان سے نزدیکی روابط قائم کرنا ہوگا۔

ھ: مسلم ممالک اور چین کی ہر قسم کی طاقت کو ختم کرنا ہوگا۔

و: جاپان کی مغربی ممالک سے دوری کو کم اور چین سے دوری کو بڑھانا۔

ز: دیگر تہذیبوں اور ممالک کے مقابلے میں مغربی ممالک کی فوجی ٹکنالوجی میں برتری لانا ہوگی۔

جب مذکورہ اہداف جن میں سے بعض کا آغاز بھی ہوچکا ہے پورے ہوجائیں گے تو دنیا کی دیگر

---

۱. مجتبیٰ امیری، نظریہ برخورد تمدن ہا، ہنٹنگٹن ومنتقدانش، ص ۲۲۔

تہذیبیں یا نابود ہو جائیں گی یا وہ پوری طرح مغربی تہذیب کے سامنے تسلیم ہو جائیں گی[۱]۔

فوکویاما اور ہنٹنگٹن دونوں دنیا میں لیبرل جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں، جب کہ ہم نے سابقہ دو نوں نظریہ "تہذیبوں کا تصادم" اور "دنیا کا خاتمہ" پر جو نقد کئے ہیں ان کے علاوہ درج ذیل موارد بھی ہیں جو ان دونوں نظریات پر نقد کی فہرست میں شامل ہیں:

۱. فرد محوری

لیبرل جمہوریت کا دنیا کے دیگر نظاموں کے مقابلے میں سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس میں انتہائی درجہ کی فرد محوری پائی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماج میں رہنے والے زن و مرد عام حالات میں ایک دوسرے سے مستقل اور سماج سے ہٹ کر ہیں، یعنی ان کا اتصال اور ملاپ ان کی فطرت کے مطابق نہیں ہے بلکہ ان کے تعلقات ذاتی منافع اور مقاصد کے تابع ہیں، اسی لئے روابط اور تعلقات ایک قسم کے ابزار شمار کئے جاتے ہیں، لہٰذا تمام سیاسی، اقتصادی اور فرہنگی اداروں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے افراد کے منافع کو فراہم کریں اور یہ منافع آزادی کے سایہ میں ہی قابل حصول ہے اور وہ تمام اصول و قوانین جو کسی فرد کی آزادی کو ختم کرنا چاہیں، غیر قابل قبول ہیں اس لئے کہ وہ فرد کی آرزوں تک رسائی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

فرد محوری پر تنقید کے حوالہ سے کہا جاسکتا ہے کہ عام حالات میں انسانوں کا ایک ساتھ جمع ہو کر زندگی بسر کرنا نہ تنہا مادی منافع کی خاطر ہے بلکہ بعض اوقات معنوی، روحی اور انسانوں کی انسانی ماہیت کا تقاضہ بھی ہوتا ہے، پس سماجی موسسات صرف اور صرف فردی منافع کی دیکھ ریکھ کے لئے نہیں ہیں کہ ان کی مشروعیت اس کے ذریعہ حاصل ہو، اسی طرح منافع کو حاصل کرنے کی راہ میں سماجی موسسات اور آزادی، بعض اوقات رکاوٹ بھی ڈال دیتے ہیں[۲]، اس لئے کہ یہ سماجی موسسات بیوروکریسی کو ہوا دینے کے ذریعہ اہداف کی راہ میں رکاوٹ ڈال دیا کرتے ہیں۔

۲. عمومی منافع کی غلط تفسیر

---

۱. ایضاً۔

۲. انڈورلوین، طرح و نقد نظریہ لیبرال دموکراسی، ترجمہ سعید زیبا کلام، ص۶۰۔۷۸؛ شہریار زرشناس، زنگ ہای انحطاط و رسوایی برای نظام ہای لیبرال، دموکراسی، روزنامہ قدس، ۱۹ بہمن، ۱۳۸۱، ص ۱۲؛ وت جونز، خداوندان اندیشہ سیاسی، ترجمہ: علی رامین، ج ۲، ص ۳۶۲۔

لیبرل جمہوریت میں عمومی منافع کا مطلب ہر وہ چیز ہے جسے جمہوری طور پر انتخاب کرلیں یا وجود میں لائیں، بعض اوقات لیبرل جمہوریت میں عمومی منافع روسو کی تعریف کے مطابق اجتماعی منافع کے برابر قرار پاتے ہیں جب کہ روسو کے نزدیک عمومی منافع اور سماجی منافع کے درمیان بہت فرق ہے اور وہ ان دونوں کی یکسانیت کا قائل نہیں ہے،، اس مطلب پر تنقید کرتے ہوئے اس طرح کہا جاسکتا ہے: لیبرل جمہوریت میں عمومی منافع یا عمومی تعلقات کا ایک خاص مطلب ہے جس کی بنا پر غیر معقول خواہشیں اور آرزوئیں بھی اس میں شامل ہو جاتی ہیں، لیبرل جمہوریت کا ایک ہدف یہ بھی ہے کہ وہ منافع کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرے اور جمہوری قواعد ایسے ہی منافع کو حاصل کرنے کا ایک راستہ اور ذریعہ ہے۔لوین، لیبرل جمہوریت میں مستعمل عمومی منافع کے مفہوم کو ابہام آمیز قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

> ''لیبرل جمہوریت میں عمومی کا مطلب فرد فرد کی جمع ہے، جب کہ جمعی منافع میں جمعی کا مطلب سماج کے ہر فرد کے منافع کی حفاظت ہے۔ اس کے علاوہ منافع یا تعلقات کا مفہوم، عقل عملی کا ثمرہ ہے اور اس میں بھی ایک ابزاری کیفیت پائی جاتی ہے یا اس میں بھی عقل، عواطف و احساسات کی قید و بند میں ہوتی ہے''[۱]۔

۳. رہائی نہ کہ آزادی

لوین، لیبرل جمہوریت کے موافق آزادی کی تعریف بیان کرنے سے پرہیز کرتا ہے جس کی بنا پر وہ بطور مستقیم لیبرل جمہوریت میں آزادی کے مفہوم کا تجزیہ نہیں کرتا، اس لئے کہ اس کا عقیدہ ہے کہ لیبرل جمہوری خواہوں نے آزادی کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں اسی لئے اس کی پوری کوشش یہ ہے کہ ان کی تمام تعریفوں کے ماحصل کو پیش کرے۔ لیبرل جمہوریت میں آزادی کا مطلب ہے: اہداف تک پہنچنے کی راہ میں کسی قسم کی محدودیت اور رکاوٹ کا نہ ہونا، آزادی کی اس تعریف کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو ہر قسم کے قید و بند سے آزاد کردیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ ذاتی منافع ہمیشہ سب سے زیادہ آزادی کے سایہ میں حاصل نہیں ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے عام حالات میں سماج پر کسی حکومت کے نہ ہونے سے افراتفری مچ جاتی ہے یا حد سے زیادہ آزادی اہداف تک پہنچنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جایا کرتی ہے یا کم از کم اس کی حرکت کچھوے کی چال سے بھی زیادہ آہستہ ہو جایا

---

۱. طرح و نقد نظریہ لیبرال دموکراسی، ص۹۵، ۱۰۵؛ اسٹنتون تانسی، مقدمات سیاست، ترجمہ: ہرمز ہمایوں پور، ص۲۷۷۔

کرتی ہے پس یہ امر لوگوں کے نفع میں ہے کہ وہ اپنے منافع کے حصول کی راہ میں بعض محدودیتوں اور رکاوٹوں کو قبول کریں[۱]۔

۴. نظریاتی اختلاف

ایک سیاسی نظریہ کے لحاظ سے جمہوریت میں لیبرلیزم کا امتزاج غیر ممکن ہے، جس کی وجہ سے لیبرل جمہوریت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لیبرل فیصلے اور جمہوری فیصلے ایک سیاسی نظریہ میں ادغام ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ دونوں لفظ مرکب کی طرح اکٹھا ہو سکتے ہیں؟

لیبرل جمہوریت کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جمہوری فیصلے خیر جمعی (اجتماعی مفاد) کو لیبرلی یعنی خیر فردی (انفرادی مفاد) کی خاطر قربان کر دیا جائے، لیکن لیبرل جمہوری خواہ واضح صورت میں یہ بیان نہیں کرتے کہ لیبرلی فیصلے کیا ہیں؟ ابھی تک جو چیز مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کبھی خیر جمعی کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی خیر فردی کو مقدم کر دیتے ہیں یعنی ان کا کردار کبھی لیبرلیزم کا آئینہ تو کبھی جمہوریت کا آئینہ ہوتا ہے، اگر لیبرلیزم جمہوریت میں جمہوری اور لیبرل عناصر کو ایک جگہ اکٹھا ہونا ہے یا لیبرل اصول کی جمہوری اصول کے مقابلے میں حفاظت کرنا ہے تو لیبرلیزم اور جمہوریت کو ایک دوسرے کے اصول کو نقض نہیں کرنا چاہئے اس لئے انہیں لیبرلیزم کے اصول کو واضح انداز میں بیان کرنا چاہئے بلکہ دونوں کے حدود کو معین کرنا ہوگا، لیبرلیزم کے حدود کو معین نہ کرنا اور جمہوریت کے حدود کو کھلا چھوڑ دینا لیبرل جمہوریت کی مشروعیت کے لئے نقصان دہ ہے۔

۵. وضع قوانین

لیبرل جمہوریت میں قانون بنانے کا حق صرف اور صرف عام لوگوں کو ہے نہ کہ خدا کو۔ انسانوں کے ذریعہ قانون بنانا بہت سی خرابیوں کا باعث ہے جیسے :

الف: ایک انسان دوسرے انسان کے لئے ایک جامع اور مانع قانون ہرگز وضع نہیں کر سکتا؛ کیونکہ انسانی معرفت کے تین راستے یعنی حس، تجربہ اور عقل انسانوں کی واقعی ضرورتوں کو سمجھ نہیں سکتے۔

ب: ابھی تک انسانوں نے جو قوانین بنائے ہیں وہ زیادہ تر خود قانون بنانے والوں کے حق میں اور ان کے منافع کے ضامن رہے ہیں، چونکہ یہ حقیقت ہے کہ جب قوانین انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں تو

---

۱. فریدریش فون ہائیک، آزادی عقل وسنت، ترجمہ عزت اللہ فولادوند، ص۳۲۱، طرح ونقد نظریہ لیبرال دموکراسی، ص۶۰،۷۰۔

قانون گزاروں کے منافع اور ان کی ضرورتیں ملحوظ ہوتی ہیں اور انسانوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے منافع کی محدودیت کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔

ج: اقلیت میں رہنے والے لوگ اکثریت میں رہنے والے لوگوں کے قوانین کو تحمل کرنے کیلئے مجبور ہوں گے، اور وہ اپنی باطنی ناراضگی کے باوجود اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور رہیں گے۔

د: انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین زیادہ تر انسانوں کی فطرت میں شامل نہیں ہیں اسی وجہ سے اسے عام مقبولیت نہیں حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں بار بار نئے قوانین بنانے پڑتے ہیں یا ان کو نافذ کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے[1]۔

۶. ناصالح افراد کا انتخاب

لیبرل جمہوریت میں حکومت چلانے والے لوگ عام انسانوں کے ذریعہ اور دینی پہلوں پر توجہ دیئے بنا انتخاب کئے جاتے ہیں یعنی اس طریق کار میں لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف معطوف کرنے کے لئے اور انہیں خوش کرنے کے لئے ہر ممکن راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ عوام کی اکثریت کے ذریعہ وہ حکومت کے اعلیٰ مناصب کو حاصل کر سکیں۔ اس انتخاب پر دو اعتراض وارد ہیں:

الف: اگر لوگوں کے ووٹ کے ذریعہ کوئی ہوس کا اسیر، لالچی، نااہل، فاسق و فاجر اور جاہل انسان حکومت کے کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو جائے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ سماج نابودی، بربادی اور پستی کی طرف ڈھکیل دیا جائے گا، جس کی وجہ سے عقل اس راستہ کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی اس لئے کہ اس میں سماج کی تباہی مسلم ہے[2]۔

ب: عام طور پر الیکشن میں بہت کم باصلاحیت لوگ شرکت کرتے ہیں اور اگر شریک بھی ہو گئے تو بہت کم انہیں انتخاب کیا جاتا ہے اس لئے کہ جو لوگ دولتمند اور اثر و رسوخ والے ہیں وہ پیسے اور زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈے کے ذریعہ کرسی کو حاصل کر لیتے ہیں اور جو شائستہ ہوتے ہیں وہ دولتمند نہ ہونے کی وجہ سے اور اثر و رسوخ نہ رکھنے کی بنا پر حاشیہ میں ڈال دیئے جاتے ہیں[3]۔

---

۱. عبد الرحمٰن عالم، تاریخ فلسفہ سیاسی غرب (عصر جدید و سدہ نوزدہم) ص ۴۳۶؛ مصطفیٰ کواکبیان، دموکراسی در نظام ولایت فقیہ، ص ۵۸،۴۸۔

۲. تاریخ فلسفہ سیاسی غرب، ص ۴۵۴؛ نظریہ سیاسی اسلام، ص ۲۹۳۔

۳. علی غفوری، اسلام و اعلامیہ جہانی حقوق بشر، مجموعہ حقوق بشر از منظر اندیشمندان، ص ۴۶۳؛ علی میر سیاسی، دموکراسی یا حقیقت، ص ۱۰۳ و ۱۰۸۔

۷. گمراہ کن پروپیگنڈے

گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعہ ووٹ بنانا یا لوگوں کے ووٹ خریدنا لیبرل جمہوریت کا سب سے بڑا عیب اور نقص ہے، جب کہ لوگوں کی اکثریت جھوٹی تبلیغات اور پروپیگنڈے کی وجہ سے ہمیشہ دھوکہ میں رہتی ہے۔ کیا یہ قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں سے حاصل ہونے والا ووٹ واقعی ہے؟! یہ جملہ حقیقت میں روسو کی تائید کرتا ہے کہ جس نے کہا تھا:

"کسی بھی قوم کو فاسد نہیں کیا جاسکتا لیکن ان کی اکثریت کو گمراہ ضرور کیا جاسکتا ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جس میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ایسی قوم اپنے نقصان کی خود درپے ہے"۔

مغربی الیکشن کی مہم اور اس کے پروپیگنڈوں میں تین اہم نقص پائے جاتے ہیں :

الف: کسی بھی طرح اور جیسے بھی ممکن ہو لوگوں کا ووٹ حاصل کرنا یعنی ہدف وسیلہ کی توجیہ کرتا ہے۔

ب: تبلیغات اور پروپیگنڈے کا مقصد مخاطب سے قدرت تحلیل کو چھین لینا ہے لہٰذا جب سماج کا ایک فرد ووٹ دیتا ہے تو اپنی اس ذہنیت کے مطابق دیتا ہے جو اس کے دل ودماغ میں ترسیم کی گئی ہے۔

ج: الیکشن کے میدان میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جن کے پاس پروپیگنڈہ کرنے کے ابزار اور وسیلے زیادہ ہوں[۱]۔

۸. سیاسی بے توجہی

لیبرل جمہوریت کا نظام نمایندگی پر قائم ہے، الیکشن کے بعد حکومت کی باگ ڈور نمایندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور ووٹ دینے والے عوام اس سے کہیں دور ہوتے ہیں، یعنی سیاسی پارٹیوں کے ہوتے ہوئے، لیبرل جمہوریت میں انہیں ایسے دور میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے سے منع کردیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی نقطہ نظر سے ووٹ دینے والوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ مسئلہ ہمارے دور میں بہت ہی زیادہ قابل محسوس ہے کہ عوام ووٹ دینے کے بعد کالعدم ہوجایا کرتے ہیں اس لئے کہ :

الف: میڈیا کی فراوانی اور اس کے ذریعہ لوگوں کی معلومات میں اضافہ کے باعث لوگ اپنے منتخب نمایندوں کی نااہلی کو سمجھ گئے ہیں، جس کی بنا پر لوگوں نے میدان سیاست میں اپنی حصہ داری کو کم کردیا ہے اور یا اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے سے کترانے لگے ہیں، اس کے علاوہ مختلف علوم وفنون

---

۱. پل سوئزی وادوارد باتالوو، نقدی بر پارہ ای از نظریہ ہای رایج در سرمایہ داری غرب، مترجم فرہاد نعمانی ومنوچہر سناجیان، ص۱۹؛ حمید مولانا، ظہور وسقوط مدرن، ص۲۳۵، ۲۴۲۔

کی فراوانی، سماج کی دیکھ ریکھ میں رکاوٹوں کا باعث ہوا ہے اس لئے کہ منتخب لوگوں کا علم کے تمام شعبوں میں ماہر ہونا ناممکن ہے۔

ب: کچھ لوگ، دولت اور طاقت کے سہارے قانون گذاروں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کو حواس باختہ بنادیتے ہیں۔

ج: ہر قسم کے جغرافیائی، سیاسی اور سلامتی خطرات بڑھ گئے ہیں اور قانون گزاروں کا عوام سے فاصلہ بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے بآسانی ملاقات نہیں کر سکتے[1]۔

۹. انسان محوری

لیبرل جمہوریت کی بنیاد، انسان محوری ہے، یعنی انسان ایک عقلمند مخلوق کا نام ہے جو اپنے ہوش و خرد کی مدد سے فردی اور سماجی زندگی کو کسی غیبی مدد کے بغیر بہترین صورت میں چلا سکتا ہے، یعنی وہ اپنی زندگی میں خدا کی مدد کا محتاج نہیں ہے اور اس سے مدد لینے کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے، جس کی بنا پر وہ کسی دوسری طاقت سے مدد لئے بغیر قانون گزاری کے لئے سب سے بڑا حقدار ہے، تو معلوم ہوا کہ لیبرل جمہوریت میں خدا اور دینی مقولات جیسے وحی، قیامت اور دیگر دینی مفاہیم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کہ آج ہم شاہد ہیں کہ مغربی ممالک کا ایک طبقہ معتقد ہو چکا ہے کہ وہ گمراہی اور تاریکی سے نجات پانے کے لئے خدا کا محتاج ہے اور اس کے بغیر یہ امر غیر ممکن ہے، جنوبی امریکہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ دوبارہ خدا کو مغربی ممالک میں لانا ہوگا تاکہ وہ جس دلدل اور گمراہی میں گرفتار ہیں انہیں اس سے نجات دلا سکے۔ امریکا کے کچھ عیسائی گروہ یہ چاہتے ہیں کہ دین حکومتی امور میں مداخلت کرے لیکن یہ کوشش معنوی خلا کر پر کرنے کے لئے نہیں بلکہ پوی دنیا پر امریکا کا قبضہ دلانے کے لئے ہے[2]۔

۱۰. عدم مساوات

نظریہ پرداز اور سیاسی دانشور جان رالز کا ماننا ہے کہ لیبرل جمہوریت میں اقتصادی اور اجتماعی اعتبار سے عدم مساوات پائی جاتی ہے اور اسے ختم کرنا نہ اس کے لئے ممکن ہے اور نہ ہی اس کے لئے سود مند ہے، اس لئے کہ اس نظام کے حامیوں کا ماننا ہے کہ عدم مساوات، رقابت کا باعث ہے اور یہ چیز قدرت و طاقت اور ثروت اندوزی کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن اس کے ذریعہ فقر دور نہ ہوگا اور دولت لوگوں کے درمیان بطور

---

۱. علی اسدی، افکار عمومی و ارتباطات، ص ۱۳۱۔

۲. سی، بی مکفرسون، جہان واقعی دموکراسی، ترجمہ علی معنوی تہرانی، ص ۶۸۔

مساوی تقسیم نہ ہو گی۔ رالز یہ چاہتا ہے کہ عدم مساوات کو اچھے انداز میں کنٹرول کیا جائے تاکہ دولت و ثروت اور طاقت سماج کے فقیر ترین اور نادار ترین لوگوں کے درمیان عادلانہ طور پر تقسیم ہو۔ رالز کی بات سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ہرگز عدم مساوات کو ختم کرنے کا خواہاں نہیں ہے بلکہ وہ بہترین انداز میں اس عدم مساوات کو سماج کے فرد فرد کے درمیان تقسیم کرنے کا طرفدار ہے، دوسری طرف اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ ہر فرد کے لئے میسر نہیں ہے کہ وہ لیبرل جمہوریت میں سیاسی اور اجتماعی مناصب کے لئے زور آزمائی کر سکے[1]۔

۱۱. آزادی سے جنگ

حقیقی جمہوریت اور لیبرل جمہوریت کے درمیان فرق یہ ہے کہ حقیقی جمہوریت میں آزادی کا ایک دائرہ ہے، اس کے حدود ہیں لیکن لیبرل جمہوریت میں آزادی ہر قسم کے قید و بند سے رہائی کا نام ہے، اس طرح جمہوریت کو آزاد جمہوریت اور پابند جمہوریت میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ آزاد جمہوریت وہ حکومتیں ہوا کرتی ہیں جنہیں عوام اپنے ووٹ کے ذریعہ برسر کار لاتے ہیں اور لوگوں کے مطالبات کو پورا کرنا ان کا فرض ہوتا ہے۔ آزاد جمہوریت حقیقت میں وہی مغربی لیبرل جمہوریت ہے۔ اس جمہوریت میں آزادی سے مراد ہر قسم کے انسانی اور دینی قید و بند سے آزادی اور رہائی ہے۔ آزادی کا یہ مطلب حقیقی آزادی سے برسرپیکار ہے۔ پس انقلاب کے ناخداؤں کو لیبرلیزم کے جال میں پھنسنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی انقلاب اور عوام محور تبدیلیوں کو عوام فریبی سے جمع کئے گئے ووٹ کے ذریعہ مبادلہ کریں اور خون پسینے سے حاصل شدہ انقلاب کو نادان لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بننے دیں۔ اس باب میں مغربی دانشور، فرائیڈرچ نیچہ لیبرل جمہوریت کی مذکورہ باتوں کی وجہ سے شدت سے اس کی مخالفت کرتا تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس نظام میں آزادی، جمہوریت اور حقوق بشر کا استعمال ریا، جھوٹ اور مکاری پر موقوف ہے اور وہ آزادی کے نام پر جہاں عوام اور دنیا والوں کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں وہیں وہ لوگ اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں،، فوکویاما اور ہنٹنگٹن لیبرل جمہوریت میں موجودہ مشکلات کو بیان کرنے اور امریکن سماج میں اس کے برے اثرات کو قبول کرنے کے بعد معتقد ہیں کہ مغربی دنیا میں لیبرل جمہوریت کے اعتبار سے

---

۱. نقدی. برپاره ای از نظریه های رایج در سرمایه داری غریب، ص ۱۹۔

آزادی کا مفہوم، انسانوں کی ترقی اور تکامل کی راہ میں مددگار ہونے سے زیادہ ظلم و ستم اور جرم و جنایت میں اضافہ کا باعث ہے[۱]۔

۱۲. مفہومی بحران

لیبرل جمہوریت جن مشکلات سے دوچار ہے ان میں سے ایک مفہومی بحران بھی ہے، کچھ دہائیوں پہلے لیبرل جمہوریت ایک رویائی حکومت تصور کی جاتی تھی اور ہر ایک اس گمان میں تھا کہ بشری نظام ایک ایسی حکومت کی جانب گامزن ہے جس میں انسانوں کی تمام خواہشوں اور ضرورتوں کو پورا کیا جائے گا، لیکن آج اس تصور کے بالکل برخلاف مشاہدہ ہورہا ہے اور آج عملی طور پر لیبرل جمہوریت صرف اور صرف بعض ممالک میں قابل مشاہدہ ہے اور جن ممالک میں لیبرل جمہوریت کا دعویٰ کیا جارہا ہے وہاں بھی اگر واقعی طور پر دیکھا جائے تو وہ لیبرل جمہوریت نہیں بلکہ Aristocracy اور Oligarchy ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لیبرل جمہوریت کی شکل و صورت بدل چکی ہے۔ سماجیات کا مشہور فرانسیسی دانشور الن تورن Alain Touraine اپنی کتاب "جمہوریت کیا ہے؟" میں لکھتا ہے:

> "جمہوریت کا دعویٰ ہے کہ وہ مطالبات کے تنوع کو قبول کرتی ہے، ان کا پورا احترام کرتی ہے، اور سماج کے ہر فرد کو اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنی فردی زندگی کو جیسے چاہے گذارے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ فرانس کی جمہوریت اتنے بڑے بڑے دعوے کرنے کے باوجود اپنے اسکولوں اور کالجوں سے مسلمان لڑکیوں کو باہر نکالتی ہے، ان کے داخلے پر پابندی لگاتی ہے، ان کے حجاب پہننے پر پابندی عائد کرتی ہے اور ان کی تمام تر مخالفتوں اور مظاہروں کے باوجود ان کے مطالبات کو پورا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی اور انہیں اپنے مخصوص انداز میں زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ لیبرل جمہوریت جہاں بے شمار مشکلات کا شکار ہے وہیں اس میں نظریاتی، اخلاقی اور سیاسی بے شمار مشکلات بھی ہیں جن کے پیش نظر دانشوروں کی نظر میں یہ مشکلات اس کے خاتمہ اور نابودی کا باعث ہوں گے"

۱۳. آزادی اور برابری کے مابین تنازع

---

۱. فرانسیس فوکویاما، پایان نظم سرمایہ اجتماعی و حفظ آن، ترجمہ: غلام عباس توسلی، ص ۳۱، ۳۴؛ ساموئل، ہنٹنگٹن، تمدن ہا و بازسازی نظام جہانی، ترجمہ: مینو احمد سرتیب، ص ۲۴۳۔

آزادی اور برابری کے درمیان تنازع غیر قابل انکار عنصر ہے جو مغرب کے فلسفہ سیاسی اور لیبرل جمہوریت میں پایا جاتا ہے، یعنی اگر سماج کے سبھی لوگ برابر ہوں تو ان کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؛ اس لئے کہ برابری کا قیام لوگوں کی شخصی زندگی میں حکومت کی مداخلت کا باعث ہوگی جس سے ان کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر سماج کے سبھی لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان کی برابری کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، اس لئے کہ سماج کا ہر فرد اپنی آزادی سے فائدہ اٹھانے اور دولت جمع کرنے کی راہ میں دوسروں سے الگ تھلگ راہ و روش انتخاب کرتا ہے، پس ہر فرد کی دولت قطعاً دوسرے سے متفاوت ہوگی اور یہ تفاوت ان شرائط وحالات کا نتیجہ ہے جن میں وہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ شرائط وحالات کچھ اور نہیں بلکہ نابرابری اور عدم مساوات ہے، Friedrich Hayek, Robert Nozick اور Milton Friedman جیسے دانشوروں نے بھی آزادی اور برابری کے درمیان تضاد پر مہر تائید لگادی ہے لیکن ہم عصر دانشور Joseph Schumpeter جیسے دانشوروں نے اس لئے آزادی اور برابری کو جمہوریت کا حصہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ جمہوریت ابھی تک ان دونوں کے درمیان تضاد کو ختم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ البتہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت میں برابری کا تصور خیالی ہے، جمہوریت کا مطلب نہ تو انسانوں کے درمیان برابری ہے، اور نہ ہی دولت کے اعتبار سے مساوات ہے اور نہ ہی لوگوں کے لئے مواقع کی یکسان فراہمی ہے۔ سرمایہ داری، جمہوریت کی ہمزاد اور اس کے ہمراہ ہے، یعنی عدم مساوات۔

۱۴. مساوات کے دو رخ

لیبرل جمہوریت میں مساوات اور برابری کے دو رخ پائے جاتے ہیں، اس لئے کہ اقتصادی جمہوریت میں کسی قید و بند کے بغیر آزاد سرمایہ داری کا تصور ہوتا ہے اور کسی بھی قسم کے ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ثروت اندوزی کا کام جاری رہتا ہے جس کا نتیجہ سماج میں امیر و فقیر دو حصوں میں لوگوں کا تقسیم ہو جانا ہے جسے سماجی عدم مساوات کا بھی نام دیا جا سکتا ہے، البتہ اقتصادیات میں ابزار اور وسائل کے (استعمال کے) اعتبار سے بھی کوئی مساوات نہیں ہوتی اور یہاں برابری اپنے واقعی مفہوم سے بہت دور ہو جاتی ہے[1]، لیکن سیاسی جمہوریت میں سبھی آزاد ہوتے ہیں اور سبھی کے ووٹ یکساں ہوتے ہیں اگرچہ اس میں بھی یہ امکان پایا جاتا ہے کہ غلط پروپیگنڈے اور جھوٹ، فساد کے ذریعہ لوگوں کے ووٹ خرید لئے جائیں لیکن یہ مسلم ہے کہ اقتصادی جمہوریت میں عدم مساوات، سیاسی جمہوریت سے کہیں زیادہ ہے، شاید یہ بات بھی

---

۱. میلتون فریدمن، سرمایہ داری وآزادی، مترجم غلام رضا رشیدی، ص ۱۷، ۳۴۔

کہی جاسکتی ہے کہ سیاسی جمہوریت میں مساوات، آزادی پر قربان کر دی جاتی ہے اور اقتصادی جمہوریت میں آزادی کو مساوات، پر قربان کیا جاتا ہے۔

۱۵. اکثریت کے مظالم

لیبرل جمہوریت میں اکثریت کے قانون پر کچھ اعتراضات ہیں منجملہ یہ کہ اس نظام میں ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ سیاسی اور حکومتی معاملات میں شریک ہو، ایسی صورت میں ووٹنگ کا مطلب یہ ہوگا کہ فیصلہ لوگوں کی اکثریت کے ذریعہ ہوگا لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سماج میں رہنے والے ہر فرد کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں ووٹ دینے کی صلاحیت ہے اور اس میں تشخیص کی لیاقت پائی جاتی ہے ؟

مولف کتاب "مبادی فرانسہ معاصر" اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے :

> "اگر دس لاکھ نادان انسانوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو وہ ایک دانا اور عقلمند انسان کی برابری نہیں کر سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نادانوں کی خطاؤں یا ان کے ووٹ کو جمع کیا جائے تو اس سے حقیقت کا استخراج نہیں کیا جاسکتا، کیا یہ مانا جاسکتا ہے کہ زیادی آبادی والے سماج کے لوگ یا کسی سماج کے زیادہ آبادی والے گروہ کے لوگ زیادہ عقلمند ہیں ؟ کیا یہ سچ ہے کہ اکثریت ہمیشہ سچ بولتی ہے اور برے لوگ ہمیشہ اقلیت میں رہتے ہیں ؟"

آندرہ تایو اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے : قانون اکثریت کا نتیجہ، نالائق لوگوں کا حکومت کی کرسی پر بیٹھ جانا ہے، اس لئے کہ قانون اکثریت میں عام لوگوں اور ووٹ دینے والوں کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ جن مسائل میں وہ کافی معلومات نہیں رکھتے ان کے سلسلہ میں اظہار نظر کریں اور یہ قانون لوگوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ ملک کو چلانے میں جو قدم اٹھانا چاہیں اٹھا سکتے ہیں اور اکثریت کی رائے کو آخری فیصلہ قرار دیتے ہوئے اقلیت میں رہنے والوں کے حقوق اور سیاسی امور میں ان کی مداخلت کو کم سے کم کر دیا جاتا ہے، اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ لیبرل جمہوریت میں جس کے پاس پروپیگنڈے کے بہترین وسائل و ابزار ہوں وہ لوگوں کے ووٹ کو جمع کرنے میں اپنے رقیب سے زیادہ کامیاب ہے، اور چونکہ ایسے لوگ بیشتر اوقات غیر صالح ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ امکان پایا جاتا ہے کہ نااہل اور غلط قسم کے لوگ اہم مناصب پر قابض ہو جائیں۔

۱۶. دولت کی حاکمیت

لیبرل جمہوریت میں دولتمند اور ان کے منافع واقعی اور حقیقی حاکم ہوا کرتے ہیں۔ اس نظام میں اجتماعی عدالت اور کمزوروں کی ضرورتیں اصل نہیں ہوا کرتیں۔ دولتمند اور طاقت ور لوگ اس نظام میں اس لئے سر براہ بن بیٹھتے ہیں کہ ان کے پاس لوگوں کے ووٹ جمع کرنے اور ان کو بہکانے کے بے شمار ابزار اور وسائل ہوتے ہیں، اسی لئے مغربی سماج میں موجود عدم مساوات، بے عدالتی اور نا امنی سے کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ سرمایہ داری نے اس نظام میں سب سے زیادہ جس چیز کو اپنا اسیر بنایا ہے وہ رائے عامہ ہے۔ مغربی سرمایہ داری نے اپنی میڈیا اور پروپیگنڈوں کے تمام ابزار و وسائل کے ذریعہ اس طرح لوگوں کے اذہان کو تسخیر کرلیا ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں، لوگوں کے ووٹ کو اپنے حق میں کرلیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لیبرل جمہوریت میں سرمایہ داری نے اپنا جال بچھار کھا ہے اور الیکشن تو صرف اس لئے کرایا جاتا ہے تا کہ دنیا والوں کو بیوقوف بنایا جاسکے اور اس کے سایہ میں سرمایہ داروں کے منافع اور ناجائز خواہشات کو پورا کیا جاسکے۔ اس نظام پر سرمایہ داروں کا قبضہ، اس نظام کی تشکیل کے مقاصد کے خلاف ہے اس لئے کہ اسے لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، اس کا ہدف اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی زندگی روز بہ روز ترقی کرے اور ان کی معیشت بہتر ہو لیکن اس نظام میں عوام کی معیشت کی بہتری کے بجائے دولتمندوں کی معیشت اور ان کی آسائش و آرام کو مد نظر رکھا گیا۔ ایک دوسری عبارت میں یوں کہا جائے کہ اس نظام میں اقتصاد سے متعلق تمام ابزار اور وسائل پر دولتمندوں کا قبضہ ہے۔ اقتصادی معیشت سرمایہ اور بازار کے تقاضوں یعنی ضرورت اور پیشکش کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کے لئے دولتمندوں کی جانب سے بھرپور اقتصادی کارکردگی بھی ہوتی ہے۔

۱۷. اخلاقی انفرادیت

ایک جماعت کی تقدیر کے مقابلے میں ذمہ داری کا احساس، انسانیت کی شناخت کا اہم معیار اور انسان و حیوان کے درمیان فرق ہونے کی بہترین علامت ہے۔ لیبرل جمہوریت میں میدان سیاست کے ماسوا اجتماعی، اقتصادی اور ثقافتی شعبوں میں زندگی اور ایک دوسرے سے رابطہ کو بہت کمزور بنادیا گیا ہے، سماج میں رہنے والوں کے درمیان اجتماعی زندگی بسر کرنے کے احساس کو زندہ رکھنے کے بجائے انفرادی زندگی کو خوب ہوا دی ہے، ایسے سماج میں رہنے والا انسان اپنے ہی جیسے دیگر انسانوں سے اپنے درد و رنج کو تقسیم کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرتا ہے، مغربی سماج میں انسانی حقوق کا مسودہ، لیبرل جمہوریت کی بلندی کا سب سے اونچا نشان ہے، یہ مسودہ انفرادی حقوق کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور اس میں اجتماعی حقوق کا کوئی مقام نہیں ہے، اور عجیب بات تو یہ ہے کہ لیبرل جمہوریت میں اجتماعی منافع حاصل کرنے کے لئے تحزّب کا انعکاس

بہت ضعیف ہے جب کہ تحزب یعنی تعصب، عصبہ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع اور جماعت کے ہیں اور اصطلاح میں ایک ایسے وسیلہ کو کہتے ہیں جو فرد کو اس کے انسانی ہم جنس جماعتوں سے ملحق کرتا ہے، تاکہ ان کی جانبداری کرے اور ان کے حقوق کا خیال رکھے، اگرچہ ہر قسم کی جانبداری کا نتیجہ انسانیت نہیں ہے اسی طرح ہر قسم کی بے توجہی اور حمایت نہ کرنا انسانیت سے بے توجہی کا مطلب نہیں ہے۔

۱۸. نادرست اجتماعی روایتوں کی حفاظت

لیبرل جمہوریت میں بعض غلط اور نادرست اجتماعی روایتوں کی شدت سے حفاظت کی جاتی ہے، حقیقت میں لیبرل جمہوریت بنیاد پرست ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ مجبور ہیں کہ سماج کی موجودہ صورت حال کی حفاظت کریں یا تدریجی طور پر آہستہ آہستہ اس سے فاصلہ بڑھائیں، جس کی وجہ سے آج تک بے شمار روایتیں غلط ہونے کے باوجود مغربی سماج کا حصہ بن چکی ہیں، لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ لیبرل جمہوریت، اجتماعی تبدیلیوں کی راہ میں ممانعت ایجاد کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام میں تبدیلی اور موجودہ صورت حال کو بدلنے کی ترغیب نہیں دلائی جاتی جب کہ اگر ایسی غلط رسومات کو ختم کردیا جائے تو بہت سی اجتماعی اور فردی مشکلات کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اسی طرح لیبرل جمہوریت میں وہ تبدیلیاں جو اس کی ذات اور ماہیت سے متضاد ہے اسے وہ ہر گز قبول نہیں کرتی چونکہ اس صورت میں اسے مندرجہ ذیل اعتراضات کا سامنا کرنا پڑے گا:

الف: اگر لیبرل جمہوریت لوگوں پر قائم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ جس تبدیلی کو پسند کریں، اسے انجام دینا چاہئے خواہ اس سے نظام میں کمزوری پیدا ہو۔

ب: وہ نظام جو دنیا میں اپنی برتری کا دعویدار ہے، اس میں کوئی اشکال یا نقص نہیں ہونا چاہئے کہ لوگ ان اشکالات کی وجہ سے اس میں تبدیلی کے خواہاں ہوں اور اسی طرح اجتماعی مطالبات کی راہ میں ممانعت بھی ایجاد نہ ہوں۔

ج: جو چیز لیبرل جمہوریت کو اجتماعی بنیاد پرستی سے نزدیک کرتی ہے وہ لوگوں کی ووٹنگ میں پوشیدہ ہے۔

لیبرل جمہوریت کا نظام رائے عامہ سے وجود میں آتا ہے اور اسی بنیاد پر حکومت کے سربراہوں کو انتخاب کیا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عوام کسے منتخب کرتی ہے؟ عوام اس شخص کا انتخاب کرتے ہیں اور اسے ہی اپنا ووٹ دیتے ہیں جو ان کا محبوب اور من پسند ہو تو ایسا شخص جو لوگوں کی پسند و ناپسند کا خیال رکھتا ہو وہ ہر گز ان عادتوں اور نظام کو نہیں بدل سکتا جن کی عوام کو عادت سی ہوگئی ہے اور عوام اسے باقی رکھنا چاہتی ہے۔ ایسے انتخاب میں تعارض دکھائی دے رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے نظام میں عوام پرانے

سر براہ کی جگہ ایک نئے سر براہ کا انتخاب کرتے ہیں لیکن وہ ہر گز ان روایتوں اور عادتوں کو ترک نہیں کرتے جو ان کے لئے نقصاندہ اور زیانبار ہیں[۱]۔

۱۹. معنویت کا بحران

لیبرل جمہوریت میں اصلی اور حقیقی معیار، لوگوں کی رائے اور ان کا ووٹ ہے اور منتخب لوگوں کے لئے اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کے پسند کی رعایت کریں اور عمل میں وہی راہ و روش اپنائیں جو لوگوں کو اچھی لگتی ہیں اور صرف وہی کام کریں جو لوگوں کے مزاج کے موافق ہو، وگرنہ عوام بر سر کار سیاسی نظام کی ہر گز حمایت نہیں کریں گے اس لئے کہ لوگوں کو ہر گز پسند نہیں ہے کہ حکومت ان کی عادتوں اور ان روایتوں میں تبدیلی ایجاد کرے۔ اسی وجہ سے لیبرل جمہوریت میں بنیادی اعتبار سے تبدیلی نہیں ہو سکتی اور بنیادی تبدیلی سے متعلق بے رغبتی مادی امور سے کہیں زیادہ معنوی امور سے مربوط ہے، اس لئے کہ لیبرل جمہوریت میں مادی تبدیلی کو عوام اپنی خواہشوں کے مطابق گردانتے ہوئے قبول کر لیتی ہے لیکن معنوی تبدیلی مغربی سماج کے لئے ناقابل برداشت ہے[۲]۔

۲۰. حقیقی جمہوریت کے قیام کی شرطیں

اگر یہ مان لیا جائے کہ جمہوریت ہر قسم کے عیب و نقص سے مبرا اور پاک ہے تب بھی یہ نہیں مانا جا سکتا کہ یہ نظام تمام انسانوں کے حق میں مفید ہے اور ایک سماج کے ارتقائی مراحل کے لئے کارساز اور کارآمد ہے؛ اس لئے کہ کسی بھی سماج میں واقعی جمہوریت کو قائم کرنے سے پہلے لازم ہے کہ اس کے ضروری مقدمات فراہم کئے جائیں اس کے بعد واقعی جمہوریت کے قیام کا خواب دیکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ موانع اور رکاوٹیں جو واقعی جمہوریت کے قیام کی راہ میں آسکتی ہیں وہ کسی واقعی اور لائق رہبر کے ہاتھوں ختم کی جائیں نہ ان رہبروں کے ذریعہ جو فاقد صلاحیت ہوتے ہیں اور عوام انہیں اپنی رائے سے انتخاب کرتی ہے۔ ایک سماج میں نو ظہور جمہوریت کے لئے عوام کی جہالت اس کی واقعی اور حقیقی قیام کی راہ میں بہت بڑی مانع ہے اور اگر اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں نکالا جاتا تو پھر دنیا کی اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی طاقتیں جو جمہوریت کے دعویدار ہیں وہ اس جمہوریت کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا لیتی ہیں۔ واقعی جمہوریت صرف انہیں سماج کے لئے مفید ہے جن میں اس کے قیام کے مقدمات فراہم ہوں۔

---

۱. حسین بشیریہ، لیبرالیسم و محافظہ کاری، ص ۲۸۲۔

۲. رابرت، اچ، یورک، لیبرالیسم مدرن افول امریکہ در سراشیبی بہ سوی گومورا، ترجمہ: الہہ ہاشمی حائری و حسین غفاری، ص ۶۸۳۔

جس سماج میں سیاسی اور ثقافتی مقدمات کے مہیا ہونے سے پہلے جمہوریت کا قیام عمل میں لایا جائے وہ ہر گز نجات اور سعادت کا باعث نہیں ہو سکتا[۱]۔

ابھی تک ہم نے لیبرل جمہوریت کے نقائص اور عیوب کو نظریاتی اعتبار سے پیش کیا ہے اور جو کچھ ہم نے ابھی تک بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے عیوب بس اتنے ہی ہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ جس چیز نے لیبرل جمہوریت کی مشکلات کو آشکار اور اس کا پردہ فاش کیا ہے وہ میدان عمل میں اس کا کارآمد نہ ہونا ہے، اس دعوے کی دلیلیں بے شمار ہیں اور اگر کوئی ان سے مطلع ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ مانوئل کی کتاب ''عصر اطلاعات و ظہور جامعہ شبکہ ای'' کا مطالعہ کرے۔

موجودہ مغربی لیبرل جمہوریت کی میدان عمل میں ناکامی کو جس چیز نے ہوا دی ہے، وہ حقیقت میں لیبرل جمہوریت کا اجتماعی مشکلات کو برطرف کرنے کے لئے انسان کو معیار بنانا ہے۔ لیبرل جمہوریت جن مشکلات کا شکار ہے اس سے خلاصی صرف اور صرف خدا کے ذریعہ ممکن ہے۔ خدا ہی اس اجتماعی مشکلات کو حل کرنے کا واحد ذریعہ ہے، اس لئے کہ اس کائنات کو خدا نے، اس کی تمام مخلوقات کے ساتھ خلق فرمایا ہے، ہر چیز اس کی مخلوق ہے، لہٰذا وہ اس دنیا کے امور اور اس کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے سب سے زیادہ دانا و توانا ہے، لہٰذا انسان کو قانون بنانے کا حق نہیں ہے مگر یہ کہ خدا کی جانب سے اسے اجازت حاصل ہو، کیونکہ انسانوں کے ہاتھوں تدوین ہونے والے قوانین، سعادت کے بدلے اس کے نصیب میں بدبختی و شقاوت لائیں گے، انسانوں کی سعادت اور اس کے ارتقا کی ضمانت لینے والا نظام صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں اس کی فطرت اور اس کی خلقت کا لحاظ کیا گیا ہو۔ اور یہ مسلم ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی انسان کو اچھی طرح نہیں پہچانتا، پس یہ صرف اس کا حق ہے کہ وہ انسانوں کو جینے کا درس دے۔ اس دعوے کی دلیل جہاں دینی تعلیمات ہیں وہیں مغربی سماج کے انسانوں کے تجارب بھی ہیں، اس لئے کہ ان کے تجربے کے مطابق انسانوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی زندگی کا ایسا جامع دستور العمل تیار کر سکیں جو ان کی دنیوی اور اخروی زندگی کو سعادتمند بنا سکے اس لئے کہ انسان کی پہچان کے ذرائع، حس، تجربہ اور عقل محدود اور نسبی ذرائع ہیں جن میں خطا کا امکان بہت زیادہ پایا جاتا ہے بلکہ ان میں انسانوں کی جامع شناخت کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ ہی ان میں اسرار عالم کی خبر گیری اور غیب و آخرت کی باتوں کو پتہ لگانے کی صلاحیت ہے۔

۱۔ ژان ماری گنو، پایان دموکراسی، مترجم عبدالحسین نیک گہر، ص ۱۳۱۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی زندگی کے لئے تنہا دینی نظام کارآمد ہے جس کی باگ ڈور خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اس عالم کے اسرار سے واقف ہے اور صرف اسی میں اتنی طاقت ہے جو انسانوں کے لئے ایک ایسا مسودہ تیار کرے جو اس کی فطرت کے موافق ہو اور انبیاء وائمہ علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو عملی زندگی کا نمونہ پیش کرسکے تاکہ وہ اپنے کمال کی منزلوں کو طے کرسکیں اور نہایت میں سعادتمند ہوسکیں۔

امام خمینیؒ

اسلامی انقلاب نے دنیا میں دین کو معیار قرار دیتے ہوئے ایک نئے نظام کی بنیاد قائم کی۔ اس ہدف کو پورا کرنے کے لئے اسلامی انقلاب نے دو بنیادی راستے انتخاب کئے: پہلا قلیل مدتی منصوبہ اور وہ یہ کہ موجودہ دنیا میں قائم مغربی نظام سے اسلامی انقلاب کیونکر اور کیسے مقابلہ کرے؟ اس سلسلہ میں اس کی پوری کوشش یہ ہے کہ وہ تمام اقدامات جسے قطب واحد کے محور پر قائم حکومتوں کے ماننے والے، اقوام متحدہ کے پرچم تلے انجام دیتے ہیں، مستقبل میں ایک جدید نظام قائم کرنے کے لئے ان کو روکا جائے اور نئے نظام کی بنیادوں کو مستحکم کیا جائے۔ دوسرا طویل مدتی منصوبہ اور وہ یہ کہ اسلامی انقلاب نے مغربی گلوبلائزیشن سے مقابلہ کے لئے دراز مدت پروگرام کی تیاری کی ہے جس میں ایک دینی اور اسلامی نظام کو محور قرار دیا گیا ہے[1]۔

مذکورہ دونوں راستے اس وقت اسلامی جمہوریہ ایران میں پوری طرح سے متجلی ہیں بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایک مطلوب اسلامی نظام کے قیام کا مقدمہ ہے جسے مستضعفین کا نظام کہا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اس کی بعض خصوصیات مطلوب اسلامی نظام سے قدرے متفاوت ہے اور دوسری طرف اس سے کافی شباہت بھی رکھتا ہے، اور جو فرق قابل مشاہدہ ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں امام معصوم علیہ السلام ظاہری طور پر موجود نہیں ہے اور موجودہ نظام، شدت سے عالمی نظام حکومت سے برسرپیکار ہے۔ بہرحال اس نظام کی ان خصوصیات کا مطالعہ کرنا بہت اچھا ہوگا جن کی بنیاد پر مستقبل میں امام معصوم علیہ السلام کی قیادت میں مستضعفین کی حکومت قائم کی جائے گی:

۱. دین اور سیاست کے درمیان رابطہ

۱. رحیم کارگر، آیندہ جہان، ص۱۰۰- ۱۰۷۔

اس وقت عالمی سیاست کے میدان میں اسلامی تحریکوں اور نظریوں کا بول بالا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ دین اور سیاست کا ایک دوسرے سے بہت قریبی رشتہ ہے۔ یہ عقیدہ اسلامی انقلاب کی پیداوار اور عالمی پیمانہ پر دین و سیاست کے ادغام کا نتیجہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی ایام میں امام خمینیؒ نے اسلامی انقلاب کی آفاقیت کو دین و سیاست کے قریبی رشتہ کا مظہر بتایا۔

دینی تعلیمات کی روشنی میں آپؒ کا عقیدہ تھا کہ مستضعفوں کے مستحکم ارادے مستقبل میں پوری دنیا کی قیادت کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے اور آپ نے دنیا والوں کو بشارت دی کہ خدا کا یہ وعدہ عنقریب محقق ہوگا اور محروم و مستضعف لوگوں کو دولتمندوں اور ثروتمندوں کا مقام ملے گا۔ دین و سیاست ہمیشہ ساتھ ساتھ ہیں اور اس امر کو اسلامی انقلاب کے افکار کی روشنی میں سمجھنا کوئی دشوار نہیں ہے اس لئے کہ قومی اور سیاسی موانع اور مختلف قومیتوں کے مسئلہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے، امت اسلامیہ کی تشکیل اسلامی انقلاب کا ایک اہم نعرہ ہے۔ اسلامی انقلاب قرآن اور اسلامی احکام کی پیروی پر تاکید کرتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انقلاب عالمی پیمانہ پر اسلامی اصول اور قوانین کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہی تحریک اور بیداری ہے جسے بعض مغربی دانشور جیسے ہنیز نے ۱۹۹۳ء میں ''مذہب اسلام کی عالمی تجدید حیات'' کا نام دیا[۱]۔

اسلامی انقلاب کے بعد مذہب اور اسلامی سیاست کے درمیان قریبی رشتہ پیدا ہوا جس کی بنا پر امریکا نے اسلام کو عالمی تباہی کا اصلی سبب بتایا اور اس میدان میں سرگرم مسلمان دانشوروں اور علماء کو اسلام اور مغربی نظام کی جنگ کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسی طرح سابق سوویت یونین بھی اسلامی انقلاب سے متاثر انقلابی اسلام سے روس کو درپیش خطرات سے خوفزدہ تھا، یہاں تک کہ ایک امریکی جائزہ نگار نے اس بیداری کو عالمی انقاضہ کا نام دیا۔ بہ طور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سیاسی اسلام کا نظریہ معرض وجود میں آیا جس سے تمام مشرقی و مغربی ممالک خوفزدہ ہوگئے اور انہوں نے اسلامی سیاسی تحریکوں کے دشمنوں کی ہر ممکنہ حمایت کی[۲]۔

ایک دوسرا مغربی دانشور ۱۹۹۳ء میں سیاسی اسلام سے مغرب کی گہری دشمنی کا اصلی ذمہ دار اسلامی انقلاب کو ٹھہراتے ہوئے کہتا ہے:

---

۱. یحییٰ فوزی، اندیشہ سیاسی امام خمینیؒ، مبحث دین و سیاست ۔

۲. ری کیلی و فیل مارفلیت، جہانی شدن و جہان سوم، مترجم حسن نورائی بیدخت و محمد علی شیخ علیان، ص۲۶۵، ۲۸۲۔

''اسلامی ممالک جو قدیم الایام سے مغرب کو اپنا رقیب سمجھتے ہیں، امریکی عالمی نظام کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں جس کی بنیاد دین اور سیاست کی جدائی پر قائم ہے، حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم کی نابودی کے بعد مغرب میں اسلام خواہی کے مسئلہ پر توجہ مرکوز کرنا بظاہر اس مغربی دانشور لارونس کا جواب ہے جس نے ۱۹۹۰ء میں انقلاب ایران کو امام خمینیؒ کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے، ایرانی اسلام خواہی کی عالمی مقبولیت کو دشوار قرار دیا تھا۔آج کے دور میں دین اور سیاست کے قریبی رشتہ کو سبھی مذاہب وفرق نے مان لیا ہے اور یہ بات لوگوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔مثال کے طور پر جنوبی امریکا میں الہیات تحریک اور عالم اسلام میں حماس اور حزب اللہ جیسی تحریکیں[۱]۔

۲. دین خواہی کی ترویج و تبلیغ

اسلامی انقلاب نے جہاں دین و سیاست کو متحد کرنے کی کوشش کی وہیں انسانی سماج کی سب سے بڑی ضرورت یعنی دین خواہی اور دین داری کی بھرپور تبلیغ کی اور اس میدان میں تاثیر گذار اقدامات انجام دیئے، جب بیسویں صدی میں مغربی عیسائیت کی دنیا سے جنم لینے والے سیکولر آئیڈیالوجی نے کمیونزم اور فاشیزم کو جنم دیا تو فاشیزم کی (۱۹۴۵ء میں) شکست اور کمیونزم کی (۱۹۹۱ء میں) تباہی کے بعد لیبرل جمہوریت میدان سیاست کی تنہا شہسوار بے رقیب ہوچکی تھی لیکن جب اسلامی انقلاب وجود میں آیا تو اس نے لیبرل جمہوریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یہ انقلاب اس کے لئے بہت بڑا چیلنج بن گیا، اس لئے کہ اس نے ان تمام لیبرل دانشوروں کے نظریات پر خط بطلان کھینچ دیا جو یہ کہہ رہے تھے کہ انسانی سماج ماڈرن ہونے کے بعد بے دین ہوجائے گا اور دین رفتہ رفتہ اپنی سیاسی اور اجتماعی پوزیشن کھو بیٹھے گا، یا یوں کہا جائے کہ ایک زمانے تک یہ فکر عام تھی کہ دنیا کی قومیں ماڈرن ہوتے ہوئے خود بخود سیکولر ہوجائیں گی لیکن اسلامی انقلاب نے دنیا والوں کے سامنے ایک مختلف نظریہ پیش کیا اور وہ یہ کہ جو سماج دین کی طرف مائل ہوتا ہے وہ ماڈرن ہونے کے بعد سیکولر نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ترقی یافتہ اور ترقی کی راہ پر گامزن ممالک میں لوگوں کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ وہ دینی تحریکوں میں حصہ لے کر اپنے مادی اور معنوی منافع کو بہتر انداز میں حاصل کرسکتے ہیں۔

---

۱. ایضاً۔

جنگ سرد کے خاتمہ کے بعد ٹلگرام، ٹیلیفون، انٹرنٹ، فیکس اور ایمیل جیسی سہولیات کی وجہ سے دینی اور غیر دینی معاشروں اور سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے آپسی تعلقات اور تعاون بڑھنے لگے اور اس کے نتیجہ میں اسلامی انقلاب کے دینی اقدار عام ہونے لگے۔

بہر حال اس وقت دین پوری دنیا میں ایک مؤثر اور تسلیم شدہ طاقت کے عنوان سے پہچانا جاتا ہے، اس کی سب سے اہم اور روشن مثال کو دینی بنیاد پرستی کی شکل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ دینی بنیاد پرستی ایک قسم کی حکمت عملی کا نام ہے جس میں کوشش کی جاتی ہے کہ دینداروں کی شناخت کی ان لوگوں کے مقابلے میں حفاظت کی جائے جو انہیں بے دین بنادینا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات اس کی دفاعی حالت، بدل بھی جایا کرتی ہے اور سیاسی حملے کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ البتہ یہاں دوبارہ اس نکتہ پر زور دینا ضروری ہے کہ عالمی سیاست میں ایک اصل کے عنوان سے دین کی حیات نو یا دینی بنیاد پرستی کا احیاء کمیونزم کی تباہی سے زیادہ اسلامی انقلاب کی کامیابی سے مربوط ہے، اسی وجہ سے ۱۹۹۰ء میں خلیج فارس کی جنگ اور ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ، حقیقت میں اسلامی انقلاب سے متاثر دینی بنیاد پرستی یا دین خواہی پر مبنی تحریکوں کو کچلنے کے لئے انجام دیا گیا تھا[1]۔

۳. عوام کی دیکھ بھال

ایران کے اسلامی انقلاب کی سب سے بڑی خاصیت اور امتیاز اس کا عوامی ہونا ہے، اس نے دنیا کی مختلف تحریکوں اور سیاسی پارٹیوں میں اپنا مقام بنالیا ہے اور دنیا میں مستضعفین کی حکومت میں عوام کی کارکردگی کو بہترین انداز میں پیش کردیا ہے، اگر لفظوں کو بدل کر کہوں تو یہ کہنا بہتر ہوگا کہ مختلف تحریکوں اور سیاسی پارٹیوں نیز عوام کو یہ یقین ہوگیا ہے کہ اسلام میں عوام کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی طاقت ہے، جس کی بناپر وہ تعلیم یافتہ لوگوں پر بھروسہ کرنے سے زیادہ عوام پر بھروسہ کرنے لگے ہیں، اورانہوں نے عوام سے اپنے روابط مضبوط اور وسیع کردیئے ہیں، سوڈان کے تحریک اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر حسن ترابی کے بقول ایران کا اسلامی انقلاب، عوامی فکر و نظر اور عوامی طاقت کو اسلامی دعوت کی راہ میں استعمال کا نتیجہ ہے، عوامی سرگرمی اور کارکردگی نے اسلامی تحریکوں کو قوم و مذہب کے نام پر یکجہتی کی جانب گامزن کردیا، یہ وہ عنصر

---

۱. ژیل کیل، ارادہ خداوند، یہودیا، مسیحیان و مسلمانان درراہ تسخیر دوبارہ جہان، مترجم عباس آگاہی، ص ۳۰۔

تھا جس نے اسلامی اور سیاسی تحریکوں کو اختلاف، تفرقہ اور لڑائی جھگڑے سے قدرے دور کر دیا اور انہیں ایک منظّم، مضبوط، امکانات سے بھرپور، پائدار اور وسیع پیمانہ پر حمایتوں اور صلاحیتوں کا اہل بنادیا ہے[۱]۔

عوام کی جانب سے سیاسی تحریکوں کو اہمیت دینا اور ان کی طرف رغبت رکھنا جابجا قابل دید ہے بطور مثال ۱۳۵۹ء میں فوجی بغاوت سے پہلے ہی ترکی کے مسلمان عوام سڑکوں پر اتر آئے اور انہوں نے ایک ساتھ مل کر، استقلال، آزادی اور اسلامی جمہوریہ کا نعرہ لگایا، فلسطین کی جہاد اسلامی تنظیم نے وہی نعرے اپنے عوام کو سکھائے جو نعرے اس وقت ایرانی عوام لگا رہے تھے، انہوں نے سڑکوں پر بلند آواز میں نعرے لگائے: ''لا الہ الا اللہ''، ''اللہ اکبر''، ''فتح اسلام کی ہے''، انہوں نے الحادی اور قوم پرستی پر مبنی تمام نعروں کو بھلا دیا اور اسلامی انقلاب کے نعرے لگانے لگے۔ ۱۳۶۹ء سے ۱۳۷۹ء تک جنوبی افریقہ میں ''اللہ اکبر'' کے نعرے بہت سنائی دیتے تھے، اور رہبر انقلاب کا یہ بیان صادق ہے کہ الجیریا کے لوگوں نے گھر کی چھتوں سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگانا ایران کے انقلابی عوام سے سیکھا[۲]۔

اسلامی انقلاب نے دنیا کو یہ درس دیا کہ سیاسی نظام کا جواز عوام کی مرضی اور ان کے ووٹ سے حاصل ہوتا ہے اسی بنیاد پر اسلامی جمہوریہ کے نفاذ کو لوگوں کی مرضی اور ان کے ووٹ سے طے کیا گیا۔ ایک نظام کو نافذ کرنے کے لئے عوام کی مرضی کو لینا نہ تنہا ایک شجاعانہ اور حیرت انگیز اقدام تھا بلکہ مغربی جمہوریت سے کہیں بالاتر فکر تھی، اس فکر کے بے بدیل ہونے کی بنا پر اسے لیبرل جمہوریت سے خستہ عوام کے لئے بہترین متبادل قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسے نظام اور انقلاب میں عوام، دانشوروں کو انتخاب کرتے ہیں تاکہ ان کی نظارت میں عوام کے حق میں قوانین بنائے جائیں، اور جب قوانین کا مسودہ تیار ہو جائے تو اسے عوام کے سامنے پیش کیا جائے، ایران میں جنگ کا سایہ منڈلانے کے باوجود حضرت امام راحلؒ نے ایران کے سب سے پہلے صدر جمہوریہ کی تحریک عدم اعتماد کے لئے ہر گز کسی کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ جنگی حالات کے پیش نظر اسے نظر انداز کرے۔ اور یہ بھی کسی کو اجازت نہیں دی کہ الیکشن کا پیسہ جنگ کی ضرورت کے پیش نظر جنگی امور میں خرچ کر دیا جائے اور مسلسل یہ تاکید کرتے رہے کہ پارلیمنٹ کے اعضا کا چناؤ، مجلس خبرگان اور صدارتی انتخابات میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ کی جائے[۳]۔

---

۱. حسین کرہرودی، انتفاضہ فلسطین، مولود اصول گرایی اسلامی معاصر، فصلنامہ علوم سیاسی، ش ۱۴، تابستان، ۱۳۸۰، ص۱۹۹، ۲۱۰۔

۲. محمد حسین جمشیدی، ارتباط متقابل انقلاب اسلامی ایران و جنبش شیعیان عراق، مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی و ریشہ ہای آن، ج ۲، ص ۳۹۱، ۳۹۴۔

۳. کوثر، ج ۱، ص ۳۱۶، و ۱۳۸۳، ج ۲، ص ۳۱۲۔

۴. اسلامی حجاب

اسلامی حجاب، معنویت سے خالی دنیا کے لئے ایک انمول تحفہ تھا جسے اسلامی انقلاب نے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا، اور ہمیں یقین ہے کہ جب دنیا میں مستضعفین کی حکومت قائم ہو گی تو وہ اسلامی حجاب کے عملی نمونے پیش کرے گی، لیکن اس سے قبل اس اسلامی انقلاب کا یہ قدم دو اہم اثرات کا حامل ہے :

الف: دنیا والوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ ایک مسلمان عورت صرف گھریلو کاموں کے لئے نہیں ہوتی ہے۔

محترمہ ڈانیل کشار اس سلسلہ میں کہتی ہیں : ''بڑے افسوس کا مقام ہے کہ غیر ایرانی سماج، ایران میں عورتوں کے سلسلہ میں منفی نظریات کا حامل ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ ان کی سر گرمیاں بہت محدود ہیں، صرف گھروں میں رہتی ہیں اور گھر کی دیکھ ریکھ کرتی ہیں''[1]۔

ب: اس دور میں مسلمان خواتین کے سلسلہ میں نظریات قدرے بدل چکے ہیں، نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق : جاپان کی دار الحکومت پکن میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں خواتین کے اسلامی حقوق کی بازیابی پر مبنی تحریک کی پیشکش ایک عجیب اتفاق ہے۔ اس لئے کہ عالم اسلام سے مدعو ہونے والے مقررین، خواتین کے نام اہم پیغامات لائے تھے۔انہیں لوگوں کے درمیان ایک ایرانی باحجاب خاتون تھیں اور یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ایسی کانفرنسوں میں مسلمان خواتین کی شرکت بہت موثر رہی ہے۔اسی طرح امریکی مسلمان خاتون ہانیہ ترکیان نے دنیاوالوں کے سامنے ''مسلمان عورت'' کے موضوع پر ایک ایرانی باحجاب خاتون کی تقریر کو بہت سراہا ہے، جیسا کہ احمد ہوبر کہتے ہیں : اس وقت ایران میں خواتین کو جو آزادی ملی ہے، اس نے پوری دنیا والوں کو متاثر کیا ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اسلامی حجاب کا جو نمونہ ایران نے پیش کیا اس سے اسلامی دنیا زیادہ متاثر نظر آتی ہے، جیسا کہ لیز مارکوس معترف ہے کہ جب سے ایرانی میڈیا نے باحجاب خواتین کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے، انڈونیشیا میں خواتین کا رجحان، باحجاب رہنے کے لئے بہت زیادہ ہو گیا ہے بلکہ انڈونیشیا میں ایرانی حجاب پسندیدہ ہے اور نئی نسل کے لئے فیشن کی شکل اختیار کر چکا ہے اور علمی مراکز اور کالجوں میں اس کی حمایت کرنے والے بڑھتے جا رہے ہیں۔اسی طرح ترک خواتین بھی ایرانی حجاب کو پسند کرتی ہیں۔ اسی طرح بعض خلیجی ممالک میں مسلمان خواتین میں ایرانی حجاب مخصوصا اسکارف پسند کیا جانے لگا ہے۔اردن کے کالجوں اور یونیورسٹی میں باحجاب لڑکیوں کی تعداد بڑھ چکی ہے اور لیبیا میں بھی

---

۱. معصومہ عسکری، انقلاب اسلامی وارائہ الگوی مطلوب از زن مسلمان، ویژہ نامہ ماہ نامہ پیام زن، دفتر سوم، فروردین ۱۳۸۴، ص ۹۶۔

حجاب کی طرف رجحان بہت زیادہ ہوگیا ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایرانی حجاب دنیا کی تمام خواتین مخصوصاً مسلمان خواتین کے لئے نمونہ بن چکا ہے[1]۔

اسلامی جمہوریہ ایران کی خواتین کا پردہ مختلف شکل و صورت میں دنیا کے گوشہ و کنار میں مختلف ذرائع کے سہارے نہ صرف یہ کہ عام ہو چکا ہے، بلکہ لوگوں کی زندگی کا حصہ بنتا جارہا ہے اور ان ذرائع میں سے ایک فیلم ہے جس کے ذریعہ اس حجاب کو دنیا میں عام کیا گیا ہے، اگر حجاب کے عام ہونے کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

الف: اسلامی حجاب، حقیقت میں خواتین کی فردی اور مذہبی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔

ب: حجاب کو اہمیت دینا، بے لگام تحریک نسواں کو روکنا ہے۔

ج: اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔

۵. الٰہی حکومت کی طرف رجحان

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران میں جو اسلامی نظام قائم ہوا وہ دنیا کے تمام آزادی خواہ مسلمانوں کے لئے ایک منفرد نمونہ بن گیا، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران کی شکل میں دوسرے ملکوں میں ایک اسلامی نظام کا قیام دنیا میں مستضعفین کی عالمی حکومت کے لئے مقدمات کو بہترین انداز میں فراہم کر سکتا ہے، مجلس اعلائے انقلاب اسلامی عراق کے ایک سربراہ اپنی تقریر میں کہتے ہیں:

"جب ایران میں اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا تو اس وقت ہم لوگ کہتے تھے اسلام کامیاب ہوا ہے اور عراق میں بھی انشاء اللہ کامیاب ہوگا، لہٰذا ہمیں اس انقلاب سے درس لینا چاہئے اور اسے اپنے لئے سرمشق قرار دینا چاہئے"[2]۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے: اسلامی انقلاب نے تمام مسلمانوں کے وجود میں انقلابی روح پھونک دی اور انہیں زمین پر خلافت الٰہیہ کے قیام کے لئے آگے بڑھا دیا اسی لئے آج دنیا کی تمام انقلابی اور اسلامی تحریکوں کے دستور العمل میں یہ بات نظر آتی ہے۔

مسلمان سیاسی قائدین کا اسلامی حکومتوں کے قیام کا خواہاں ہونا اس وقت مختلف شکل و صورت میں جابجا دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض اسلامی تحریکوں (الیسار الاسلامی مصر) نے امام خمینیؒ کی کتاب "حکومت

---

۱. محبوبہ پلنگی، زنان ایرانی از نگاہ زنان غیر ایرانی، گذری کوتاہ، ویژہ نامہ ماہ نامہ، پیام زن، دفتر سوم، فروردین ۱۳۸۴، ص۱۸۶، ۱۹۱۔

۲. ارتباط متقابل انقلاب اسلامی ایران و جنبش شیعیان عراق، ص۳۹۱، ۳۹۴۔

اسلامی" کے ترجمے کے ذریعہ اسلامی جمہوریہ ایران کو عالمی نظام کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے پیش کیا ہے، اسی طرح الجزیرہ کی اسلامی تحریک نجات اسلامی نے اسے منفرد راہ حل کے عنوان سے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے، عراق اور ایران کے مابین جنگ کی شروعات سے پہلے آیۃاللہ شہید صدرؒ نے اسلامی جمہوریہ ایران کی طرح ولایت فقیہ کی بنیاد پر عراق میں ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کی بہت کوشش کی[1]۔ کی[1]۔

بعض دیگر اسلامی تحریکیں ولایت فقیہ کے معیار کو قبول کرنے کے بعد عالم اسلام کے رہبر حضرت آیۃاللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی اتباع کرتی ہیں۔اس قسم کی تحریکیں دو طرح کی ہیں: ایک وہ تحریک جو رہبر معظم کی اتباع عقیدت اور مذہبی جذبہ کی بنا پر کرتی ہے جیسے کہ لبنان کی "تحریک امل" اور دوسری وہ تحریک ہے جو مذہبی اور سیاسی دونوں اعتبار سے رہبر کی پیروکار ہے جیسے لبنان کی "تحریک حزب اللہ"[2]۔

ایسی تمام اسلامی تحریکیں ایک اسلامی نظام کے قیام کے لئے مختلف طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں جن میں سے بعض ایسی تحریکیں ہیں جنھوں نے مسلحانہ اقدامات انجام دئے جن میں سے ایک حزب اللہ حجاز ہے یا بحرین کی تحریک آزادی ہے جنہوں نے حکومت وقت کا تختہ الٹنے کے لئے سخت رویہ اپنایا، لیکن بعض ایسی تحریکیں ہیں جو موجودہ دور میں مسلحانہ اور سخت رویہ اپنانے کو مناسب نہیں سمجھتیں بلکہ پر امن طریقے سے مسائل ومشکلات کا حل نکالنا چاہتی ہیں۔ مثال کے طور پر پارلیمنٹ کے الیکشن کے ذریعہ حکومت وقت کو بدل دینا چاہتی ہیں جیسے ترکی کی تحریک رفاہ، اسی طرح کچھ تحریکیں مذکورہ دونوں طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں جیسے کہ لبنان کی تحریک حزب اللہ جو اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جہاں اسرائیل کے مدمقابل ہے وہیں الیکشن کے ذریعہ، حکومت وقت کو اپنے اعتماد میں لئے ہوئے ہے[3]۔

۶. آئین میں تبدیلی

اسلامی انقلاب نے اپنے قیام کے بعد دنیا میں رائج بیشتر اقدار اور روایتوں میں تبدیلی کی اور ان کی جگہ پر نئے اقدار قائم کئے جسے ہم یہاں پر بیان کریں گے:

---

۱. حمید احمدی، انقلاب اسلامی و جنبش ھای اسلامی در خاور میانہ، مجموعہ مقالات پیرامون جہان سوم، ص۱۱۷، ۱۵۶۔

۲. دست آوردہای عظیم انقلاب شکوہ مند اسلامی در گسترہ جہان، ص ۳، ۴۷۔

۳. دست آوردہای عظیم انقلاب شکوہ مند اسلامی در گسترہ جہان، ص ۳، ۴۷۔

الف: عام طور پر مانا جاتا ہے کہ روایتی معاشرے کو ماڈرن معاشرہ بنانے کے لئے ترقی کے عالمی نمونوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور وہ بھی ایسے نمونے جو مغربی دنیا سے متاثر ہوں۔ یعنی غیر مغربی دنیا کو ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لئے یوروپ اور امریکا کے نقش قدم پر چلنا ہوگا، یعنی اس نظریہ کے مطابق سماجی ارتقا دنیاپرستی سے وابستہ ہے، لیکن اسلامی انقلاب نے مغربی ترقی کے اصول اور مبانی پر اعتراض جتاتے ہوئے سوال اٹھایا اور اپنا موقف بھی واضح کیا کہ دنیا کو چلانے کے لئے دین بہترین اور بنیادی اصول کا حامل ہے اور دنیاپرستی کا شدت سے مخالف بھی ہے، اس طرح اسلامی انقلاب نے دنیا میں ترقی کے اصول و مبانی کو بدل ڈالا اور یہ بات واضح کر دی کہ سماجی ترقی کے لئے بشر کو مغربی اصول اپنانے کی ضرورت نہیں ہے[1]۔

ب: اسلامی انقلاب ایک ایسے دور میں رونما ہوا جب اس صدی کے آخری پچیس سالوں میں مابعد جدیدیت ایک نئے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ اسی بناپر بے شمار مغربی دانشوروں کی رائے کے مطابق اسلامی انقلاب حقیقت میں مابعد جدیدیت ہے اور اسے جدیدیت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسی خاصہ کی بناپر میشل فوکو، ڈریڈا اور اڈوارڈ سعید نے اسے اپنی توجہات کا مرکز بنایا، فوکو ایک ایسا دانشور ہے جس نے اسلامی انقلاب کے سلسلہ میں جدید نظریات قائم کئے اور اپنے بیانات اور مقالات کے ذریعہ اسلامی انقلاب ایران اور ایرانی عوام کی بھرپور حمایت کی اگرچہ اس اقدام کی بناپر اسے خود اپنے نزدیکی دانشوروں سے طعن و تشنیع سننے پڑے۔ اس کی نظر میں اسلامی انقلاب ایران سیاسی معنوی ہے جب کہ مغربی سرزمین پر معنویت صدیوں سے عنقا ہو چکی تھی، اس طرح اسلامی انقلاب نے اپنے اصول کے ذریعہ معنویت سے خالی زندگی اور ترقی کی نفی کر دی اور دنیاوالوں کے سامنے نت نئے اقدار رکھے جس میں مادی اور معنوی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے[2]۔

ج: اسلامی انقلاب ایران کے قیام سے پہلے تمام انقلابی نظریہ پرداز سماجیات سے متعلق موجودہ صورت حال کے حامی تھے؛ یعنی انہوں نے یہ کوشش کی کہ مختلف انقلابات کے مطالعہ کے ذریعہ ایک نظریہ قائم کریں اور پھر دنیا میں کہیں بھی کوئی انقلاب رونما ہو، اس کی توجیہ و تفسیر یا اس کے ظہور کی پیشین گوئی اس نظریہ کے ذریعہ کریں۔ محترمہ اسکاچپول بھی انہیں دانشوروں میں سے ایک ہیں جن کی نظر میں ایک انقلاب، ایک اتفاق ہے اور ارادہ کے اختیار سے باہر ہے۔ ان کا عقیدہ تھا: انقلاب

---

۱. فرامرز، رفیع پور، توسعہ و تضاد، ص ۱۲، ۱۳۔

۲. فرامرز، رفیع پور، توسعہ و تضاد، ص ۱۲، ۱۳۔

آتا ہے، اسے لایا نہیں جاتا۔ جب اسلامی انقلاب رونما ہوا جس کو لایا گیا تھا اور اس کو کامیاب بنایا گیا تھا تو اس کے بعد انہوں نے اپنا نظریہ بدل ڈالا اور کہا: انقلاب آتے ہیں لائے نہیں جاتے سوائے اسلامی انقلاب ایران کے جو لایا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی انقلاب ایران نے دنیا کے نظریہ پردازوں کے سامنے ایک نیا باب کھول دیا[۱]۔

اسلامی انقلاب ایران نے موجودہ نظام کے اصول و مبانی کو توڑ کر، معنویت کی تشنہ دنیا کو فطرت الٰہی پر قائم، حکومت الٰہی کو قبول کرنے کی راہ میں ایک موثر قدم اٹھایا۔

۷. استکبار سے جنگ

دنیا میں ہمیشہ سے ظالموں اور مستکبروں کی حکومت رہی ہے۔ حقیقت میں ایسے ہی نظام کی کمر توڑ کر دنیا میں امام زمانہ (ع) کی حکومت کے قیام کے مقدمات کو فراہم کرنا اسلامی انقلاب ایران کا مقصد ہے۔ اسلامی انقلاب ایران نے استقلال کو ترقی کا اہم راز اور وابستگی کو پچھڑے رہنے کا سب سے بڑا سبب بتایا ہے اور اس سلسلہ میں متعدد بار دنیائے اسلام اور بچھڑے ہوئے ممالک کو آگاہ بھی کیا ہے، امام خمینیؒ کا عقیدہ تھا ”اسلام، صنعت، زراعت، اقتصاد اور تہذیب میں کسی سے بالخصوص اغیار سے وابستہ رہنے کا شدت سے مخالف ہے“، اسی طرح آپؒ کی نظر میں فکری وابستگی بھی زیبا نہیں ہے، اور ہمیشہ اس بات کی تاکید کی کہ وابستگی اور استقلال ہر گز جمع نہیں ہوسکتے اور جب تک سماج کے ہر شعبہ اور ہر فرد میں استقلال پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک اس ملک کو آزاد اور مستقل نہیں کہا جا سکتا[۲]۔

امام خمینی (رہ) کی کوششوں سے ایران، امریکا کے سلطہ سے آزاد ہوا جس کی وجہ سے دوسری قوموں میں ظالموں کے مقابلہ میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور معنوی و الٰہی اقدار کا بول بالا ہوا۔

مقام معظم رہبری حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مد ظلہ العالی کی نظر میں اسلامی انقلاب کا استقلال خواہ ہونا دنیا کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا، یہاں تک کہ بعض عقب ماندہ ممالک کے سربراہوں کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔ جیسا کہ اسلامی ممالک کے سربراہوں پر مشتمل کانفرنس میں مشرقی ایشیاء سے تعلق رکھنے والے ایک اسلامی ملک کے سربراہ نے رہبر معظم کو مخاطب کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ اس کے ملک کی فقیری حقیقت میں اسرائیلی اور امریکی سرمایہ داروں اور تجار سے وابستگی کی بنا پر ہے۔ اسی لئے رہبر معظم

---

۱. عبد الوہاب فراتی، رہ یافت ہای نظری بر انقلاب اسلامی، ص ۱۸۴، ۲۱۵۔

۲. صحیفہ نور، ج ۱، ص ۱۰۹۔

کا عقیدہ ہے کہ جب عالمی استکبار واستعمار اپنے منافع کو خطرہ میں دیکھتا ہے تو پھر وہ کسی بھی قوم و ملت اور معیشت وفرہنگ پر رحم نہیں کرتا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ونزوئلا کی حکومت اور عوام کا امریکہ کے سامنے ڈٹے رہنا یقیناً اسلامی انقلاب سے متاثر ہونے اور درس لینے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح کاسٹرو بھی ایران کے انقلاب کو نمونہ قرار دیتے ہوئے عوام کی حمایت کے سہارے ایک عرصہ تک امریکہ کے سامنے قد علم کئے ہوئے تھا۔ لبنان کے حزب اللہ بھی ایرانی عوام سے سبق لیتے ہوئے اسرائیل کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنے استقلال کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔اسی طرح سیریا کے حکمرانوں نے بارہا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آج ان کی ثبات قدمی، جوانمردی اور استقامت اسلامی جمہوریہ ایران کی مرہون منت ہے۔ ایران کا سیاسی، اقتصادی، فرہنگی اور دیگر شعبہ ہای حیات میں مستقل ہونا دنیا کے مجاہدوں کے لئے نمونہ عمل بن چکا ہے۔ آج عراق، سوڈان، فلسطین وغیرہ اپنے آب وخاک پر قابض ظالموں کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ تمام مسلح تحریکیں ایرانی نعرہ "مرگ بر امریکا" (امریکہ مردہ باد)، ایرانی طریق کار یعنی عوامی بسیج اور اسلامی انقلاب کے اصول یعنی خدا پر بھروسہ کے ذریعہ اپنی تحریک کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔اسی وجہ سے عالمی استکبار واستبداد اور سامراج خوفزدہ ہے کہ کہیں اسلامی انقلاب جیسا کوئی دوسرا انقلاب رونما نہ ہوجائے[1]۔

اس وقت بطور کلی یہ نتیجہ برآمد کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران نے پوری دنیا میں انسانی اقدار جیسے بیداری، حجاب، دین وسیاست کا باہمی رشتہ اور دیگر اقدار کے ذریعہ جہاد اور اسلامی حکومت کے قیام کا بہترین دستور العمل پیش کردیا ہے۔ اس راہ میں اسلامی انقلاب کو مسلحانہ کارروائی کی بہت زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی اقدار چونکہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور اس کی ضرورت ہیں لہٰذا انہیں فعال ومتحرک کرنے کے لئے کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ انہیں صرف زندہ کرنے کی ضرورت ہے، البتہ اسلامی انقلاب کے دامن سے جنم لینے والے اقدار اسلامی ممالک میں زیادہ مؤثر واقع ہوئے۔

اسلامی انقلاب دینی اقدار کے سہارے کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے اور پھر اس نے اس کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے پوری دنیا میں اسے عام کیا اس لئے کہ یہ اقدار جس حد تک عام ہوں گے اسلامی انقلاب کی عمر اتنی ہی طویل ہوتی جائے گی، اور اس طرح عالمی حکومت کے مقدمات بآسانی فراہم ہوتے رہیں گے۔

۱۔ ایوور بنسون، ایران: نگاہی بہ انقلاب اسلامی، ترجمہ: وحید رضا نعیمی، مجلّہ ہمشہری دیپلماتیک، نیمہ دوم بہمن، ۱۳۸۲، ص ۱۲۔

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف

مستضعفین کی حکومت، حقیقت میں وحی، بعثت انبیا اور امامت اولیا کا ثمرہ ہے جس کی تائید انسانی فطرت اور عقل کرتی ہے، یہ عالمی حکومت پوری دنیا میں اسلامی تہذیب کے عام ہونے کی خوشخبری دے رہی ہے۔ اس عالمی حکومت کی اہم خصوصیات ملاحظہ ہوں:

۱. توحیدی فطرت

ایک انسان کو دائرہ اسلام میں آنے کے لئے موحد ہونا اور خدا کی وحدانیت پر ایمان لانا واجب ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے زیادہ تر جو تعبیر استعمال کی ہے وہ "لا الہ الا اللہ" (صافات، ۳۴) "لا الہ الا ھو" (بقرہ، ۱۶۳) اور "لا الہ الا" (نحل، ۲) ہے۔ وحدانیت مخلوقات عالم کے درمیان وہ واحد نقطہ اشتراک ہے جہاں سب جمع ہوسکتے ہیں اور مستضعفین کی عالمی حکومت کے حصہ دار بن سکتے ہیں۔ اسی لئے خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (روم، ۳۰)

ترجمہ: اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔

۲. عاقبت اندیشی

عاقبت اندیشی یعنی انجام کی تلاش اور آخرت پر ایمان جسے اسلامی مفاہیم میں معاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلام نے معاد پر بڑی تاکید کی ہے اس لئے کہ عالمی نظام کو کامیاب بنانے کے لئے اس عقیدہ کو انسانوں کے ذہن میں بٹھانا بہت موثر ہے۔ یہ عقیدہ سماجی برتاؤ پر اثرانداز ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (مومنون، ۱۱۵)

ترجمہ: کیا تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں لائے جاؤگے۔

۳. انسانی عزت و وقار

خداوند عالم نے انسانوں کو کرامت اور بزرگی عطا کی ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (اسرا،۷۰) ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی۔

دین کی نظر میں انسان، جہاں مادی مخلوق ہے وہیں رحمانی مخلوق بھی ہے، اسی وجہ سے مستضعفین کی عالمی حکومت اور مغربی عالمی نظام کے درمیان کہ جس میں انسانوں پر مسلط ہونا بنیادی عنصر ہے، ایک بنیادی فرق ہے۔ اسلامی نظام میں انسانوں کو کرامت اور بزرگی عطا کی جاتی ہے اور اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دین کے آئینہ میں مستقل اور آزاد زندگی گذارے اور اسلام ہر گز ان پر عقیدہ کے اعتبار سے جبر نہیں کرنا چاہتا۔ مذکورہ بیان کئے گئے عالمی اسلامی نظام کے تین اصول کی بنیاد پر اسلامی حکومت کے درج ذیل تین منصوبہ ہیں:

الف: انسانوں کے درمیان ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر درجہ بندی ہوتی ہے نہ کہ خون اور نسل و رنگ کی بنیاد پر۔

ب: بنیادی طور پر کسی پر مسلط ہونا یا کسی دوسرے کو اپنے اوپر مسلط ہونے کی اجازت دینا غلط ہے۔

ج: تمام انسانوں کے درمیان مساوات قائم کرنا خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ اصول ہیں جو صرف اور صرف اسلامی نظام کا حصہ ہیں اور ابھی تک قائم شدہ تمام عالمی نظاموں میں کوئی بھی ایسا نظام نہیں ہے جس میں مذکورہ اصول پائے جاتے ہوں۔

۴. اللہ کی حاکمیت

اس کائنات پر حکومت کرنا صرف اور صرف خدا کا حق ہے۔ حقیقت میں خدا کا ارادہ پوری کائنات پر حکم فرما ہے اور اس کے فیض سے ہی پوری کائنات رواں دواں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے: یہ کائنات اور اس کے جملہ ارکان و عناصر اسی کی قدرت کے زیر اثر ہیں اور اسی نے انسانوں کو تقدیر پر اختیار بخشا ہے اور اسی نے انسانوں کو انسانی سماج کی دیکھ ریکھ کا ذمہ دار بنایا ہے، اسی خدا نے انسانی سماج کی دیکھ ریکھ کو انسانوں کے سپرد کرتے ہوئے اسے اپنے ارادہ کی تجلی گاہ بنادیا ہے، یعنی اس زمین پر خدا کی حاکمیت اس کے منتخب بندوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہے، ایسے نظام میں عقلانیت، معنویت اور عدالت کی حکمرانی انسانی سماج کو کمال کی جانب گامزن کرتی ہے۔

۵. خلیفۃ اللہ

اسلام کے عالمی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت امامت و رہبری ہے جس کے لئے انسانوں کا انتخاب ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"و خلف فیکم ما خلفت الانبیاء فی اممها اذ لم یترکوهم هملا بغیر طریق واضح و لا علم قائم"[1]۔

ترجمہ: اس نے بھی گذشتہ نبیوں کی طرح تمہارے درمیان ایک میراث چھوڑی، انبیائے ماسبق نے اپنی امت کو روشن راستے اور معین نشانیاں دکھائے بغیر نہیں چھوڑا اور انہیں تاریکی میں قرار نہیں دیا۔

امامت و رہبری میں مذکورہ خصوصیت کے علاوہ اور بھی خصوصیات ہیں جو اجتماعی یکجہتی اور وحدت کا باعث ہیں اس لئے کہ اس نے انسانوں کی معنوی اور سیاسی قیادت کا ذمہ لیا ہے جو اجتماعی نظم و انضباط کا بنیادی عنصر ہے، اسے لوگوں کی بیعت سے مشروعیت حاصل ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ افرادی و اجتماعی اعتبار سے مکمل نمونہ ہے، اسی طرح عالمی اسلامی نظام میں امامت و رہبری نظریاتی محور بھی ہے۔

۶. ملت واحدہ

عالمی اسلامی نظام یا مستضعفین کی عالمی حکومت میں انسان، عقلی اور معنوی اعتبار سے مرحلہ بلوغ بلکہ ترقی کی انتہائی منزلوں کو طے کرے گا اور بالفعل تمام انسانی اقدار و فضائل کا مالک بن جائے گا، عالمی اسلامی نظام حقیقت میں ترقی یافتہ اور تکامل یافتہ ہوگا اور اس کے دائرے میں انسانی اقدار کو نکھرنے کا موقع ملے گا، انسانوں کی تمام فطری ضرورتیں پوری ہوں گی اور عالمی پیمانہ پر صلح اور عدل و انصاف کو عام کرنے کے لئے مختلف ذرائع کا استعمال کیا جائے گا اس لئے کہ خداوند عالم قرآن کریم فرماتا ہے:

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (مومنون، ۵۲)

ترجمہ: اور تمہارا سب کا دین ایک دین ہے اور میں ہی سب کا پروردگار ہوں لہٰذا بس مجھ سے ڈرو۔

۷. واحد قانون

حدیث ثقلین سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دنیوی اور اخروی سعادت و کامیابی حاصل کرنے کے لئے بہترین قانون (خدا کی کتاب قرآن مجید) اور اسے بہترین انداز میں نافذ کرنے والے (اہل بیت پیغمبر علیہم السلام) کی ضرورت ہے۔ بشریت ہمیشہ سے قانون کے ضعف و نقص کی وجہ سے نقصان میں رہی ہے لیکن قوانین کو بہترین انداز میں نافذ کرنے والوں کی کمی زیادہ نقصان دہ رہی ہے۔ جو عالمی نظام اسلامی بنیادوں پر قائم ہوگا اس میں عقل کی کوئی دخالت نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں اتنی توانائی نہیں ہے کہ وہ

---

۱. نہج البلاغہ، خطبہ ۱۔

انسان کے جملہ مسائل اور ابعاد کو سمجھ سکے اور اس کا اندازہ لگا سکے بلکہ اس میں شریعت کا قانون ہو گا جسے خالق رب العزت نے بنایا ہے جوانسانوں کی تمام ضروریات سے باخبر ہے، اسی لئے وہ نظام ہر اعتبار سے جامع وکامل ہے اور پوری طرح انسانی فطرت سے ہم آہنگ بھی ہے۔ جب دنیا میں عالمی اسلامی نظام قائم ہو گا اس وقت واقعی معنوں میں اسلامی قوانین جاری ہوں گے اور ہر انسان کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا اور ہر شخص کے لئے اس کی استعداد و توانائی کے اعتبار سے حقوق اور فرائض معین کئے جائیں گے۔

۸. عدل و عدالت

عالمی اسلامی نظام میں عدالت عام اور پوری طرح جاری ہو گی، اسی لئے جب کائنات میں عالمی اسلامی نظام قائم ہو گا تو ظلم و جور کا پوری طرح خاتمہ ہو جائے گا اور مساوات کی بنیاد پر نظام قائم ہو گا، اس موضوع پر مشتمل بے شمار حدیثیں اسلامی منابع میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ابوسعید خدری پیغمبر اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

''ابشرکم بالمهدی یملا الارض قسطا کما ملئت جورا و ظلما یرضی عنہ سکان السماء والارض یقسم المال صحاحا فقال رجل ما معنی صحاحا؟ قال بالسویۃ بین الناس و یملا قلوب امۃ محمد غنی و یسعهم عدلہ''[۱]۔

ترجمہ: میں تمہیں مہدی (ع) کی بشارت دیتا ہوں جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح سے کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی، آسمان و زمین پر رہنے والے اس سے راضی ہوں گے، وہ لوگوں کے درمیان مال و دولت کو صحاحا تقسیم کرے گا، ایک شخص نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ صحاحا کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: یعنی وہ لوگوں کے درمیان مال و دولت کو برابر سے تقسیم کرے گا اور امت محمدیؐ کے دلوں کو مالا مال کرے گا اور اس کی عدالت عام ہو گی۔

علی عقبہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

۱. الشیخ الشبلنجی، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، ص۲۰۰۔

''اذا قام القائم، حکم بالعدل وارفع الجور فی ایامہ و آمنت بہ السبل و اخرجت الارض برکاتها و رد کل حق الی اهلہ ولا یجد الرجل منکم یومئذ موضعا لصدقتہ ولا لبرہ لشمول الغنی جمیع المومنین''[۱]۔

ترجمہ: جب قائم قیام کرے گا، عدالت کے میزان پر حکم کرے گا، اس کے دور میں ظلم و جور کا خاتمہ ہو جائے گا اور راستوں میں اس کے وجود کے پرتو سے امن و امان ہو گا اور زمین اپنی برکتیں خارج کرے گی اور ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دیا جائے گا، اور کسی کو ایسا کوئی مستحق نہیں ملے گا جسے وہ اپنا صدقہ اور خیرات دے سکے اس لئے کہ اس دور میں سارے مومنین غنی ہو چکے ہوں گے۔

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

''یملا الله بہ الارض عدلا و قسطا بعد ماملئت ظلما و جورا''[۲]۔

ترجمہ: خداوند عالم (مہدیؑ) کے ذریعہ زمین کو عدل و انصاف سے مالامال کر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہو گی۔

۹. ترقی اور فلاح و بہبودی

امام مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور میں صنعت اور ٹکنالوجی اپنی ترقی کی آخری حدوں پر ہو گی، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اس دور میں اقتصادی اور علمی ترقی اپنے عروج پر ہو گی، اس دور میں ہر علم اپنے کمال پر ہو گا، اس سلسلہ میں روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''العلم سبعة و عشرون حرفا فجمع ما جائت بہ الرسل حرفان، فلم یعرف الناس حتی الیوم غیر الحرفین فاذا قام قائمنا اخرج الخمسة والعشرین حرفا فبثها فی الناس ضم الیها الحرفین حتی یبثها سبعة و عشرون حرفا''[۳]۔

---

۱. لطف اللہ، صافی گلپایگانی، منتخب الاثر، ص۱۷۰۔
۲. ابو علی، فضل بن حسن طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۹۸۔
۳. محمد باقر، مجلسی، بحار الانوار، ج۵۲، ص۳۳۶۔

ترجمہ: علم کے ستائیس حروف ہیں اور ابھی تک تمام انبیائے الٰہی جو لوگوں کے لئے علم و دانش کا خزانہ لائے وہ دو حرف سے زیادہ نہیں تھا اور لوگوں کو بھی ان دو حروف سے زیادہ کچھ نہیں معلوم لیکن جب ہمارا قائم (عج) قیام کرے گا تو وہ باقی پچیس حروف کو آشکار کرے گا اور انہیں لوگوں کے درمیان عام کرے گا اور ان باقی پچیس حروف کو ان دو حروف میں ادغام کر دے گا۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے:

"انہ یبلغ سلطانہ المشرق والمغرب و تظہر لہ الکنوز و لا یبقی فی الارض خراب الا یعمرہ"[۱]۔

ترجمہ: حضرت مہدی (عج) کی حکومت مشرق و مغرب پر چھا جائے گی اور زمین کے خزانے ظاہر ہو جائیں گے اور پوری دنیا میں کہیں بھی کوئی ویرانی اور تباہی و بربادی کا نشان نہ ہوگا مگر یہ کہ اسے تعمیر کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اذا قام قائمنا وضع یدہ علی رؤوس العباد فجمع بہا عقولہم و کملت بہا احلامہم"[۲]۔

ترجمہ: جب ہمارا قائم (عج) قیام کرے گا، اپنا ہاتھ بندوں کے سروں پر پھیرے گا جس سے ان کی عقلیں مجتمع ہو جائیں گی اور ان کا رشد کامل ہو جائے گا۔

۱۰. عشق و معنویت

آخری عالمی اسلامی نظام میں معنویت عروج پر ہوگی، ایک روایت میں وارد ہوا ہے:

"رجال لا ینامون اللیل لہم دوی فی صلاتہم کدوی النحل یبیتون قیاما علی اطرافہم"[۳]۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو راتوں میں نہیں سوتے اور نمازوں میں اس طرح گریہ و زاری کرتے ہیں جس طرح شہد کی مکھی زمزمہ کرتی ہے اور پوری رات اپنے آس پاس کی حفاظت میں کاٹ دیتے ہیں۔

---

۱. محمد بن علی الصبا، اسعاف الراغبین، ص ۱۴۰۔

۲. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۲۸۔

۳. بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۰۷۔

۱۱. صلح وسلامتی

اس حکومت میں سلامتی، ترقی اور معنویت کا بول بالا ہو گا، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

"حتی تمشی المراة بین العراق الی الشام لا تضع قدمیها الا علی النبات و علی راسها زینتها لا یهیجها سبع ولا تکافة"[۱]۔

ترجمہ: راستوں میں ایسا امن وامان ہو گا کہ اگر ایک عورت عراق سے شام کی طرف سفر کرے تو اس کا کوئی بھی پیر سبزہ کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں پڑے گا، اس کے سر پر اس کے زیورات سجے ہوں گے اور اسے کسی درندہ کا خوف لاحق نہ ہو گا اور نہ ہی کوئی درندہ اسے آزار پہنچائے گا۔

۱۲. رضایت وخوشنودی

اسلام کی عالمی حکومت ایسی ہو گی جس پر پورا آسمان اور ساری زمین راضی ہو گی یعنی آسمان و زمین مل کر اس سے رضایت کا اعلان کریں گے، یہ ایک ایسی حکومت ہو گی "یحبه اهل السموات والارض"[۲]۔ آسمان اور زمین والے خوش ہوں گے اور اس کی برکتیں ہر ایک کے شامل حال ہوں گی اور اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہو گا۔

۱۳. نعمت واطاعت

خداوند عالم ان صالح بندوں کے ذریعہ اپنی برکتیں نازل کرے گا جن کے ہاتھوں میں اسلام کی عالمی حکومت کی باگ ڈور ہو گی، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

"یتمسحون بسرج الامام تطلبون بذلک البرکة"[۳]۔

ترجمہ: یہ لوگ اپنے امام(ع) کے گھوڑے کی زین کا بوسہ دیں گے اور اس طرح برکت کو حاصل کریں گے۔

اس عالمی حکومت میں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی اطاعت جامع و کامل ہو گی، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

"و یقونه بانفسهم فی الحروب و یکفونه ما یرید منهم"[۴]۔

---

۱. منتخب الاثر، ص ۴۷۴۔

۲. محمد محمدی، ری شہری، میزان الحکمہ، ترجمہ حمید رضا شیخی، ص ۱۸۷۔

۳. محمد محمدی، ری شہری، میزان الحکمہ، ترجمہ حمید رضا شیخی، ص ۱۸۷۔

۴. ایضاً۔

ترجمہ: پورے دل وجان سے جنگوں میں اپنے امام (ع) کی مدد کریں گے اور اپنے امام (ع) کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔

خلاصہ کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی انقلاب کی نظر میں مطلوب عالمی نظام وہ ہے جس میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہوں:

الف: یہ نظام جسے نظام امامت وامت کے نام سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے، ایک زعیم اور رہبر کے زیر نگرانی قائم ہوگا۔ امام معصومؑ علم لدنی، عصمت اور امداد الٰہی کے ذریعے ایک عادلانہ نظام کی بنیاد رکھیں گے اور تمام اقوام وملل، حکومتوں اور سرزمینوں کو امت واحدہ کی صورت میں انسانی واسلامی کمال کی جانب ہدایت فرمائیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ اسلام کے عالمی نظام میں امامت و رہبری کی تین خصوصیات ہیں؛

۱. رہبر، عقیدہ، معنویت اور سیاست کا قطب شمار ہوتا ہے۔
۲. امام، مستقیم اور غیر مستقیم طریقے سے خدا کی جانب سے منتخب ہوتا ہے۔
۳. امامت کا تحقق اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا لوگوں کے قبول کرنے پر موقوف ہے[۱]۔

ب: عالمی اسلامی سماج ایک ترقی یافتہ سماج ہوگا جس میں اقدار و صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں گی اور انسانوں کی روحی و معنوی ضرورتیں پوری ہوں گی۔ اس نظام میں دوگانہ پالیسی، نادانوں کی رہبری، انسانوں کے خطاپذیر قوانین، شیطان اور انسانوں کی حاکمیت (جو ہر قسم کے جنگ وجدال کا باعث ہیں) اسی طرح دنیوی جھگڑوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

ج: عالمی اسلامی سماج اور نظام میں انسان زمین پر حاکمیت اور مخلوقات پر قیادت کو خدا کے منتخب بندے کے سپرد کردیں گے، حقیقت میں خدا کی حاکمیت امام معصوم علیہ السلام کے ارادوں کی صورت میں متجلی ہوگی اور موجودہ دور میں علاقوں کی تقسیم اور سرحدیں وغیرہ سب ختم کردی جائیں گی۔

عالمی اسلامی نظام کا گذشتہ اور مستقبل میں رونما ہونے والے تمام عالمی نظاموں سے موازنہ کرنا کسی بھی حالت میں صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض نظام لفظی اور ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے اسلامی نظام سے مشابہ ہوں لیکن محتوی اور معنوی اعتبار سے ان میں کوئی تشابہ نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب ایک ایسے ہی نظام کا طرفدار اور منادی ہے اور ایک ایسے ہی الٰہی نظام کی طرفداری اور اس کے قیام کی جانب گامزن ہونے کی وجہ سے اس وقت مغربی نظام کے ٹھیکیدار اسے اپنا

---

۱. محمد حکیمی، جہانی سازی اسلامی وجہانی سازی غربی، فصلنامہ نامہ کتاب نقد، ش ۲۴، ۲۵، پاییز وزمستان، ۱۳۸۱، ص ۱۰۵، ۱۲۴۔

رقیب اور اپنے راستہ کا سب سے بڑا پتھر سمجھتے ہیں اس لئے کہ اسلامی انقلاب نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ موجودہ سماجی اقدار کی جگہ نئے اور واقعی اقدار کو عام کرے گا۔

نتیجہ

مہدویت اور گلوبلائیزیشن آج کے دور کے اہم مباحث میں شامل ہے۔ منجی عالم بشریت اور مہدویت کا عقیدہ اس وقت تمام انسانوں کا دینی و مذہبی عقیدہ بن چکا ہے۔ مختلف ادیان و مذاہب میں منجی کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جیسے یہودی اور عیسائی مذہب میں مسیحا اور اسلام میں مہدی(ع) کے نام سے جانا جاتا ہے، منجی یعنی ابدی سعادت کے لئے ایک نیا راستہ دکھانے والا۔ اس کے علاوہ ایک دوسری تعبیر بھی عام ہوئی ہے جسے گلوبلائیزیشن (عالمی ہونا) کہا جاتا ہے یا مارشل مک لوہان کی تعبیر کے مطابق عالمی گاؤں کے نام سے معروف ہے۔ اکیسویں صدی میں خواستہ ونخواستہ ہر حال میں ہمارا سروکار ایسے مفاہیم سے رہے گا اور یہ مفاہیم آخر الزمان میں منجی اور مہدویت کے موضوع سے متعلق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گلوبلائیزیشن اور حضرت مہدی(ع) کی حکومت کے درمیان رابطہ ہے اور شاید اس مفہوم کے ذریعہ ہم حضرت مہدی(ع) کی عالمی حکومت کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔ اگرچہ گلوبلائیزیشن پر متعدد اشکال وارد ہیں اسی لئے گلوبلائزیشن اپنے تمام معنوں میں ہر گز اسلامی مہدویت کے مفہوم سے برابری نہیں کرسکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی مفاہیم میں کہیں بھی گلوبلائزیشن پر مشتمل کوئی مفہوم استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ صرف اور صرف اسلام کی عالمی حکومت، حضرت مہدی(ع) کی عالمی حکومت جیسے مفاہیم استعمال ہوئے ہیں[۱]۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ سے ایک عالمی نظام قائم کرنے بلکہ دین سے جدا ایک من پسند نظام حکومت کی بنیاد ڈالنے کے درپے رہا ہے، یہ وہ احساس ہے جسے ہم بخوبی گذشتہ حکومتوں اور شہنشاہوں کی تاریخ میں مشاہدہ کرسکتے ہیں اور آج کا یہ مفہوم محتویٰ کے اعتبار سے نیا نہیں ہے بلکہ جب سے انسان نے زمین پر قدم رکھا تب سے یہ حقیقت زندہ ہے لیکن اس نے ہمیشہ اسے ایک نئی اصطلاح اور نیا مفہوم گردانا ہے اس لئے کہ ہمیشہ اس کے ہمراہ اجتماعی اور صنعتی عناصر مدغم رہے ہیں، تامیلسون کا بھی عقیدہ ہے کہ گلوبلائزیشن ایک پیچیدہ نظام ہے جو بہت تیزی سے عام ہورہا ہے اور اس وقت وہ ہمارے درمیان ماڈرن زندگی کی شکل میں قابل مشاہدہ ہے۔

۱۔ جہانی سازی اسلامی و جہانی سازی غربی، ص ۱۰۵۔

تو معلوم ہوا یہ دونوں مفہوم ایک ہی جہت میں گامزن ہیں اور دونوں میں کافی مشابہت بھی پائی جاتی ہےاور دونوں عالمی پیمانہ پر سر گرم عمل بھی ہیں۔اسی بناپر اسلامی مہدویت کو گلوبلائزیشن کے ساتھ تطبیق دینا بہت ضروری ہے۔اس مقصد کے لئے ہمیں فکری و فرہنگی ابعاد پر زور دینا ہوگا تا کہ ہم لوگ آسانی سے مدینہ فاضلہ کو گلوبلائزیشن کے ساتھ موازنہ کر سکیں اور پھر یہ بات سامنے آئے گی کہ گلوبلائزیشن مغربی طریقہ کار سے متاثر ہے جب کہ میڈیا اسے بہت صاف ستھرا پیش کر رہی ہے۔لیکن اسلامی تحریکیں اس کی واقعیت کو سمجھنے کی بناپر اس کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور انہیں پورا یقین ہے کہ موجودہ مغربی نظام جو پوری دنیا پر چھایا ہے ہر گزوہ مدینہ فاضلۂ مہدوی پر منطبق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اسلام نے انسانوں کو معرفت کے آئینہ میں دیکھنے اور اس کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے اور اس زاویۂ نظر سے مغربی نظام،انسانوں کے حق سے کوسوں دور ہے۔

مغربی نظام ایک سیکولر نظام ہے اسی لئے اس پر سیکولر قوانین اور اصول حاکم ہیں، اس نظام میں انسانوں کا فہم و شعور عقل کی حد تک محدود ہے بلکہ اس نظام میں خدا لایعنی ہے، موجودہ صدی میں ٹکنالوجی کی ترقیات کی بناپر گلوبلائزیشن پوری طرح سے میدان میں اتر چکا ہے بلکہ اپنی ترقی کی آخری حدوں کو چھورہا ہے، گذشتہ صدیوں میں بات چیت کے ذریعہ انسان ایک دوسرے سے رابطہ برقرار کرتے تھے لیکن موجودہ دور کی ترقیات نے اس بات چیت اور کتابت کو کمیت و کیفیت میں بدل دیا ہے، گذشتہ دور میں بہت کم لوگوں کو دنیا کی خبر ہوا کرتی تھی لیکن اس دور میں ہر انسان کو ذرائع ابلاغ کی وجہ سے ہر نئے حادثے کی خبر ہوتی ہے، گذشتہ دور میں انسان اپنے قبائلی نظام، زمان اور مکان کی وجہ سے بطور مشخص پہچانے جاتے تھے لیکن گلوبلائزیشن کے بعد دنیا کے تمام انسان ایک نئی پہچان سے روبرو ہیں، یہی واقعہ عصر مہدویت میں بھی ہوگا اس زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو گلوبلائزیشن اور نظام مہدویت میں یکسوئی دکھائی دیتی ہے[1]۔

اسلامی نقطہ نظر سے جب انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن ضرور حق کی حکمرانی ہوگی، خدا کا وعدہ پورا ہوگا اور مدینہ فاضلہ کا قیام عمل میں آئے گا، ایسا سماج بنانا سنت الٰہی ہے اور عصر مہدی(ع) کسی خاص قوم یا قبیلہ یا سرزمین سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ وعدہ دنیا کے ہر انسان کے لئے ہے، حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کا انتظار کرنا حقیقت میں پوری انسانیت کا انتظار ہے، فکر مہدویت، انسانی فطرت کا اٹوٹ حصہ ہے، ہر انسان کی شناخت الٰہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک عادلانہ سماج کا خواہاں ہوتا ہے، عصر مہدویت میں امام علیہ السلام خدا کی جانب سے بندوں پر لطف ہیں جو لوگوں کی

۱۔ اسلام و جہانی شدن، ص ۳۱۶۔

ہدایت کرتے ہیں اور سعادت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور موجودہ دور کے برخلاف اس دور میں انسانوں کو فضیلت و سعادت کی جانب دعوت دی جائے گی۔ حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور میں علم بام عروج پر ہوگا اور انسانی عقل و شعور اعلیٰ منزلوں کو طے کررہی ہوگی، اگر حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور میں تاخیر ہورہی ہے تو پھر اس کا سبب لوگوں کی نادانی، جہالت اور شرائط و حالات کا فراہم نہ ہونا ہے[1]۔

گلوبلائزیشن یعنی مغربی تہذیب میں ڈھل جانا یا امریکن تہذیب کو قبول کرنا ہرگز اسلامی و دینی تعلیمات اور مہدوی فکر و نظر سے سازگار نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان سب سے بڑا فرق فکر و نظر کے دائرے میں ہے، نظام مہدویت اس کائنات کے پروردگار کے محور پر قائم ہے اور اس کا معیار تمام انسانوں کی آزادی، عدالت اور عقل و شعور ہے، لیکن مغربی تہذیب، دنیوی سیاست پر قائم ہے اور غیر مغربی سماج کی تاراجی اس کی پہچان ہے اس کے علاوہ گلوبلائزیشن اقتصاد اور مغربی سرمایہ داری نظام سے منسلک ہوجاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے تو یہ فکر ہرگز مہدویت کے نظریہ سے سازگار نہیں ہوسکتی اور اگر گلوبلائزیشن کو ٹکنالوجی کی ترقی کے معنی میں لیا جائے تو پھر اس میں اور اسلامی مہدویت میں کوئی فرق نہیں ہے، پس اگر اس زاویۂ نظر سے گلوبلائزیشن کو دیکھا جائے تو وہ مہدویت کی راہ میں بظاہر اس کا حصہ نظر آتا ہے لیکن موجودہ گلوبلائزیشن کی حقیقت کچھ اور ہے اور اس کی موجودہ صورت حال کسی بھی حال میں مہدویت سے قابل قیاس نہیں ہے اور جب عصر مہدی^(عج) شروع ہوگا تو دنیا اس دور کی حیرت انگیز ترقیات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گی اور مات و مبہوت رہ جائے گی۔

منابع و مآخذ

۱. غلام رضا علی بابائی، فرہنگ روابط بین الملل، انتشارات دفتر مطالعات سیاسی و بین الملل، تہران، ۱۳۸۳ش۔
۲. محمد توحید فام، فرہنگ در عرصہ جہانی شدن؛ چالش ہا و فرصت ہا، انتشارات روزنہ، تہران، ۱۳۸۱ش۔
۳. رامین، جہان بگلو، نقد عقل مدرن، انتشارات فروزان، تہران، ۱۳۸۰ش۔
۴. داریوش شایگان، چند گانگی فرہنگی، فصل نامہ گفتگو، دی، ۱۳۷۷ش۔
۵. مجتبیٰ امیری، نظریہ برخورد تمدن ہا، ہنٹنگٹن و منتقدانش، انتشارات دفتر مطالعات سیاسی و بین المللی، تہران، ۱۳۷۵ش۔

۱. مہدویت و جہانی شدن، ص ۱۳۷۔

۶. انڈورلوین، طرح ونقد نظریہ لیبرل دموکراسی، ترجمہ سعید زیبا کلام، انتشارات سمت، تہران، ۱۳۸۰ش۔
۷. شہریار زرشناس، زنگ ہای انحطاط و رسوائی برای نظام ہای لیبرال، دموکراسی، روزنامہ قدس، ۱۹ بہمن، ۱۳۸۱ ش۔
۸. وت جونز، خداوندان اندیشہ سیاسی، ترجمہ: علی رامین، ج۲، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۵ش۔
۹. اسٹنون تانسی، مقدمات سیاست، ترجمہ: ہرموز ہمایوں پور، نشرنی، تہران، ۱۳۸۱ش۔
۱۰. عبد الرحمٰن عالم، تاریخ فلسفہ سیاسی غرب (عصر جدید و سدہ نوزدہم)، انتشارات دفتر مطالعات سیاسی و بین المللی، تہران، ۱۳۷۷ش۔
۱۱. مصطفیٰ کواکبیان، دموکراسی در نظام ولایت فقیہ، انتشارات سازمان تبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۷۰ش۔
۱۲. نوام چامسکی، دموکراسی بازدارندہ، ترجمہ: غلام رضا تاجیک، انتشارات کیہان، تہران، ۱۳۷۲ش۔
۱۳. محمد تقی مصباح یزدی، نظریہ سیاسی اسلام، ج۱، انتشارات موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینیؒ، قم، ۱۳۷۸ش۔
۱۴. علی غفوری، اسلام و اعلامیہ جہانی حقوق بشر، مجموعہ حقوق بشر از منظر اندیشمندان، انتشارات شرکت سہامی انتشار، تہران، ۱۳۸۰۔
۱۵. علی میر سیاسی، دموکراسی یا حقیقت، انتشارات طرح نو، تہران، ۱۳۸۱ش۔
۱۶. پل سوئزی و ادوارد باتالوو، نقدی بر پارہ ای از نظریہ ہای رایج در سرمایہ داری غرب، ترجمہ: فرہاد نعمانی و منوچہر سناجیان، انتشارات جاویدان، تہران، ۱۳۵۶۔
۱۷. حمید مولانا، ظہور و سقوط مدرن، انتشارات کتاب صبح، تہران، ۱۳۸۰ش۔
۱۸. علی اسدی، افکار عمومی و ارتباطات، انتشارات سروش، تہران، ۱۳۷۱ش۔
۱۹. سی، بی مکفرسون، جہان واقعی دموکراسی، ترجمہ علی معنوی تہرانی، انتشارات آگاہ، تہران، ۱۳۷۹ش۔
۲۰. فرانسیس فوکویاما، پایان نظم سرمایہ اجتماعی و حفظ آن، ترجمہ: غلام عباس توسلی، انتشارات جہان امروز، تہران، ۱۳۷۹۔
۲۱. ساموئل پ، ہنٹنگٹن، تمدن ہا و بازسازی نظام جہانی، ترجمہ: مینو احمد سرتیپ، انتشارات کتاب سرا، تہران، ۱۳۸۰۔
۲۲. میلتون فریدمن، سرمایہ داری وآزادی، ترجمہ: غلام رضا رشیدی، نشرنی، تہران، ۱۳۸۰ش۔
۲۳. رابرٹ، اچ، یورک، لیبرالیسم مدرن افول امریکہ در سراشیبی بہ سوی گومورا، ترجمہ: الہہ ہاشمی حائری و حسین غفاری، انتشارات حکمت، تہران، ۱۳۷۸ش۔
۲۴. ہمان، ژان ماری گنو، پایان دموکراسی، ترجمہ: عبد الحسین نیک گہر، انتشارات آگاہ، تہران، ۱۳۸۱ش۔

۲۵. دموکراسی لیبرال در تلاش برای ایجاد نوعی فاشیسم بین المللی است، روزنامہ رسالت، ۲۶ مرداد، ۱۳۸۱۔
۲۶. رحیم کارگر، آیندہ جہان، انتشارات بنیاد فرہنگی حضرت مہدی موعود، قم، ۱۳۸۳ش۔
۲۷. یحییٰ فوزی، اندیشہ سیاسی امام خمینیؒ، مبحث دین وسیاست، نشر معارف، قم، ۱۳۸۱ش۔
۲۸. ری کیلی و فیل مارفلیت، جہانی شدن و جہان سوم، ترجمہ: حسن نورانی بیدخت و محمد علی شیخ علیان، انتشارات دفتر مطالعات سیاسی وبین المللی، تہران، ۱۳۸۰ش۔
۲۹. ژیل کیل، ارادہ خداوند، یہودیان، مسیحیان و مسلمانان در راہ تسخیر دوبارہ جہان، ترجمہ: عباس آگاہی، انتشارات دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۰ش۔
۳۰. محمد حسین جمشیدی، ارتباط متقابل انقلاب اسلامی ایران و جنبش شیعیان عراق، مجموعہ مقالات انقلاب اسلامی و ریشہ ہای آن، ج ۲، انتشارات نہاد نمایندگی مقام معظم رہبری در دانشگاہ ہا، قم، ۱۳۷۴ش۔
۳۱. کوثر (خلاصہ بیانات امام خمینیؒ از سال ۱۳۹۵-۱۳۶۷) ج ۱، ۲، تنظیم: انتشارات موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، چاپ اول، ۱۳۷۱ش۔
۳۲. معصومہ عسکری، انقلاب اسلامی و ارائہ الگوئی مطلوب از زن مسلمان، ویژہ نامہ ماہ نامہ پیام زن، دفتر سوم، فروردین، ۱۳۸۴ش۔
۳۳. معصومہ راغبی، چہرہ زن ایرانی در مطبوعات بیگانہ، ویژہ نامہ ماہ نامہ پیام زن، دفتر سوم، فروردین، ۱۳۸۴۔
۳۴. عباس دلال، زن در جامعہ معاصر ایرانی، ویژہ نامہ ماہ نامہ پیام زن، دفتر سوم، فروردین ۱۳۸۴۔
۳۵. محبوبہ پلنگی، زنان ایرانی از نگاہ زنان غیر ایرانی، گذری کوتاہ، ویژہ نامہ ماہ نامہ، پیام زن، دفتر سوم، فروردین ۱۳۸۴۔
۳۶. حمید احمدی، انقلاب اسلامی و جنبش ہای اسلامی در خاور میانہ عربی، مجموعہ مقالات پیرامون جہان سوم، انتشارات سفیر، تہران، ۱۳۶۹ش۔
۳۷. دست آوردہای عظیم انقلاب شکوہ مند اسلامی در گسترہ جہان، انتشارات سازمان ارتباطات فرہنگی، تہران،
۳۸. فرامرز رفیع پور، توسعہ و تضاد، انتشارات دانشگاہ شہید بہشتی، تہران، ۱۳۷۶ش۔
۳۹. عبد الوہاب فراتی، رہیافت ہای نظری بر انقلاب اسلامی، انتشارات معاونت امور اساتید و دروس معارف اسلامی، قم، ۱۳۷۷ش۔
۴۰. الشیخ الشبلنجی، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، انتشار الدار العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۵ق۔
۴۱. لطف اللہ، صافی گلپایگانی، منتخب الاثر، مکتبۃ الصدر، قم، ۱۳۷۳ش۔
۴۲. ابو علی، فضل بن حسن طبرسی، اعلام الوریٰ، دار المعرفۃ، بیروت۔

۴۳. محمد باقر، مجلسی، بحار الانوار، ج۵۲، دار لمعرفۃ، بیروت، ۱۳۰۴ق۔
۴۴. محمد بن علی الصبا، اسعاف الراغبین، بیروت۔
۴۵. محمد محمدی، ری شہری، میزان الحکمہ، ترجمہ حمید رضا شیخی، انتشارات دارالحدیث، قم، ۱۳۷۹ش۔
۴۶. محمد حکیمی، جہانی سازی اسلامی و جہانی سازی غربی، فصلنامہ نامہ کتاب نقد، ش ۲۴، ۲۵، پاییز و زمستان، ۱۳۸۱۔
۴۷. غلام رضا بہروز لک، مہدویت و جہانی شدن، فصلنامہ کتاب نقد، ش ۲۴، ۲۵، پاییز و زمستان، ۱۳۸۱۔

Rah-e-Islam

An Urdu Quarterly Research Journal
of Islamic and Cultural Studies

NO : 230-231 January-August 2015

Special Issue on: Philosophy of Mahdawiat

Chief Editor :
Dr. Ali Dehgahi

Editors :
Syed Gulam Husain Rizvi & Khan Mohd Sadiq Jaunpuri

Composed by:
Qari Mohd Yasin

Page Setting :
Ali Raza Khan

Designing of the Cover Page :
Aisha Fozia

✧

ISSN: 2349 – 0950

✧

Printed at : Alpha Art, Noida, U.P.

✧

✧

Iran Culture House
18 Tilak Marg- New Delhi-110001
Phone No: 23383232, 33, 34
Fax: 23387547
ichdelhi@gmail.com
newdelhi.icro.ir

Rah-e-Islam

An Urdu Quarterly Research Journal
of Islamic and Cultural Studies

NO : 230-231

January-August 2015

Special Issue on:
Philosophy of Mahdawiat